بحث و تحقیق، سیرت، تفسیر، سلوک و احسان اور تصوف و تکشف
کے حقائق و معارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

تالیف

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

ترتیب و تسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری

مکتبہ لدھیانوی

نام کتاب ——— معارف بہلوی

تالیف ——— حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

ترتیب وتسہیل ——— مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب

تاریخ اشاعت ——— جولائی ۲۰۰۲ء

قیمت ———

ناشر ——— مکتبۃ الدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ ——— جامع مسجد باب رحمت

پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ کراچی

فون: 2780337 - 2780340

اجمالی فہرست

فہرست

فوائد مہمات تصوف و دفع مغالطات ۷۵

یعنی تصوف کے اہم امور اور مغالطوں کا ازالہ

آداب الذکر واقسام الفکر

یعنی ذکر کے آداب اور غور و فکر کی اقسام

انکشاف الاحوال والاوہام

یعنی احوال و اوہام کا انکشاف

التعیین فی ہمزات الشیاطین ۱۷۳

یعنی شیطانی مغالطوں کا بیان

التجلی فی الانوار والتجلی ۳۳۳

یعنی انوار و تجلی کی حقیقت

ضرورۃ الشریعۃ والطریقۃ ۵۰۰

الوفا بعهد الاولیاء

یعنی

سالکین سے لئے گئے وعدے

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

یا تن برضائے دوست باید داد
یا قطع نظر زیار باید کرد

ترجمہ... "ہمیشہ کل (دو) کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہیے، ان دو کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہیے، یا جسم دوست کی رضا میں دینا چاہیے، یا یار سے نظر پھیر لینی چاہیے"

اسی بنا پر کتب متقدمین "اسعد المقصود" وغیرہ میں سے چند مضامین ان وصیتوں میں سے جو مشائخ عظام نے اپنے مریدین و معتقدین کو فرمائی ہیں، اور جو عہد لئے ہیں، پیش خدمت ہیں، جو کچھ بندہ نے صحیح لکھا، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے، اور جس میں غلطی ہوئی، وہ بندہ کی جانب سے ہے، امید ہے کہ ان میں ناظرین کرام اصلاح کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان مضامین کو میرے، میرے احباب اور تمام مسلمانوں کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین!

جاننا چاہیے کہ احکام شرع شریف دو قسم پر ہیں: ۱... عزیمت، ۲... رخصت۔
۱... عزیمت: اس حکم کو کہتے ہیں، جو افضل ہوتا ہے۔
۲... رخصت: وہ حکم ہے جس کو شارع علیہ السلام نے بوجہ کسی عذر کے ترک کرنا جائز رکھا ہے، مثلاً: سفر میں اگر مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا عزیمت ہے، اور افطار بھی جائز ہے، یہ رخصت ہے، اسی طرح اکثر اوقات میں ذکر اللہ کرنا عزیمت ہے، اور فرائض کے اوقات کے علاوہ آرام کرنا جائز ہے، یہ رخصت ہے۔

بھول چوک پر سزا!

مشائخ کرام کا قاعدہ ہے کہ مرید سے بغرض اصلاح عہد لیتے ہیں کہ ہمیشہ عزیمتوں پر عمل کرے اور رخصتوں پر عمل نہ کرے، کیونکہ اس میں ترقی نہیں

مجبور و ناامید ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اس کو اپنا لیتا ہے۔

صفات خبیثہ، حجابات کا ذریعہ:

اگر مخلوق میں کوئی گھرا ہوا جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہے، جتنی صفات خبیثہ بڑھتی جائیں گی، اسی قدر حجابات بڑھتے جائیں گے، حتیٰ کہ بعض وقت اس سالک کے اور خدا کے درمیان ستر ہزار و زائد پردے حائل ہو جاتے ہیں، مولانا علامہ جامی نے فرمایا

"خدایا ہمہ خلق را بہ من بدظن کن"

(اے میرے خدا! تمام مخلوق کو مجھ سے بدگمان رکھ)

ایسی چیزیں اسی قبیل سے ہیں۔

دوئی مٹنے کی علامت:

دوئی کے مٹنے کا معنی اس کے قریب ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ "الحب فی اللہ والبغض فی اللہ" یعنی کسی سے دوستی ہے تو اللہ کے لئے، اور دشمنی ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے۔

اور یہ بھی کہ سالک کبھی کسی کی مدح و تعریف سے خوش و فرحت میں نہیں آتا، اور مذمت و برائی سے دل گرفتہ نہیں ہوتا۔

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا ارشاد ہے کہ انبیاء و اولیاء کے بارے میں عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ پہلے ابتدائی حالت میں ان پر تکالیف مسلط کرتے ہیں، پھر جب وہ صبر کرتے ہیں تو انجام کار انہی کا غلبہ ہوتا ہے۔

جماعت سے پہلے نماز کیسی:

نمبر۱۳۱... شیخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ مسجد میں جماعت کے

مسلمانوں کے ساتھ نرم رہیں:

عہد ۵:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نرم ہوکر رہیں، جب تک کہ وہ کسی برائی کی طرف نہ بلائیں، حدیث میں "لِيْنُوْا فِيْ اَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ" (کہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجاؤ)، یعنی اگر کوئی تم کو صف برابر کرنے کے لئے آگے پیچھے کرے، تو اس کی اطاعت کرو، بحث اور ضد نہ کرو، اسی طرح شریعت کے ہر کام میں جنہیں لانا یا بنانا چاہیں، تو حدود شریعت کا لحاظ رکھتے ہوئے اُن کی اطاعت کرو۔

حرام کلام و طعام سے بچنے کا حکم کریں:

عہد ۶:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے تمام قرآن پڑھنے والے بھائیوں کو حکم کریں کہ وہ اپنی زبان کو جھوٹ اور غیبت سے بچائیں، اور اپنے منہ کو حرام و مکروہ کھانے سے گندا نہ کریں۔ اسی طرح حدیث رسول کے پڑھنے اور پڑھانے والے کے لئے حکم ہے، اور دیگر علماء اور صالحین کے کلام کا بھی یہی ادب ہے۔ سیدی ابراہیم الدسوقی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

> "اپنے منہ کو تلاوتِ قرآن مجید کے لئے پاک و صاف رکھا کرو، کیونکہ جو شخص منہ کو حرام بات یا حرام کھانے سے آلودہ کرکے بغیر توبہ کے قرآن مجید پڑھنے لگے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قرآن کو ناپاکی پر رکھے، ایسے آدمی کا جو حکم ہونا چاہئے، وہ سب کو معلوم ہے۔ بعض اولیاء اپنے مشاہدے میں اس کو باطنی گندگیوں سے زیادہ پلید دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔"

سے زیادہ بہتر سمجھے، اگر اس مقام میں پختگی حاصل ہوئی تو اس کو خوشنودیِ خلق و خالق ہمیشہ نصیب رہے گی۔

پختہ ہونے کی علامت:

اس مقام میں پختہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ جس قدر تمام مخلوق میں متفرق عیوب موجود ہیں، اگر وہ سب کے سب اس سالک کی طرف منسوب کر دیئے جائیں تو وہ ان میں اپنے مبتلا ہونے کو مستبعد نہ سمجھے، کیونکہ اگر ابھی مبتلا نہیں ہوا تو کیا عجب کہ آئندہ ان میں مبتلا ہو جائے؟ یا کم از کم ان کا قصد کرے؟ یہ عہد، پہلے عہد کی فرع ہے۔

طالب کو پوری محبت کے بعد بیعت کریں:

عہد نمبر ۱۰... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب تک طالب کو پوری محبت نہ ہو جائے، اس وقت تک اس سے عہد بیعت نہ لیں، پوری محبت یہ کہ ہمارے اوپر بیوی بچوں میں سے کسی کو مقدم نہ کرے، یہ مشائخ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:

> ”کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک میں اس کی بیوی بچوں اور تمام آدمیوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (مشکوٰۃ ص ۱۲)

شیخ سے نفع لینے کی شرط:

عارف باللہ شیخ عدی بن مسافرؒ جو اس طریق کے رکن اعظم ہیں، فرماتے ہیں:

> ”تم کسی شیخ سے نفع نہیں لے سکتے، جب تک کہ اس پر تمہارا اعتقاد اس کے تمام ہم جنسوں سے زیادہ بڑھا ہوا نہ ہو۔

کہ میرا پیر سب سے افضل ہے۔"

سیدی علی بن وفاؒ نے فرمایا ہے:

"اگر تو چاہتا ہے کہ میری بات سنے تو غیروں کی
باتوں سے کان خالی کر۔"

یہ مسئلہ اصطلاحِ صوفیہ میں "وحدتِ مطلب" کے نام سے مشہور ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ زمانہ طلب میں حصولِ نسبت سے قبل سالک بجز ایک شیخ کے کسی کی طرف رجوع نہ کرے، ورنہ نہایت حصولِ نسبت دشوار ہے اور حصولِ نسبت کے بعد چند مشائخ سے استفادہ میں مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اپنے اصلی شیخ سے اعتقاد و محبت میں کمی نہ ہو، ورنہ ترقی بند ہو جائے گی، بلکہ ہر شیخ سے جو فیض ہو، اس کو اپنے اصلی شیخ کا فیض مشاہدہ کرے، نیز اپنے شیخ کی ہر حکم شرعی میں تابعداری کرنا ضروری ہے، مثلاً: اگر شیخ کامل کہے کہ بیوی کو طلاق دے دے یا آدھا مال لے آ اور فقراء میں تقسیم کر دے یا فلاں ملازمت چھوڑ دے، تو اس میں مخالفت نہ آنے اور پیشانی پر بل نہ چڑھے، اور کامل یہ حکم جب کرے گا کہ اس کے ایمان کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہ ہو۔

دنیا کی کسی چیز میں جھگڑا نہ کریں:

عہد ۱۱:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ دنیا کی کسی چیز میں مزاحمت اور جھگڑا نہ کریں، کیونکہ دنیا پر جھگڑنے سے دلوں میں دشمنی اور نفوس میں کدورت پیدا ہوتی ہے، خصوصاً جس میں شانِ ریاست ہو، مثلاً: تعلیم و تدریس اور مرید کرنا وغیرہ۔ مشائخ کا قول ہے کہ صدیقین کے دلوں سے سب کے بعد حبِ ریاست نکلتی ہے، حبِ ریاست طالب کی ترقی کو روکتی ہے۔

مسجد کی خدمت کریں:

عہد:۱۲:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ مسجد کی خدمت، درس و تدریس اور خطبہ وغیرہ پر تنخواہ نہ لیا کریں، مگر جبکہ کوئی اور صورت آمدنی کی نہ ہو، اور حدیث، "انّ احقّ ما اَخذتم علیہ اَجرا کتاب اللہ" (صحیح بخاری ج:۲ ص:۸۵۴) میں اُجرت لینا مستحب معلوم نہیں ہوتا، بلکہ صرف جواز معلوم ہوتا ہے، ان میں تطبیق یہ ہے کہ وہ کام محض رضائے الٰہی کے لئے کرے اور جو کچھ ملے اس کو عطائے الٰہی سمجھے، اس میں سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس آمدنی اور وظیفہ کے نہ ملنے پر اپنے منصب کے پورا کرنے میں فرق نہ آئے۔

ظالمین، فاسقین کے ہدایا قبول نہ کریں:

عہد:۱۳:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ ظالمین اور فاسقین کے ہدایا قبول نہ کریں اور نہ کھائیں، مگر جب اس میں کوئی مصلحت ضروریہ ہو، کیونکہ دل کو ان ظالمین و فاسقین کی طرف میلان ہوگا، محسن کی محبت فطرۃً قلوب میں رکھی ہوئی ہے، پھر سالک ان کے افعال کی کراہت خفیف سمجھنے لگے گا۔

شیطان سے ہر وقت ڈرتا ہے:

عہد:۱۴:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب مقاماتِ سلوک میں ترقی ہونے لگے، تو شیطان سے پہلے سے زیادہ ڈرتے رہیں، اور بچتے رہیں، کیونکہ انسان کی ترقی سے شیطان کی دُشمنی بڑھ جاتی ہے، اس وقت ایسے دقیق، باریک وساوس قلب میں ڈالتا ہے، جن کو بجز موفق من اللہ کے کوئی نہیں سمجھ سکتا، پس حصولِ نسبت کے بعد بھی سالک کو بے فکر نہ ہونا چاہئے، حصولِ نسبت کے بعد

معصیت کے علاوہ مباحات پر بھی متواضع ہوتا ہے، اس لئے کہ

متقربان را بیش بود حیرانی

ایثار نفس سے پہلے بڑوں اور مشائخ کے ساتھ ایک برتن میں نہ کھانے:

عہد ۱۵:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب تک ایثار نفس کامل طور پر حاصل نہ ہو والدین و مشائخ کے ساتھ ایک برتن میں نہ کھایا کریں، کیونکہ ممکن ہے کہ ماں باپ یا بزرگ کسی بوٹی وغیرہ کو کھانا چاہیں اور یہ بے خبری میں اسے کھا جائے۔ تو یہ ایک طرح کی خیانت ہے، اور کمال احسان کے خلاف ہے۔ اور یہی حکم چچا کا ہے، کیونکہ "العم کالاب" یعنی چچا، باپ کی مانند ہے۔ (ہاں اگر والدین یا بزرگ کا حکم ساتھ کھانے میں ہو تو ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے کھائے۔)

اسی طرح جن لوگوں کو آیت شریفہ میں عطف کر کے بیان کیا گیا ہے، جیسے قرابت والے، یتیم بچے اور مسکین وغیرہ، ان کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔ "وبالوالدین احسانا وذی القربی والیتمی والمسکین"۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی ماں کے ساتھ کھانا چھوڑ دیا، کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ: "مجھے اندیشہ رہتا ہے کہ کسی لقمے پر میری والدہ کی نگاہ مجھ سے پہلے پڑے اور میں بے خبری میں اسے کھا لوں۔"

علماء اور صوفیہ کی برائی کرنے والوں کو خوب جواب دیں:

عہد ۱۶:... اسی طرح مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ علمائے عظام

اور صوفیائے کرام کی طرف سے ان لوگوں کو جو ان علمائے عظام و صوفیائے کرام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، خوب جواب دیں، اور ان طعن و تشنیع کرنے والوں کی بات پر ہرگز کان نہ دھریں، علمائے عظام و صوفیائے کرام پر طعن وہ شخص کرتا ہے جو ان کے مراتب جاننے سے قاصر ہے، ایسے طاعن کی زبان ہو قصیف سے نور چھین لیا جاتا ہے، کسی کو اس سے فائدہ نہیں ہوتا، جیسے بعض نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور بعض نے حضرت معروف کرخی اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، معاذ اللہ!

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"جب کسی کی غلطی معلوم ہو، اول اس سے تنہائی میں پوچھیں، اگر حل نہ ہو سکے تو خط کے ذریعے سے تحقیق کریں، اور اگر نہ حل ہو سکے تو محتمل تاویل کریں، اگر وہ غلطی کا اقرار کرے تو پھر اس کی تحقیر سے باز آئیں، اور اگر اس کا قول کسی مسلک صحیح یا کسی معتمد مذہب پر مبنی ہو تو اس پر کوئی اعتراض نہ کریں، ممکن ہے وہ اس مسئلہ میں اسی مسلک کا معتقد ہو، اس لئے سنتے ہی بلا تحقیق نکیر نہ کریں۔"

افسوس! کہ اس طریقہ کو ہم نے بھلا دیا اور بغض و حسد کے باعث غیظ و غضب سے اپنی عاقبت کو خراب کیا۔

لوگوں سے تعلقات نہ بڑھائیں،
عملِ تعویذ میں نہ بڑھیں:

عہد نمبر ۱:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ دنیاوی حساب و کتاب، مثلاً: خرید و فروخت اور کثرت کی آرزو، اسبابِ زائد کی فراہمی، تعلقات و دوستیں

بڑھانا، لوگوں سے آمد و رفت بڑھانا وغیرہ سے کنارہ کش رہیں، ضرورت سے زائد تعلقات وغیرہ نہ رکھیں۔

حضرت سیدی ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"دنیا ابلیس کی بیٹی ہے، پس جو کوئی ضرورت سے زیادہ لے گا ابلیس کا داماد بن جائے گا۔"

بندگانِ خدا کیمیا بنانے، جڑی بوٹیاں، ڈھونڈنے کی دواؤں اور عملیات میں مرغوب رکھنے سے بلند و ارفع ہوتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ:

"کیمیا اور عملیات پر اعتقاد و رسوخ رکھنے والا ولی نہیں بن سکتا، جب تک اس (اعتقاد و رسوخ) سے توبہ نہ کرے۔"

قرض سے سبکدوش ہوں:

عہد ۱۸:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ کسی کا دَین و قرض ذمہ ہو تو جلدی ادا کریں، اور مدیون (مقروض) سے مطالبہ نہ کریں، اور مناسب ہے کہ فقیر مدیون (مقروض) کو معاف کریں، اور سختی سے مطالبہ میں تنگی نہ کریں۔

دنیا کی لذات و رونق میں نہ پڑیں:

عہد ۱۹:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ دنیا اور اس کی لذات، رونق، عجائبات، بلڈنگوں، کروفر اور شہوات وغیرہ کی طرف سے رغبت سے نگاہ نہ کریں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو کوئی دنیا میں رغبت کرے گا نجاست سے ضرور آلودہ ہوجائے گا۔"

واجب ہے کہ امیروں کے پاس آمد و رفت نہ کرے اور ان سے میل ملاپ بجز ضرورتِ شدیدہ کے نہ ہو۔

مزارعین کی زیادہ رعایت کریں:

عہد ۲۰:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اگر تمہاری ملکیت میں زمین ہو تو مزارعین کی زیادہ رعایت ہونی چاہئے۔

اپنا ظاہر و باطن یکساں کریں:

عہد ۲۱:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے نفس سے اس قدر مجاہدہ کرائیں کہ آپ کا ظاہر و باطن یکساں ہو جائے، جیسے ظاہر میں آپ نیک اعمال کرتے ہیں، اسی طرح دل کو بھی امراضِ باطنہ سے پاک و صاف رکھیں، بلکہ باطن کو ظاہر سے زیادہ سنواریں، تاکہ آپ صفتِ نفاق سے پاک صاف ہو جائیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وصیت میں یہ بھی ہے کہ:

”ہمیشہ اس سے بچو کہ تم ظاہر میں خدا تعالیٰ کے دوست ہو اور باطن میں دشمن رہو۔“

یعنی ایسا نہ ہونا چاہئے کہ ظاہر میں تو ولی اللہ رہو، اور باطن میں تکبر، حسد اور کینہ وغیرہ ہو اور زبان صداقت کی ہو اور اس پر عمل نہ ہو۔

مرید کو توجہ سے مجبور نہ کریں، حقیقتِ توجہ:

عہد ۲۲:... مشائخ یہ بھی عہد لیتے ہیں کہ اپنے مرید پر ایسی توجہ نہ دو کہ وہ مجبور ہو جائے، کیونکہ یہ خلافِ سنت ہے، توجہ کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے دعا اور آرزو کرنا کہ فلاں شخص کی حالت درست ہو جائے یا اس کو نسبت مع اللہ حاصل ہو جائے، یا اپنے دل کو اسی کی طرف متوجہ کر دینا تاکہ شیخ کے دل کے انوار مرید کے دل میں منتقل

جائیں۔ کبھی اس توجہ کے اثرات مشائخؒ کے کھانے پینے کی چیزوں، ان کی باتوں یا ان کے چلنے پھرنے کی جگہ میں سرایت کر جاتے ہیں، جو شخص ان کو استعمال کرتا ہے یا شیخ کی باتیں سنتا ہے، اس کو نسبت مع اللہ نصیب ہو جاتی ہے، تو گویا وہ چیزیں شیخ کے قائم مقام ہو جاتی ہیں، کیونکہ شیخ کے جسم و روح کی حقیقت کا نمونہ وہ چیزیں ہیں۔ اور شیخ کا ایسی توجہ کرنا کہ مرید مجبور ہو جائے، نہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے۔ اور جن مشائخ متاخرین رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی توجہ منقول ہے، اگر نقل صحیح ہو تو وہ شاذ و نادر ہے۔

آبرو ریزی کرنے والے سے میل جول کم کریں:

عہد ۴۳:... مشائخؒ مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جو شخص آبرو ریزی کرے یا برا بھلا کہے، اس سے ملنا جلنا اس لئے کم کریں کہ اس کو دیکھنے سے گرانی ہو گی، اور اس کو غصے کی تکلیف نہ ہو۔

تمام اعمال و معاملات میں توحید حاصل کریں:

عہد ۴۴:... مشائخ مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ تمام اقوال، اعمال، اخلاق اور معاملات میں توحید خالص حاصل کریں، یوں نہ کہیں کہ فلاں چیز ہماری ہے یا ہمارے پاس ہے، ہاں! بطریق مجاز یا بھولے سے زبان سے نکل جائے تو مضائقہ نہیں۔ کسی بزرگ نے دعا کی

"اے اللہ! میری مغفرت فرما، کیونکہ آپ کا وعدہ ہے
کہ جو آپ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، اس کی مغفرت
کر دی جائے گی۔"

اچانک ہاتف نے آواز دی کہ "دودھ کے دن کا قصہ یاد کر!" اس پر وہ

بزرگ شرمندہ ہوئے اور یاد کیا کہ کسی نے دودھ پینے کو دیا، بزرگ نے کہا کہ: "مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ مجھے ضرر نہ پہنچائے؟"

ضرر کی نسبت دودھ کی طرف کر دی گئی تھی، جس پر تنبیہ کی گئی۔ ہر بول چال میں وہ لوگ فکر کرتے ہیں کہ غیر اللہ کی طرف نسبت نہ ہو جائے۔

شیخ میں جو عیب نظر آئے اس کو اپنا عیب سمجھیں:

عہد: ۲۵:... مشائخ، مریدین سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ شیخ میں نقصان و عیب کی جو بات نظر آئے، اس کو اپنا عیب و نقصان سمجھیں، کیونکہ شیخ ہماری حالت کا آئینہ ہے، اگر ہم درست ہوتے تو ہم بھی اس نقصان کو جان لیتے، اسی طرح اگر ذکر و اشغال کے کرنے پر دل کے کھلنے میں دیر ہو رہی ہے، تو یہ نہ سمجھے کہ شیخ کی ناواقفیت ہے، بلکہ یہ توقف ہماری کم ہمتی سے ہے، جیسا کہ طب میں ہے کہ رطوبت رحم حمل کے قرار پانے کا سبب ہے، تو جب تک مرید کا نفس خواہشات حرام و لذات سے سرد نہ ہوگا، طلب و اشتیاق محبوب کی تپش و سوزش سے منور نہ ہوگا، جیسے گیلی لکڑی کو آگ لگانے سے صرف دھواں ہی دھواں نکلتا ہے، یعنی اس مرید سے جھوٹے دعوے اور رعونت کی ایسی باتیں پیدا ہوں گی، جو صوفیہ میں آج کل شائع ہیں۔

مرید کو شیخ پر اعتقاد و یقین جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی شیخ سے فیض زیادہ ہوگا، اور اعتقاد و یقین جتنا کم ہوگا، اتنا ہی شیخ کے فیض سے ناقص رہے گا، مثلاً: مرید یہ اعتقاد کرے کہ شیخ میں تواضع کم ہے تو مرید میں عبدیت و تواضع کم آئے گی، اور اگر یہ اعتقاد ہو کہ شیخ جملہ مقامات عالیہ پر پہنچا ہوا ہے، تو مرید کو بھی جملہ مقامات عالیہ سے حصہ ملے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ما سوا اللہ کی محبت دل میں جمع نہ ہونے دیں:

عہد ۲۶:... مریدین دل میں کسی چیز کی محبت کو جمنے نہ دیں، خواہ مال کی محبت ہو یا اولاد اور متاع وغیرہ کی، کیونکہ حق تعالیٰ شانہ بڑے غیور ہیں، وہ اپنے مؤمن بندوں کے دل میں غیروں کی محبت دیکھنا پسند نہیں کرتے، ہاں! جن لوگوں کی محبت کا حکم فرمایا ہے، جیسے انبیاء، صحابہ، تابعین، علماء وغیرہ، تو ان لوگوں سے حکم الٰہی کی بجا آوری کے لئے محبت کرنا چاہئے۔ یہیں واضح ہو گیا کہ ذکر نفی و اثبات یعنی "لا الٰہ الا اللہ" میں جو مشائخ فرماتے ہیں کہ کلمہ "لا" سے نفی غیر اللہ کی ہو، یعنی غیر کی محبت دور کر رہے ہیں، اس سے انبیاء و اولیاء کی محبت نکالنا مراد نہیں، بلکہ وہ محبت نکالنا مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں خلل انداز ہے۔

شبہ کا جواب:... حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"[illegible] تمہارے بیوی بچوں پر مصیبت اس لئے
آتی ہے کہ تمہارے دل میں ان کی محبت جم گئی تھی۔"

مطالب و مفاہیم قرآن میں احتیاط:

عہد ۲۷:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ قرآن مجید و حدیث شریف سے جو مطلب تمہیں سمجھ میں آئے، اس میں یوں کہو کہ اس کا مطلب میری سمجھ میں یہ آیا ہے، اور یوں نہ کہو کہ اس کا یہی مطلب ہے جو ہم نے سمجھا ہے، قرآن مجید میں ہر مطلب میں اس سے ترقی بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "وفوق کل ذی علم علیم" (یوسف:۷۶)۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد پر ہمیشہ نظر رکھیں:

عہد ۲۸:... مشائخ مریدین سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جس قدر حقوق

اللہ و حقوق العباد ہیں، اس میں ہمیشہ نظر کرتے رہیں کہ کسی کی فروگذاشت تو نہیں ہوئی؟ اور اپنے ذاتی حقوق پر کبھی نظر نہ کریں، شکر الٰہی کے بجالانے کے لئے، اور اس کی ضرورت اس لئے ہے تاکہ ہمیشہ اقرار کرتے رہیں کہ یہ بات اسی کرم پر قائم و دائم ہے۔

شیخ عبدالعزیز دریؒ سے عرض کیا گیا کہ:

"کوئی کرامت ظاہر فرمایئے کہ جس سے ہمارا اعتقاد پختہ ہو اور آپ سے سلوک سیکھنے کا شوق زیادہ ہو۔ آپ ذرا خاموش ہو گئے، پھر فرمایا کہ میرے عزیزو! کیا ہم جیسوں کے لئے آج زمانے زمین پر اس سے زیادہ کوئی کرامت ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو زمین کے اوپر صحیح و سالم چھوڑ رکھا ہے اور زمین کے اندر نہیں دھنسایا؟"

دوست و دشمن کی پہچان:

عہد ۲۹:... مشائخ، مریدین سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ تم دوست و دشمن کی پہچان کرو، تمہارا دوست وہ ہے جو تمہارے عیوب کو ظاہر کرے، اور تمہاری صفات حمیدہ کو مٹانا چاہے، مثلاً: یہ ریاکار اور متکبر ہے۔ اور دشمن وہ ہے جو تمہاری تعریف کرے تمہیں عجب، کبر، تفاخر اور شیخی بازی میں ڈالنا چاہتا ہے۔

نرمی سے بات کریں:

عہد ۳۰:... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ تم اہل معاصی کے ساتھ نرمی سے بات کریں، خواہ شرابی ہو یا جواری، زانی ہو یا چور، یہ کامل طریقہ

ہے ان کے توبہ کرنے کا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام گنہگاروں سے نفرت کرنے لگے، تو وحی سے حکم ہوا:

''جس کی حالت درست ہے، اس کو تو آپ کی ضرورت نہیں، اور جس کی حالت خراب ہے، آپ ان سے اعراض کرتے ہیں، پھر آپ کو پیغمبر کس نے بنایا گیا ہے؟''

بدگمانی سے بچیں:

عہد:۳۱.....مشائخ، مریدوں سے یہ وعدہ بھی لیتے ہیں کہ اگر کسی مالدار کو کھلم کھلا زکوٰۃ دیتا نہ دیکھیں تو اس سے بدگمان نہ ہوں، بلکہ اس کے ساتھ نیک گمان رکھیں، مثلاً خفیہ زکوٰۃ دیتا ہوگا، یا اس وقت نہیں دی اور فوری دینا واجب بھی نہیں، کیا ہوا؟ دیدے گا۔ اسی طرح کسی عالم کی شان میں زبان درازی سے بچیں، کیونکہ غیبت کرنا گناہ ہے اور علماء کا گوشت زہر آلود ہے۔

مشہور مہمان نواز کے پاس قیام نہ کریں:

عہد:۳۲.....جب کسی جگہ سفر کریں تو مشہور مہمان نواز کے ہاں قیام نہ کریں، کیونکہ اس کے پاس اور بہت سے مہمان ہوں گے، آپ کا بھی اس پر بار (بوجھ) پڑ جائے گا، اگر سواری ساتھ ہو تو اس کا انتظام خود کریں، اس پر بار نہ ڈالیں، اگر کسی شیخ و عالم کے ہاں مہمان ہوں، تو ایسی بات ہرگز نہ کریں کہ اس کے مرید، طالب اور ملازم وغیرہ آپ کی طرف ملتفت و راغب ہوں۔

عمل میں کوتاہی کی علامات:

عہد:۳۳.....مشائخ یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جس طالب علم میں عمل کی کوتاہی دیکھیں، اول تو اسے سمجھائیں، اگر وہ نہ سمجھے تو اس کو رخصت کردیں، اس

صرف یہ طالب علم علم میں مخلص نہیں، بلکہ کسی غرض و مطلب کی بنا پر پڑھتا ہے۔ ایسے
فقہ نہیں پڑھتا اس کو بھی رخصت کر دیں۔

عمل میں کوتاہی کی علامت یہ ہے کہ استاد کے سامنے اس کو بے ادب
پائیں۔ بات چیت کرتے وقت نگاہ نیچی نہ کرتا ہو، پیچھے بیٹھ کر استاد کی حرمت نہیں
رکھتا، اس کی اولاد سے مقابلہ کی بات کرتا ہے، استاد کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتا
ہے، کاہلی کی وجہ سے بے وضو یا حالت جنابت میں بغیر غسل کے رہتا ہے، خواب
دوپہر پر آرام لیتا ہے اور کوئی محنت نہیں کرتا، مسجد میں قرآن مجید پڑھنے کی آواز سن کر کھیل کود
لعب میں مشغول رہتا ہے، جماعت میں حاضر نہیں ہوتا، دنیا داروں کی خوشامد کرتا ہے،
صوفیوں کے مرقع اوڑھ کر ایسا بنتا ہے تاکہ لوگ صوفی سمجھیں حالانکہ وہ صوفی نہیں۔

شبہ کا جواب: ۔۔۔ مجوزہ اہل دنیا کی حالت سے دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ ان
کا کام بغیر اتباع کے چل رہا ہے۔ دنیا میں اگر ان کا کام چل گیا تو کیا ہوا؟ جب
آخرت میں کار آمد نہیں تو کچھ بھی نہیں

طالب علم کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ درسیات سے فارغ ہو کر عملیات کی طرف توجہ
کریں گے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور دوسروں کو تعلیم دینا بے شک مقصود ہے، اصل مقصود
تو خود عمل کرنا ہے۔ جیسے طبیب اگر خود بیمار ہے اور مریض کو شفا ہو گئی تو کیا
فائدہ؟ کیونکہ وہ خود تو موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ کسی طالب یا عالم میں جب یہ بات
دیکھو کہ وہ فقیروں کی مجلس میں اپنے علم و تقویٰ کا ذکر پسند کرتا ہے تو سمجھو کہ وہ
ریاکار ہے۔

حضرت صالح مری نے فرمایا کہ

"طالب علم کے ناقص ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر
کسی نے اس کو جاہل، ریاکار یا شہرت پسند کہہ دیا تو اگر اس سے

اس کا دل تنگ ہوتا ہے تو وہ ریاکار ہے، اور اگر خوش ہوتا ہے تو وہ مخلص ہے۔"

انت بما تعلم لم تعمل

فکیف تطلب علم ما لم تعمل

ترجمہ: "معلوم شدہ بات پر تو نے عمل نہیں کیا، پھر نئی معلومات کے حاصل کرنے کی تجھے کیوں فکر ہے؟"

ریاکار عالم کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو علم کی رغبت دلاتا ہے کہ اس کے پاس لوگ پڑھنے آئیں، پھر اگر لوگ دوسرے عالم کے پاس جائیں، تو وہ غیرت کرتا ہے۔

حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر عمل کے لئے لوگ پڑھتے تو ہر کڑوی بات کو دوا کی طرح گھونٹ گھونٹ پیتے اور یہ لذت اور مزہ بھول جاتے۔"

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ بیہودہ لوگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا:

"جو اپنے علم کے ذریعے سے دنیا کماتے ہیں۔"

امام شافعی نے فرمایا کہ:

"اگر علم نے نفع نہ دیا، تو وہ نقصان ضرور پہنچائے گا۔"

دُنیادار لوگوں سے دوستی نہ کریں:

عہد ۲۴:... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ ان لوگوں سے

دوری کریں جو دُنیا سے بے رغبت اور منصب چاہنے سے کنارہ کش رہتیں، کیونکہ منصب چاہنے سے آدمی حب ریاست کی بلا میں گرفتار ہو جاتا ہے، الا من شاء اللہ۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

"جو شخص قرآن کا عالم ہو، پھر دُنیا سے محبت کرے، اس کو قرآن مجید خود سے آواز دیتا ہے کہ تو نے میرے مواعظ و نصائح کہاں کھوئے؟ میرا تو کوئی حرف نہیں کہتا کہ تو دُنیا سے محبت کر۔"

بڑا بن کر نہ رہنا:

عہد ۳۵:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں سے بڑائی نہ کرتے رہیں، دُنیادار خواہ قرآن صوفیہ کے ہاں جا نہیں سکتے، کسی تقریب، نکاح یا ولیمہ میں ان کو دعوت کے لئے بلاتے ہیں، اگر سالک تکبر کی وجہ سے دُنیاداروں سے ملاقات نہیں کرتا ہے، اور اگر کسی سے بچنے کے لئے نہیں جاتا یا کوئی اور شرعی وجہ ہے تو سالک کے لئے نہ جانا جائز ہے۔

مقامات عالیہ کی تحصیل کی ترغیب:

عہد ۳۶:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے دوستوں اور بھائیوں کو مقامات عالیہ حاصل کرنے کی ہدایت کرتے رہیں اور ان کو نقصان و تنگی کی حالت میں برباد ہونا نہ چھوڑیں، کیونکہ ان کی بابت تم سے سوال کیا جائے گا۔ اس عہد پر آج کل کم عمل کیا جاتا ہے، جب کسی کو ایسا شیخ مل جائے جو اس کو نصیحت اور روک ٹوک کرتا ہے، اور علمی پڑھنے پڑھانے کی اجازت بھی ہے تو سالک کے لئے ضروری

جائے کہ اس سے چمٹ جائے، اور اس کے پاس رہ جائے، کیونکہ ایسا شیخ کبریت احمر کی طرح نایاب ہے

دین والے کو نصیحت اور اسلام کی تبلیغ و نصرت کی وجہ:

عہد: ۳۷... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جس کو ہم دین میں پیچھے دیکھیں، اس کو نصیحت کرنے کے لئے کسی وقت کا انتظار نہ کریں، بلکہ جلدی نصیحت کردیا کریں، اگرچہ مجمع ہی میں کیوں نہ ہو، ہاں اگر شیخ سوچے کہ وہ شخص نصیحت کرنے سے دل میں ملول ہوگا تو پھر چپکے سے اسے نصیحت کرنا چاہئے، کیونکہ ایسے شخص کے دل میں نفاق اور نخوت ہے، ورنہ وہ نصیحت سے خوش ہوتا، اور اگر فکر و اندیشہ ہو کہ اس کو نیک کام کرنے کی نصیحت سے نفرت بڑھ جائے گی، اور اس کا دین برباد ہو جائے گا تو پھر ایک بار ہی نصیحت کافی ہے، نفرت کی وجہ اکثر یہ ہوتی ہے کہ خود اس شخص میں توفیق کی کمی ہے یا تمہارا اخلاص کامل نہیں، یا نصیحت کرنے والے کو نصیحت کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔

مجرم پر رحمت نہ ہونی چاہئے:

عہد: ۳۸... مشائخ مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جس شخص کو شریعت کی تلوار یا تازیانہ شرع سے مارا گیا، جیسے چور اور ناحق قتل کرنے والا وغیرہ، تو دل میں اس کے لئے شفقت و رحمت پیدا نہ ہونی چاہئے کیونکہ قرآن کریم میں ہے:

"وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ" (النور:۲)

حق تعالیٰ نے جو سزا اس کے لئے مقرر کی ہے، وہ بھی رحمت ہے، وہ ہم سے زیادہ مہربان ہے، اگر ہم اس پر اجرائے قانون میں رحمت کرنے لگیں تو حق تعالیٰ کی جانب کی رعایت نہ رہے گی۔

شیخ احمد زاہدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

"جب کسی کو تنگی اور پریشانی میں مبتلا دیکھو تو جلدی سے یہ مت کہو کہ یہ بے چارہ اس سزا کا مستحق نہ تھا، یا یوں نہ کہو کہ یہ ایسی سزا کا مستحق تھا، پہلی صورت میں تمہاری رحمت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑھ گئی، اور دوسری صورت میں اپنے مسلمان بھائی پر مسرت اور خوشی ظاہر ہوتی ہے۔"

عقیقے میں شریک نہ ہوں:

عہد:۳۹... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ عقیقہ یا شادی کی تقریب میں شریک ہونے کے لئے کسی کی درخواست منظور نہ کیا کریں، بالخصوص اگر وہ علماء وصلحاء سے مشابہت رکھتے ہوں، ہاں! اگر کوئی مصلحت شرعی ایسی ہو جس میں جانے کو نہ جانے پر ترجیح ہو، تو شرکت میں مضائقہ نہیں، آج کل یہ تقریبات مقابلہ اور تفاخر کے لئے کی جاتی ہیں، حتیٰ کہ بڑے بڑے علماء وصلحاء بھی اس میں مبتلا ہیں، نیز اکثر تقریبات میں لہو ولعب کا سامان یعنی راگ باجے بھی ہوتا ہے، اور ایسی تقریبات میں شریک ہونا علماء وصلحاء کی شان کے خلاف ہے، کیونکہ ایسی تقریبات ہیبت وعظمت کو کھونے والی ہیں۔

عرس میں شرکت نہ کرنا چاہئے:

عہد:۴۰... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ عرسوں کی دعوت بھی قبول نہ کیا کریں، جو مسلمانوں کی قبروں پر کئے جاتے ہیں، بالخصوص اگر قبرستان میں عرس ہو تو بالکل نہ جاؤ، کیونکہ ان میں مسلمانوں، اولیاء اللہ اور شہداء کی قبروں کو پاخانہ، پیشاب، گدھے اور خچروں کی لید اور ان پر چلنے پھرنے سے ناپاک اور پلید کیا جاتا

ہے، قبروں پر کھانا پینا، چلنا پھرنا، پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا منع ہے، جس کی وجہ سے شرکت عرس کے لئے بلانا اور جانا بالکل بے اصل ہے، البتہ بزرگوں کی روح پاک کو کلام مجید بخشنا، طعام اور نقد وغیرہ کا ثواب بخشنا جائز ہے، اور جو چیز شرع میں نہیں ہے، اس کا کرنا ممنوع ہے۔

مشتبہ جگہ کی دعوت قبول نہ کرنا:

عہد ۱۴:... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے گھر کا کھانا نہ کھایا کریں جو کمانے میں حلال و حرام کا کچھ خیال نہیں کرتے، یا فخر و دکھاوے کے لئے دعوتیں کرتے ہیں، اخلاص اور محبت سے دعوت نہیں کرتے، یا دین فروشی کر کے دنیا کماتے ہیں، جیسے کہ بعض درویشوں نے درویشی کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے، کیونکہ یہ سب کھانے ظالم آدمی کے گھر کا کھانا کھانے کی طرح ظلمت اور گندگی پیدا کرتے ہیں۔

اسی طرح آج کل جمعرات اور قل خوانی وغیرہ کے طعاموں کے متعلق بزرگ یہی فرماتے ہیں، ہاں! اگر سخت ضرورت ہو تو کھانا درست ہے۔

جو عابد و زاہد اپنے دین کے ذریعے کماتا ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ جب وہ نیند سے اٹھتا ہے تو مدہوش کی طرح دیر تک اسے ہوش نہیں آتا۔

دین فروشی نہ کر کے کھانے والے کی علامت یہ ہے کہ اگر وہ تمام اعمال صالحہ سے خالی بھی ہو جائے، جب بھی لوگ اس کی خدمت اور اس کے ساتھ احسان و سلوک کم نہ کریں گے، جس کے ساتھ لوگوں کو دلی محبت ہو، اس کو اپنے دوستوں، شاگردوں اور مریدوں سے ہدایا قبول کرنا جائز ہے، اور اگر وہ یہ سمجھے کہ لوگوں نے میرا

اگر کوئی گناہ دیکھ لیں تو میری خدمت بند کردیں گے۔ تو یہ شخص دین فروشی کر کے دنیا کماتا اور کھاتا ہے۔

میں اسی ظلم کے لائق تھا:

عہد ۳۴:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب کوئی ظالم ان پر ظلم کرے تو اپنے آپ کو اس کا بلکہ اس سے بھی زیادہ کا مستحق سمجھیں، اور یہ خیال کریں کہ جو شخص آگ میں جلانے کے قابل تھا، وہ ذرا سی راکھ پڑنے سے کیسے ناخوش ہو؟ بلکہ خوش ہونا چاہئے کہ بڑی بلا سے نجات ملی۔

’’بلائے بود ولے بخیر گزشت‘‘

بندگانِ خدا تعالیٰ پر مصیبت گناہوں کی سزا نہیں ہوتی، مگر ان کے جسم کو تکلیف تو ہوتی ہے:

درد از یار است و درمان نیز ہم

دل فدائے او شد و جان نیز ہم

معیارِ فرق یہ ہے کہ جس کو مصیبت سے پریشانی اور دل کو بے چینی ہو، اس کے حق میں وہ مصیبت اور پریشانی سزا ہے، اور اگر دل مصیبت و پریشانی سے بے چین نہ ہو تو وہ مصیبت اور پریشانی اس کے لئے نعمت ہے، اور اس کے درجے بلند کرنے کے لئے بھیجی گئی ہے۔

سائل کو واپس نہ کریں:

عہد ۳۵:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ کسی حاجت مند سائل کو بھی خالی ہاتھ واپس نہ کریں، ہاں! سائل ایسی چیز کا سوال کرے کہ وہ آپ پورا نہ

کر سکیں یا اپنے کو اس چیز کی سخت ضرورت ہے، تو اس کے سوال کے رد کرنے کا مضائقہ نہیں۔

ممتاز ہو کر نہ رہنا:

عہد ۴۴:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو، اپنے بھائیوں سے کسی خصلت محمودہ میں ممتاز ہو کر نہ رہیں، کیونکہ اس سے دل کی رونق بجھ جائے گی، لہٰذا امتیازی شان سے بچنا چاہئے کہ اس سے شہرت ہوتی ہے، اور شہرت موجب عجب و کبر وغیرہ ہے۔ ہاں! اگر کسی کو حق تعالیٰ نے مقتدا بنادیا ہو تو وہ معذور ہے، کیونکہ خود اپنے کو ممتاز بنانا نہیں چاہتا، وہ ممتاز بنا دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب کو اپنی جانب پر ترجیح دیا کریں:

عہد ۴۵:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی جانب کو ہمیشہ اپنی جانب پر ترجیح دیا کریں، اور کبھی ایسا کام نہ کیا کریں جو خدا تعالیٰ کی حفاظت و پناہ توڑنے کا سبب بن جائے۔ مثلاً یتیم و مسکین خدا تعالیٰ کی پناہ میں ہیں، ان کو ایذا دے کر خدا تعالیٰ کی پناہ کو نہ توڑیں، اور جو صبح کی نماز جماعت سے پڑھتا ہے، اس کو تکلیف نہ دینا چاہئے، وہ دن بھر خدا کی پناہ میں رہتا ہے۔

حجاج بن یوسف باوجودیکہ نہایت سفاک تھا، لیکن صرف ایسے شخص کا خون نہ کرتا تھا جس نے صبح کی نماز باجماعت پڑھی ہو، اس پر وہ کہتا کہ میں خدا تعالیٰ کی پناہ کو نہیں توڑتا۔

سید کی عزت:

عہد ۴۶:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ آپ اپنے کو کسی سید

سے زیادہ نہ سمجھیں، اگرچہ وہ سید جاہل ہی ہو اور تم عالم ہو، اسی طرح بہتر ہے کہ سید کی مطلقہ سے نکاح بھی نہ کریں، اگرچہ اس نے تین طلاق دی ہو، اور نہ کسی ضرورت سے ذلیل سید سے خدمت لیں، اور اس ادب کا ہر سید کے ساتھ لحاظ کرنا چاہیے، خواہ ان کا نسب صحیح ہو یا اس میں کسی قسم کا شبہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہم پر جو فضیلت دی ہے، وہ ان کے کسی عمل یا بھلائی پر موقوف نہیں، بلکہ یہ فضیلت عنایت خاصہ کے سبب سے ہے، ہاں! اگر سید علی الاعلان فاسق ہو اور اس کی تعظیم سے دین و قانون کا مفسدہ ہو تو ایسے شخص کی تعظیم نہ کرنے میں مضائقہ نہیں۔

بیعت کی شرائط:

عہد ۲۷:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اس وقت تک کسی سے خاص عہد یعنی بیعت وغیرہ نہ لیں جب تک وہ ان تمام حقوق کو ادا نہ کرے، جو اس کے اوپر کسی مال یا آبرو سے متعلق ہیں۔ بیعت ہونے والا اول اپنے گناہوں سے توبہ کرے، اور پھر اگر کچھ عبادات واجبہ نماز وغیرہ اس کی فوت ہوئی ہوں، تو ان کو قضا کرنا شروع کرے، اور حقوق العباد کی ادائیگی کا بندوبست کرے۔ اگر یہ چیزیں نہیں کرتا تو اگر عمر بھر بھی ریاضت کرے گا، ہرگز مقصود حقیقی تک نہ پہنچے گا، اور علم بقدر ضرورت حاصل کرے، پھر شیخ کامل سے کچھ حاصل کرے:

در رہ لیلیٰ خطرہا است بجان
شرط اول آنست کہ مجنوں باشی

بیعت کے بعد شیخ پر لازم ہے:

عہد ۲۸:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب مرید سے عہد

سے بچیں۔ یعنی سارے سلوک میں داخل کرلیں تو اس مرید کی نگاہداشت سے غفلت نہ کریں، اگر اس میں کوئی بری بات دیکھیں تو اس پر روک ٹوک کریں۔ اس کی مرضی پر اسے نہ چھوڑیں۔ شیخ کا مرید پر سختی کرنا عین شفقت ہے، مرید کو بدپرہیزی پر تنبیہ کرنا عین رحمت ہے۔ اس پر شیخ پوری ہمت و توجہ خرچ کرے، ورنہ عہد میں خیانت ہوگی۔

پیر بھائی کی زیارت:

عہد:۴۹ ... مشائخ مریدوں سے بار بار عہد لیتے ہیں کہ وہ اپنے سب پیر بھائیوں کی خواہ مخلص ہوں یا نہ ہوں، زیارت کرتے رہا کریں، ان کے پاس پیادہ اور پیدل چل کر بھی جائیں، بشرطیکہ نفلی عبادتوں سے نہیں چھوٹ سکیں۔

یادداشت کا طریقہ:

عہد:۵۰ ... مشائخ مریدوں سے بار بار عہد لیتے ہیں کہ جب تک ہم کھانے پینے، بچھانے اور سونے سے پہلے زبان سے یا فقط دل سے بحضور "یا اللہ" یعنی اے خداوندا میں اجازت چاہتا ہوں نہ کہہ لیں، اس وقت تک کوئی کام شروع نہ کیا کریں۔ اگرچہ شریعت کی طرف سے ہم کو اس کے بغیر بھی ان کاموں کی اجازت ہے، لیکن زیادہ ادب اس میں ہے کہ ہم بحضور "یا اللہ" کہہ لیا کریں، بلکہ یہ یادداشت پیدا ہونے کا بڑا عجیب طریقہ ہے۔

راز اس میں یہ ہے کہ جب کوئی سلاطین و حکام کے دربار میں جاتا ہے تو پہلے ادب سے اجازت طلب کرتا ہے، تو یہ سالک بھی جب کوئی کام کھانے پینے وغیرہ کا کرے تو لفظ "یا اللہ" سے اجازت طلب کرے۔

مصیبت زدہ کی حاجت روائی ضرور کریں:

عہد:۵۱ ... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ کسی مصیبت زدہ کی

حاجت روائی سے چھپ کر نہ بیٹھیں، البتہ کوئی معقول عذر ہو تو وہ بات ہے، مثلاً غلبۂ حال سے کسی سے بات نہ کر سکتا ہو۔

حکومت میں دخل نہ دیں:

عہد ۵۳:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ حوائج متعلقہ سلطنت و حکومت میں دخل نہ دیا کریں، یعنی ایسے امور میں دخل نہ دیں کہ مقدمات وغیرہ میں توجہ اور ہمت کی درخواست کریں، بلکہ مشائخ کو چاہئے کہ مقدمات وغیرہ کے تعویذوں وغیرہ میں مشغول ہو کر اپنے اوراد و وظائف کو ضائع مت کریں۔ اگر لوگ نہیں چھوڑتے تو پھر زاری سے درخواست کرے کہ: "اے اللہ! مجھے کسی کے حوالے نہ فرمایئے۔"

مجامعت کے بعد بغیر غسل نہ سویا کریں:

عہد ۵۴:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ مجامعت و جنابت کی حالت میں نہ سویا کریں، یعنی اپنے متعلقین کو حکم کریں کہ مجامعت جو شب میں کریں اور فوراً غسل کر لیا کریں، تاکہ روح اصلی حق تعالیٰ شانہ کی جناب میں ذوق نہ کی ہوئے، نیز رحمت کے فرشتے سونے والے کے ساتھ رہیں، اور جنابت کی حالت میں سو جانا گو شرعاً حرام نہیں، مگر رعایت کی ترقی کے خلاف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقتِ امت کے لئے جائز فرمایا ہے، اور مناسب ہے کہ حدثِ اصغر یعنی بے وضو ہونے کی حالت میں بھی نہ سوئیں، کم از کم تیمم کر کے سوئیں، اسی طرح باطنی طہارت کر کے سوئیں، یعنی سوتے وقت کسی سے حسد، کینہ، خیانت، مکر و فریب یا تکبر وغیرہ دل میں لے کر یا خدا تعالیٰ کی کسی تقدیر پر ناراض ہو کر نہ سوئیں، بلکہ توبہ و استغفار کر لینا چاہئے، کیونکہ ممکن ہے کہ نیند میں فوت ہو جائے تو اس کا خاتمہ بخیر نہ ہو۔

مجلس ذکر کی حمایت:

عہد ۵۴:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اگر تمہاری جب سے ذکر اللہ، تلاوت قرآن مجید یا درود شریف کی مجلس میں روز جمع ہوتے ہیں اور کسی دن تم نہیں جا سکے، اور مجلس لوگوں سے خالی رہی یا لوگ کم آئے تو تم پر واجب ہے کہ اس کی قضا کرو، جس قدر ذکر یا تلاوت میں سب لوگ جمع ہوا کرتے تھے، اسی طرح تم تنہا بیٹھ کر پورا کرو، تاکہ ارشاد الٰہی: "ویسارعون فی الخیرات" (آل عمران:۱۱۴) پر عمل ہو جائے۔

طعن کرنے والے کو نصیحت:

عہد ۵۵:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب کسی کو کسی پر اعتراض، طعن یا بے آبروئی کرتا دیکھو تو نرمی اور عمدہ نصیحت سے اس کا علاج کیا کرو۔ طعن وغیرہ وہی کرتا ہے جس کے دل میں اپنی بڑائی اور دوسرے کی حقارت ہو، حقیقت میں یہ طعن کرنے والا خود ہی اس مطعون سے کمتر ہے۔

ان راتوں میں کم سویا کریں:

عہد ۵۶:... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ تم کبھی تہائی رات نہ سویا کرو، اسی طرح جمعہ کی رات، شعبان کی پندرھویں رات، شب قدر کی راتوں اور عیدالفطر و عیدالاضحیٰ کی راتوں میں کم سویا کریں، ہاں! معذوری ہو تو اور بات ہے کیونکہ یہ اوقات محبوب حقیقی اور دربار خداوندی کے ہیں۔

عزیز! عالم غیب کا انتظام بھی عالم ظاہری مملکت کے مشابہ ہے، ایسے دربار میں محرومی، تمام محرومی ہے۔

نفس کے باریک مکر کو خوب سوچیں:

عہد:۵۷:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب تک اپنے نفس کے باریک دھوکوں کی مبالغہ کے ساتھ تفتیش نہ کریں، اس وقت تک کسی مسلمان سے قطع تعلق اور بول چال بند نہ کریں، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حقیقت میں محض حظِ نفس کے لئے قطع تعلق کرتا ہے، لیکن نفس کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے قطع تعلق کر رہا ہوں۔

طاعت کرنے سے حق ادا نہ سمجھیں:

عہد:۵۸:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جتنی بھی طاعت کریں، یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے حق تعالیٰ کا کچھ حق ادا کرلیا ہے، بلکہ یہ سمجھے کہ جو کچھ طاعت ہو رہی ہے، محض اس کی توفیق سے ہے:

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمے کنی
منت ازو شناس کہ بخدمت بداشتت

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مدح کرنے والوں کو روکیں:

عہد:۵۹:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جو کوئی شعر یا نثر میں تمہاری مدح کرے، خواہ تنہائی میں یا مجمع میں، اس کو ڈانٹ دیا کریں، حمد کے لائق حق

تعالیٰ کی ذات ہے، وہیں جو کوئی اپنی مدح کرتا یا سنتا ہے، وہ بھی اپنے کو لائق حمد سمجھتا ہے، تو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک گونہ شرکت کو اس نے پسند کیا ہے، اور ذرا سا شرک بھی کفرِ طریقت ہے، اگر کوئی کہے کہ مدح سے مجھ میں تغیر نہیں ہوتا، تو کیا مذمت سننے کے وقت بھی اسے تغیر نہیں ہوتا؟ اگر ہوتا ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

سیّدی احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ:

"جو شخص تمام احوال میں اپنے نفس کو متہم نہ سمجھے، اس کا نام مردانِ طریقت میں نہیں لکھا جاسکتا۔"

پھر ہم جیسوں میں کوئی کیا دعویٰ کرسکتا ہے؟

مدح کرنے والے کو نرمی سے سمجھائیں:

عہد ۹۰:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جو کوئی تمہاری مدح کرے، اس کے منہ میں مٹی جھونک دیا کریں۔

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"تعریف کرنے والے کے سامنے مٹی رکھ دیں، اور نرمی سے کہیں کہ: جو مٹی سے پیدا ہوا، وہ کب اس قابل ہے کہ تم اس کی مدح کرو؟"

خادمِ مسجد سے دشمنی نہ کریں:

عہد ۹۱:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ تم مؤذن یا کسی خادمِ مسجد سے، جس قسم کا بھی خادم ہو، دشمنی پیدا نہ کرو، جبکہ یہ لوگ اپنے فرضِ منصبی کو

محض ثواب سمجھ کر یا کسی اور اچھی نیت سے کرتے ہوں۔ البتہ کسی ضرورت شرعی سے اگر عداوت کی جائے تو مضائقہ نہیں، مثلاً یہ لوگ کسی حرام کام میں مشغول ہوں۔ یعنی برتاؤ سب مسلمانوں سے ہونا چاہئے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ: روزہ دار کے لئے بھی غیبت سے بچنا ضروری ہے۔ حالانکہ غیبت سے بچنا سب کے لئے ضروری ہے، مگر روزہ دار کو خصوصیت کے ساتھ اس سے بچنے کا حکم کیا گیا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین

والصلوٰة والسلام علی خیر خلقه محمد وآله وأصحابه وأتباعه أجمعین من الصلوٰة

والتسلیمات أفضلها وأکملها وأدومها

سبحانك اللهم وبحمدك أشهد أن لا إله إلا أنت أستغفرك وأتوب إلیك

اللهم تقبل منا إنك أنت السمیع العلیم، آمین ثم آمین

(۱۰ رجب ۱۴۲۵ھ)

اذکار سلسلۂ قادریہ رضی اللہ عنہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جاننا چاہئے کہ سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں (رحمہم اللہ و رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے سلسلے کے اسباق کی ترکیبات اور ترتیبات مختلف طور سے منقول ہیں۔

یہ بزرگ، مریدین کو حسب طبائع و استعداد ذکر و اذکار بتلاتے ہیں، پھر ایک ذکر مثلاً: "لا الہ الا اللہ" ہے، اس کی ترکیب بھی علیحدہ علیحدہ تعلیم فرماتے ہیں، کبھی کسی کو "لا" ناف سے سر تک، اور "الہ" دائیں مونڈھے پر، اور "الا اللہ" کو قلب پر، اور بعض کو یہ ترکیب تعلیم فرماتے ہیں جو ذیل میں مسطور ہے، یعنی "لا" کو قلب سے روح تک، اور "الہ" لطیفہ سر پر، اور "الا اللہ" کو قلب پر۔ خلاصہ یہ کہ ہر سبق کی ترکیبیں بھی مختلف ہیں، اور معانی کا تصور بھی علیحدہ علیحدہ ہے، مثلاً: "لا الہ الا اللہ" کے معانی کا تصور: "نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے" یا "نہیں کوئی مقصود سوائے اللہ کے" ہے، بعض بزرگ کسی ایک معنی کا تصور تعلیم فرماتے ہیں اور بعض تمام معانی مذکورہ کا تصور کراتے ہیں، مگر ترتیب کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عافیت سے تمام کمالات نصیب فرمائے: اب اسباق پیش خدمت ہیں:

سبق ۱:...ذکرِ قلبی:

زبان سے "اللہ" کہنا اور اس کی ضرب دل پر لگانا۔ ایک ہزار یا بارہ سو بار پڑھے۔

سبق ۲:...ذکرِ روحی:

زبان سے "اللہ" کہنا اور اس کی ضرب لطیفۂ روح پر لگانا۔ لطیفۂ روح دائیں جانب دل کے محاذات میں ہے۔ ایک ہزار یا بارہ سو پڑھے۔

سبق ۳:...ذکرِ سری:

زبان سے "اللہ" کہنا اور لطیفۂ قلبی اور روحی کے درمیانی مقام پر ضرب لگانا۔ ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔

سبق ۴:...ذکرِ نفسی:

زبان سے "اللہ" کہنا اور ناف کے نیچے ضرب لگانا۔ ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔
فائدہ:...شیخ جب ذکرِ نفسی بتائے تو آئندہ کے لئے ذکرِ نفی اثبات تعلیم کرنے کا حکم فرمائے۔

سبق ۵:...ذکرِ خفی:

زبان سے "اللہ" کہنا اور پیشانی کی سطح پر ضرب لگانا۔ ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔

سبق ۶:...ذکرِ اخفیٰ:

زبان سے "اللہ" کہنا اور سر کی چوٹی یعنی تالو کے مقام پر ضرب لگانا۔ ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔

سبق ۷:... پاس انفاس:

قلبی، روحی اور سری تینوں لطائف پر سے لفظ "اللہ" کو سانس کے ساتھ خیال کے ذریعہ اوپر ذہن تک لے جانا اور پھر وہاں سے سانس چھوڑتے ہوئے لفظ "ھو" خیال کے ذریعہ ناک سے نکالنا اور ایک وقت میں نہ کریں، بلکہ ایک تسبیح (ایک سو) پڑھ کر اگلی تسبیح بعد میں کریں، تاکہ دماغ ضعیف نہ ہو جائے۔

سبق ۸:... ذکر ارہ:

زبان سے لفظ "اللہ" کہتے ہوئے داہنے کندھے سے شروع کریں اور لطیفہ روحی و لطیفہ سری پر سے گزارتے ہوئے لطیفہ قلبی پر لفظ "ھو" کہہ کر ختم کریں۔

سبق ۹:... مراقبہ صفات:

تمام لطائف پر زبان سے کہے "بصیر میں نہیں تو ہے، کلیم میں نہیں تو ہے، سمیع میں نہیں تو ہے، حی میں نہیں تو ہے، قدیر میں نہیں تو ہے، مرید میں نہیں تو ہے، علیم میں نہیں تو ہے" یہ ایک سو دفعہ، اس طرح جتنی دیر جتنا ہو سکے کرے۔

سبق ۱۰:... سلطان الاذکار:

ناف سے لفظ "اللہ" کو خیال سے اوپر عرش معلی تک لے جا اور خیال کرو کہ ملائکہ و تمام مخلوق ذکر میں مشغول ہیں، اور چار دانگ عالم میں ذکر ہی ذکر اور اسم ذات کی آواز کانوں سے سن رہا ہوں، اور پھر عرش معلی سے لفظ "ھو" خیال کے ذریعہ نیچے تحت الثریٰ تک پہنچا دے۔

سبق ۱۱... نفی اثبات:

حبس دم کرکے خیال کے ذریعہ "لا" کو ناف سے لطیفہ سری تک کھینچے، پھر "الٰہ" کے "الف" کو سری سے، "ل" کو خفی سے اور "ہ" کو اخفیٰ سے خیال کے ذریعہ ادا کرے، پھر لطیفہ روحی پر آکر "الا" کے "الف" کو روحی سے، "لا" کو سری سے اور لفظ "اللہ" کو قلب سے خیال کے ذریعہ کہتا رہے، جب سانس گھٹنے لگے تو لطائف ستہ پر خیال کے ذریعہ "محمد رسول اللہ" کہے۔

سبق ۱۲... مراقبہ نورانی:

لطائف ستہ (قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ اور نفس) پر بیک وقت اسم ذات "اللہ" کو چمکتا ہوا خیال کرے۔ "اللھم صل علی سیدنا محمد النبی الامی وآلہ وبارک وسلم" تین سو بار پڑھے۔

ترتیب:... گیارہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھ کر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ثواب پہنچائے، ذکر جہر میں۔ افضل الذکر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) تین دفعہ کہہ کر "لا الٰہ الا اللہ" کہتا رہے، دس تسبیح (یعنی ایک ہزار مرتبہ پڑھے)۔ پھر "الا اللہ" دس تسبیح، پھر "اللہ" دس تسبیح اور پھر "ھو" دس تسبیح پڑھے، بعدہ مراقبہ کرے۔ پھر تین، پانچ یا سات دفعہ لفظ "اللہ" قلب پر زبان سے کہہ کر دعا کرے۔ عوام وخواص کے لئے یہی اسباق ہیں، اور اخص الخواص کے لئے اور اسباق بھی ہیں۔

دیگر اسباق ومراقبات:

بعض بزرگ "واللہ بکل شیء محیط"، "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" اور "یحبھم ویحبونہ" وغیرہ کا مراقبہ بھی کراتے ہیں۔

فوائد مہماتِ تصوف ودفع مغالطات

یعنی

تصوف کے اہم امور اور مغالطوں کا ازالہ

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب یسر وتمم بالخیر

وتقبل منا انک انت السمیع العلیم

الحمد للہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ
التصرف ولہ النعمۃ ولانہ عزۃ منہ التوفیق والہدایۃ
والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ خیر خلقہ سیدنا محمد
وآلہ واصحابہ واتباعہ زنۃ عرشہ ومداد کلماتہ ورضی
نفسہ دائماً بدوام ذاتہ وصفاتہ اما بعد

تصوف در اصل نفسِ اسلام بلکہ لبابِ اسلام کا نام ہے۔ یہ دین کی روح، حقیقی کیف اور کمال کا نام ہے، اور بغیر تصوف کے اسلام کی دینی، دنیوی، انفرادی، اجتماعی، قومی اور سیاسی برکات و ثمرات سے کما حقہ متمتع ہونا عملاً ناممکن ہے۔ مگر بدقسمتی سے دین کے تمام شعبوں سے زیادہ اس میں غلطیاں، بلکہ گمراہیاں سرایت کر گئی ہیں، جس کی بدولت رہا سہا دین بھی معنویت سے خالی، بے جان اور بے کیف ہو کر رہ گیا ہے، جس کی حقیقت پر پردے پڑ گئے، اور اس کی نورانیت پر بدعات کی ظلمت غالب آ گئی اور دکان دار صوفیوں کے ہاتھوں تصوف بھی کسبِ معاش کے فنون میں سے ایک فن بن کر رہ گیا۔ اس کے علاوہ جہاں کہیں اس کا وجود رہا، وہ بھی چند ظنی نظریات کا

مجموعہ بن کر رہ گیا، اوراد و وظائف کا نصاب متعین ہو کر صرف خلافت ملنا مقصد بن گیا، سلف صالحین نے اس فن کے جو ابواب و مسائل منقح کئے تھے، وہ بالکل فراموش ہو گئے، اور جہاں کسی قدر اس کا نام و نشان رہا، وہاں بھی وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی ناقابل فہم و تفہیم، بلکہ ناقص تعبیرات، اور اعمال میں صرف ذکر، فکر اور مراقبے کے چند اصول پر اکتفا ہوا، طریقت و شریعت کو متضاد و متناقض ٹھہرایا گیا، تصحیح عقائد، تحسین عبادت، اتباعِ سنت، اصلاح اعمال، ادائے حقوق العباد، ازالۂ رذائل اور تحصیل محامد (محاسن) اکثر جگہ سے اٹھ گئے۔

علمائے ظاہر چونکہ باطن کے منکر یا اس سے ناآشنا تھے، اس لئے صوفیوں کے نزدیک ان کی نصیحت بے قدر ہوئی، اور یہ سمجھا گیا کہ یہ لوگ طریقت کے راز سے واقف نہیں، لہٰذا ان کی بات سننے کے قابل نہیں، اور علمائے ظاہر، تصوف کے منکر یا ناآشنا ہونے کی بنا پر دکان دار صوفیوں کو دیکھ کر اصل فن سلوک کو ضلالت و گمراہی قرار دینے لگے، اور اس کے اصول و مسائل کو خلافِ شریعت و خلافِ سنت سمجھنے لگے۔

یہ بھی نہیں کہ علمائے حق اور صوفیائے برحق کا بالکل وجود ہی نہ تھا، بلکہ کہیں کہیں ان کے فیوض و برکات بھی جاری تھے، مگر محدود حلقوں میں تھے، اور اس فن کی تدوین، ترتیب، اصول، تحقیق مسائل، تالیف رسائل اور اصل سلوک کے مضامین کو کتاب، سنت، سلف صالحین اور اولیائے کرام کی تشریح و توضیح سے ملا کر دیکھنے کا کام بہت کم تھا۔ ردِّ شبہات، دفعِ شکوک اور رفعِ اوہام کے لئے کوئی سلسلہ نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت، مجدد الملت، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ و رضی عنہ کو اس کی توفیق بخشی کہ انھوں نے ہر فن کے اور خصوصاً تصوف کے اصول و ضوابط بیان فرمائے، تمام شکوک و شبہات کو رفع کیا، تمام اوہام کا جواب دیا، شریعت، طریقت، حقیقت اور ناسوت و ملکوت کے توافق، تطابق، دقائق اور حقائق کو شریعت و سنت کے

معیار میں بیان کر کے چھلکے کو مغز سے، اور صحیح صوفیوں کو بناوٹی دُکان دار صوفی سے ممتاز کر کے عوام و خواص کے لئے نصف النہار کے سورج کی طرح ظاہر و باہر کر دیا، جزاہُ اللہ تعالیٰ فی الدّارین خیرًا!

حضرت امام فیض اور دوسرے اخیارِ کرام کی کتب سے حقائق، دقائق اور دفعِ شبہات کی چند چیزیں پیشِ خدمت ہیں، گو بندہ اس کا اہل نہیں، مگر: "فمن لم یُدرِکْ کُلَّہٗ لم یَترُکْ کُلَّہٗ" (جو شخص ساری چیز نہیں پا سکتا، تو جو کچھ تھوڑا بہت پا سکتا ہے، اس کو نہ چھوڑے) کے مصداق چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں، وباللہ التوفیق ومنہ القبول، لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

تصوّف کیا چیز ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح انسانِ کامل کے دو رُخ ہیں: ظاہر، باطن یا قلب و قالب، اسی طرح دینِ کامل کے بھی دو رُخ ہیں: شریعت و طریقت۔ جیسے محض جسم کا نام انسان نہیں، بلکہ رُوح مع الجسد کا نام انسان ہے، ویسے ہی دین بھی محض نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اَحکام کا نام نہیں، بلکہ نماز میں خشوع اور اخلاص کا ہونا بھی ضروری ہے، ریا والی نماز کسی کام کی نہیں، زکوٰۃ سے دفعِ بخل اور مال کی قربانی، روزہ سے شہوتِ نفس کا توڑ بھی ضروری ہے، اسی طرح حج کے اَحکام: احرام، طواف، عرفات، رمی وغیرہ کا بجالانا ضروری ہے، ویسے ہی ان سے مال، جان اور وطن وغیرہ کی قربانی کا جذبہ اور ربّ تعالیٰ کے فرمان پر عشقِ رحمن و رحیم، اور توحید کا سبق حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر حکمِ شریعت کا قانونِ شریعت کے مطابق کرنا جیسے ضروری ہے، ویسے ہی اس کی روایت و طریقت کا حصول بھی ضروری ہے۔ یہی چیزیں یعنی خشوع، اخلاص، توکل، تسلیم وغیرہ، طریقت ہیں، جو کہ جزوِ شریعت، اور

قرآن و حدیث میں مذکور ہیں، اور باطن و روحانیت ہیں۔ اور شریعت اس مجموعۂ ظاہر و باطن کا نام ہے۔

چنانچہ جیسے قرآن کریم میں "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ"، "وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ"، "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ"، "وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ" وغیرہ ہے، ویسے ہی "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا"، "اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ"، "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ"، "یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ"، "مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ" بھی ہے، پس جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں، ویسے ہی اعمال باطنہ بھی حکم خداوندی ہیں۔

پس طریقت، شریعت کا جزو ہے، نہ کہ غیر شریعت، جیسے کتاب "قدوری" ابواب الطہارت، ابواب الصلوٰۃ، ابواب الزکوٰۃ اور ابواب البیوع وغیرہ کے مجموعہ کا نام ہے، نہ کہ ایک، ایک علیحدہ باب کا، ایسے ہی شریعت اس مجموعۂ ظاہر و باطن کا نام ہے۔ اگر شریعت کے ظاہری اعمال و احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، تو باطنی احکامِ شریعت کا حصول و وصول بھی ضروری ہے، اور اسی کا نام تصوف ہے۔ پس تصوف تعمیر الظاہر والباطن کو کہا جاتا ہے، نہ محض ظاہری احکام و اعمال کا حصول تصوف ہے، نہ محض باطنی اعمال اخلاص، شکر وغیرہ کا حصول تصوف ہے، بلکہ ظاہری اور باطنی اعمال کے مجموعہ کے حصول کا نام تصوف ہے، اور اسی کا نام شریعت ہے۔ پس تصوف و شریعت ایک دوسرے کے عین ہیں، ایک دوسرے کے لازم و ملزوم نہیں، اور ایک دوسرے کے مغائر و متقابل بھی نہیں، فافہم!

تصوف کے بغیر مسلمان، کامل مسلمان نہیں رہ سکتا!

جب شریعت و تصوف ایک دوسرے کے عین ہیں، تو جیسے بغیر شریعت کے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا، ویسے ہی بغیر تصوف کے بھی کوئی شخص مسلمان نہیں رہ

سکتا، جو شریعت کا منکر ہے، وہ تصوف کا منکر ہے، اور جو تصوف کا منکر ہے، وہ شریعت کا منکر ہے، اگر اس پر کسی کو چڑ آئے یا غصے سے بھر جائے تو درحقیقت وہ تصوف کا معنی و مطلب ہی نہیں سمجھا۔

ایک مغالطے کا ازالہ:

بعض لوگوں نے قلب و باطن کے تزکیہ و صفائی پر اس قدر زور دیا ہے کہ گویا سارا تصوف یہی ہے، اور چونکہ غیر مسلم اشراقیہ اور خصوصاً ہندوستان کے جوگیوں میں تزکیہ و صفائی بکثرت پائی جاتی ہے، اور بڑے خوارق کے ساتھ پائی جاتی ہے، اس لئے ان کو بھی بعضوں نے صوفی ہی سمجھ رکھا ہے، اور "اَلصُّوْفِیُّ لَا مَذْھَبَ لَہٗ" کا مقولہ پڑھ کر صوفی کو اسلام کی قید سے بھی خارج اور آزاد سمجھ لیا ہے۔

جواب:... اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا" (الشمس:۹) (جس نے تزکیہ کیا، وہ کامیاب ہوا)، اس سے وہ تزکیہ مراد ہے جو موجبِ فلاح ہو، اور وہ اتباعِ شریعت میں منحصر ہے، کیونکہ قرآن کریم کا اعلان ہے:

"وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ"
(آل عمران:۸۵)

ترجمہ:... "جس نے اسلام کے سوا (زندگی گزارنے کا) کوئی طریقہ اختیار کیا، اس کو بالکل قبول نہ کیا جائے گا۔"

پس جوگی وغیرہ جو ریاضت کرتے ہیں، وہ سرے سے صفائی ہی نہیں، یا لغوی معنی کے اعتبار سے اگر اُسے صفائی کہو تو ساتھ ہی "غیر مقبول" بھی کہنا پڑے گا، اس معنی کے اعتبار سے صفائی دو قسم کی ہوئی: صفائی مقبول اور صفائی مردود۔

صفائیست در آب و آئینہ نیز
لیکن صفا را بباید تمیز

صوفیٔ مقبول وہ ہے جو خدا تعالیٰ کا متبع ہے، اور وہ اتباع شریعت ہے اور بس۔ اور مقولہ: "الصوفی لا مذہب لہ" کا یہ مطلب نہیں کہ کافر بھی صوفی ہو سکتا ہے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ صوفی کو حقیقتِ حق معلوم ہونے کے بعد وہ کسی خاص رستے کا مقید نہیں، بلکہ جو چیز یقینی مشروع ہو جائے، اسی کا معتقد اور اس پر عامل ہوتا ہے، علم الیقین سے عین الیقین کا نصیب ہونا، قرآن مجید یا حدیث صحیح سے ہوگا، نہ کہ الہام اور کشف تو ظنی چیزیں ہیں، قطعی اور یقینی نہیں ہیں۔ کشف کونی تو ابن صیاد کو جس پر دجال ہونے کا شبہ تھا، کو بھی حاصل تھا (کذا فی مشکوٰۃ)۔ پس تصوف اسلام وہی ہے جو اتباع شریعت میں ہے، اتباع شریعت سے جو تصوف، اسلام نہیں۔

شیخ اکمل بذریعہ تجلی تھا کہاں؟
یہ الگ ہے ضرور، مگر طور کی نہیں

دوسرا مغالطہ

اکثر لوگوں کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ حضرات صوفیہ کے بہت سے حقائق، معارف، اذکار، اشغال، مجاہدات، مراقبات، احوال، کیفیات، کشف، کرامات، ترکِ لذات، ترکِ تعلقات، بیعت، نسبت، رسوم اور عادات وغیرہ کی خاص خاص صورتوں کا کتاب و سنت کی عام و منصوص تعلیمات میں بظاہر کہیں نام و نشان نہیں ہے، جس سے یہ مغالطہ ہو گیا کہ تصوف و طریقت کی اصل اور حقیقت سب بدعات ہیں۔

جواب... اس کا جواب یہ ہے کہ تصوف کے بارے میں دوست، دشمن، معتقد اور منکر سب ہی ایک مشترک غلطی میں پڑ گئے ہیں کہ ان چیزوں کو تصوف کے مقاصد و غایات سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کی اصل حیثیت تدابیر و مقدمات یا آثار و ثمرات کی ہے، اور یہ چیزیں مقاصدِ تصوف قطعاً نہیں، اس لئے ان کو بدعات کہنا

سرے سے غلط ہے۔

کیونکہ بدعت نام ہے احداث فی الدین کا۔ یعنی دین میں دین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا۔ نہ کہ احداث للدین یعنی مقاصد دین کے حصول کے لئے تجربہ کی بنا پر کسی نئی تدبیر کا اختیار کرنا، جیسے طب میں صحت کے حصول کے لئے نئی نئی تدابیر و ادویہ کا تجربہ اور اضافہ ہوا کرتا ہے، یا خود دین میں علوم دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے مدرسے کھولنا، کتب خانے قائم کرنا، درس و تدریس کے لئے نصاب تعلیم کی نئی نئی صورتیں تجویز کرنا، امتحانی سند دینا، یہ سب باتیں نئی یا اضافے ہیں، لیکن چونکہ احداث للدین ہیں، یعنی یہ اضافے دین کی اشاعت کے لئے ہیں، اس لئے بدعات نہیں، اور نہ ہی ان کی اصل اور بنیاد کتاب و سنت میں ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔

مثلاً: نماز میں خشوع: "هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ" اور حضور قلب "لا صلوٰة الا بحضور القلب" مقصود و مامور ہے اور تجربہ سے ذکر، شغل یا مراقبہ کی کوئی خاص صورت و ہیئت جو اس مقصد کے حصول میں معین ہو، اور اس میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہ ہو، اس کو خود ایجاد و اختیار کر لینا یا دوسرے لوگوں سے معلوم کر لینا، ایسا ہی ہے جیسے جہاد کے لئے تیر و تفنگ کے بجائے بندوق اور مشین گن کا خریدنا اور سیکھنا، اور صوفیہ کے ہاں پاس انفاس کا جو شغل ہے، اس سے یکسوئی ہوتی ہے اور خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح ذکر کے مختلف طرق ہیں، جس کو جس طریق میں جمعیت خاطر ہو، اسے وہی اختیار کرنا چاہئے، کیونکہ جمعیت خاطر تو خود مقصود نہیں، لیکن حصول مقصود کا مقدمہ اور پیش خیمہ ہے، اس لئے مطلوب ہے۔ اور مقدمات کا حصول مقصد میں بہت دخل ہوتا ہے، جیسے صرف نحو کے پڑھنے کو قرآن مجید کے سمجھنے میں بڑا دخل ہے، اس

لئے مشائخ نے مقاصد کے لئے کچھ مقدمات تجویز کئے ہیں، اور ان کو عملاً ایسی اہمیت دی ہے جیسے خود مقاصد کو دی گئی ہے۔ (کذا فی اضافات الیومیہ حصہ ششم حکیم الامت قدس سرہ)

ان چیزوں کے مقدمات ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مقاصد کی طرح ان مقدمات میں سے کسی خاص مقدمہ کو اختیار کرنا ہی لازم و واجب نہیں، بلکہ جس سے جمعیت خاطر ہو، وہی کرتا رہے، مثلاً: ذکر زبانی، قلبی یا پاس انفاس وغیرہ کا ذکر کرتا رہے، اور جمعیت کا مطلوب ہونا اس حدیث سے واضح ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

"اگر کھانا تیار ہو اور نماز بھی تیار ہو (یعنی جب بھوک کا تقاضا ہو) تو پہلے کھانا کھالے، پھر نماز پڑھے"

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۱۱)

اس میں بظاہر یہ علت معلوم ہوتی ہے کہ اگر پہلے نماز پڑھی تو طبیعت مشوش رہے گی، اور نماز میں جمعیت نہ ہوگی، اور اس کے برعکس کیا، تو نماز میں جمعیت اور کھانے میں تشویش نہ ہوگی۔

اسی طرح "حبس دم" جو جوگیوں کا شغل ہے، چونکہ یہ ان کا مذہبی یا قومی شعار نہیں، اور خطرات کے دفع کرنے کے لئے نافع بھی ہے، اس لئے صوفیہ نے اس کو بھی اپنے ہاں لے لیا، اور اس میں تشبہ ممنوع نہیں، کیونکہ نہ تو یہ ان کا قومی شعار ہے اور نہ مذہبی، اس لئے اس کو تدبیری حیثیت سے محض نفع کے لئے لے لیا گیا، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کی تجویز مان لی تھی، اور یہ انتظام و تجویز فارسی لوگوں کا کوئی قومی یا مذہبی شعار نہ تھا، محض ایک تدبیر تھی، اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی اجازت دے دی۔

یہی حکمت ہے ذکر جہری میں، کہ اس میں وساوس و خطرات کم آتے ہیں، کیونکہ اپنی آواز جو کانوں میں آتی رہتی ہے، تو قلب آسانی سے ادھر متوجہ رہ سکتا ہے،

سو یہ خفیف جہر سے بھی حاصل ہے۔

اسی طرح ضرب میں یعنی "اللہ اللہ" یا "الا اللہ" کی ضرب دل پر لگانے میں بھی یہی حکمت ہے کہ حرکت خفیفہ سے حرارت پیدا ہوتی ہے، اور حرارت سے رقت، اور رقت سے تاثر، اور تاثر اطاعت و محبت کا معین ہوتا ہے، جو کہ مقاصد ہیں، پس ضرب ذریعہ مقصود ہونے کی بنا مقصود بالغیر ہے، لیکن زیادہ زور سے ضرب لگانے میں خفقان پیدا ہونے کا ڈر ہے، البتہ اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔

پھر ذکر کے ساتھ دائیں، بائیں گردن پھیرنا ذکر میں یکسوئی، خطرات بند ہونے اور مطلب میں پوری توجہ ہونے کا سبب اور ذریعہ ہے، مگر یہ قوی المزاج کے لئے ہونا چاہئے، ضعیف المزاج کا قلب تھوڑے سے مشاغل سے بھی متاثر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جو یہ مراقبہ ہوتا ہے کہ موت کے بعد سے حساب و کتاب وغیرہ تک کے واقعات کا اس طرح تصور کرنا گویا وہ معاملات ہم کو پیش آرہے ہیں، اس کی بھی یہ حکمت و غایت ہے کہ کثرت ذکر سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس مراقبہ سے دنیا سے نفرت پیدا ہوتی، اور یہی محبت و نفرت کام بنا دے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کثرتِ ذکر:

ذکر کی کثرت و دوام پر کتب تصوف مثلاً "قصد السبیل"، "احیاء العلوم" وغیرہ میں تذکرہ ہے کہ تصوف کے دو مرتبے ٹھہرا کر پہلا مرتبہ ظاہر کو مندوب و مستحب طاعت کے ساتھ آراستہ کرنا اور دوسرا مرتبہ جزو باطن کو دوام ذکر میں مشغول رکھنا قرار دیا گیا ہے۔

ذکر کی یہ کثرت اور دوام خود قرآن مجید میں منصوص ہے، جیسے کہ "اذکروا

اللہ ذکراً کثیراً"، "الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبھم" وغیرہ آیات سے کثرتِ ذکر، بلکہ دوامِ ذکر بھی ثابت ہے۔ اور انسان کی بھی تین ہی حالتیں ہیں، یعنی: کھڑے، بیٹھے اور سوتے۔ اور کسی کام کی کثرت کے لئے محاورۃً بھی ان تین حالتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جب ان سب میں ذکر اور دوام ہوگا تو آیت: "لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" کا مصداق ہوگا، یعنی ان کو تجارت اور کاروباری مصروفیت اللہ کے ذکر سے مشغول نہیں کرسکتی، اور مصروفیت و مشغولیت کے اوقات میں ذکر سے غافل نہ ہونا قلبی ذکر کی صورت میں ہی ہوسکتا ہے۔

ذکر کے لغوی معنی یادداشت کے ہیں، یعنی جب کسی شے کو یاد کیا جاتا ہے یا از خود یاد آجاتی ہے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ذہن اس کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے یا از خود متوجہ ہوگیا، تو اس کی جانب ذہنی یا قلبی توجہ اور التفات سے کام لے رہا ہے، لیکن زبان سے اس کا نام و نشان کرنے سے تعلق نہیں۔ لہٰذا یاد و ذکر دراصل نام ہے مذکور کو یاد کرنے یا اس کی طرف قلبی توجہ کرنے کا، نہ کہ محض زبانی تلفظ کا، یہی ذکرِ قلب ہے، جس سے دل میں خاص تعلق کی یاد تازہ رہا کرتی ہے، جس سے زندگی کی ہر حرکت و سکون میں اللہ تعالیٰ کی رضا، عزت، محبت، سزا، جزا اور تعمیلِ فرمان پیشِ نظر رہتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بشری سہو و خطا کے علاوہ دیدہ و دانستہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا چھوٹے بڑے گناہ کے قریب جانا محال نا ممکن ہوگا، فافہم!

یاد رکھنا چاہئے کہ علم اور یاد میں فرق ہے، اس لئے کہ چوری کرنے والے کو سزا، قید اور رسوائی کا علم ہوتا ہے، جبکہ بعض حضرات باوجود فاقہ اور ضرورت کے چوری تو کجا، خود مرے ہوئے کی مال گزاری کو بھی چھوتے نہیں، کہ کہیں ادا نہ کرنے میں رسوائی نہ ہو جائے، دیکھئے! علم دونوں کو ہے، مگر ایک باوجود علم کے چوری کا اقدام کر رہا ہے، اور دوسرا تازیانے کے اندیشے سے جرم تک جانا پسند نہیں کرتا، بلکہ اس

طرح ذکر کی حقیقت کو سمجھو کہ ذکر قلبی والا نافرمانی کے قریب تک نہیں جاتا، اور جس کو حقیقی ذکر نصیب میسر نہیں، وہ ذکر بھی کئے جاتا ہے اور جرم بھی کئے جاتا ہے، دراصل اس کو خیال ذکر تو ہے مگر سچ مچ (حقیقتاً) ذکر حاصل نہیں۔ گویا اس کو علم خدا تو ہے مگر ذکر و یاد خدا نہیں ہے۔

ذکر اللہ کے مراتب:

۱... بعض کو ذات حاکم کی یاد کافی ہوتی ہے، یعنی اس کو حاکم سے ایک خاص تعلق ہوتا ہے کہ اس کی مخالفت و نافرمانی نہیں کرتا۔ اس کو سوائے جیل وغیرہ کی یاد کی کوئی ضرورت نہیں۔

۲... بعض ایسے وقت میں حاکم کی ناراضی کے اندیشہ سے مخالفت نہیں کرتے۔

۳... بعض کو یہ اندیشہ بھی نہیں ہوتا بلکہ حیا و شرم مانع ہوتی ہے۔

۴... بعض کو حیا و شرم بھی مانع نہیں ہوتی، بلکہ اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا، اس تعلق کا کوئی نام ہی نہیں، کیونکہ:

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

ذکر کے درجات:

اول:... پہلا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کو یاد کرو۔

دوم:... یہ کہ بواسطہ نام کے ذات کو یاد کرو۔

سوم:... یہ کہ نام کا واسطہ بھی نہ رہے، محض ذات کے ذکر پر قادر ہو جائے، وغیرہ ذالک۔

محبوب سے تعلق کے درجات:

اول:... پہلا درجہ یہ ہے کہ محبوب کے تمام نخرے اور لذت آتی ہے۔

دوم:... یہ کہ کسی کی پرواہ نہیں ہوتا۔

سوم:... یہ کہ محبوب اور محبوب کے متعلقات، احباب، وطن، اقرباء سب محبوب ہو جاتے ہیں۔

چہارم:... یہ کہ اگر اس کو کہا جائے کہ تجھے کسی گناہ پر جزا نہ ہوگی، تب بھی احکام کی مخالفت نہ کرے گا۔

پنجم:... یہ کہ اگر اس کو آواز آئے کہ تیرا خاتمہ کفر پر ہوگا۔ تب بھی اعمال میں کوتاہی نہ کرے گا۔

ایک بزرگ کو اس طرح آواز آئی کہ جو چاہے کر، تیرا خاتمہ کفر پر ہوگا، پریشان ہوا مگر ذکر، نماز، وظیفہ نہیں چھوڑا، مرشد کے پاس جا کر عرض کیا، مرشد نے فرمایا کہ یہ محبوب کی دشنام ہے، کام میں لگے رہو:

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

ترجمہ: "تو نے مجھے برا کہا اور میں خوش ہوں، اللہ تجھے معاف کرے، تو نے اچھا ہی کیا، یعنی شکر والے سرخ ہونٹ سے تلخ جواب زیب دیتا ہے۔"

محبت کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کی وجہ سے طرح طرح سے پریشان کرتے ہیں، یوں ہی امتحان کرتے ہیں، ان کا رونا دھونا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے:

غفلت سے اجتناب تام ہو۔

دوسرے مغالطے کا جواب:

اکثر صوفیوں کا یہ خیال ہے کہ نفس ذکر ہی تمام اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لئے کافی ہے، اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: "انا جلیس من ذکرنی" یعنی جب اللہ تعالیٰ ان کے جلیس اور ہم نشین ہیں، تو معاصی میں کیسے مبتلا ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: "ذکرنی" میں خود تدابیر اصلاح بھی داخل ہیں کہ معالجہ امراض کے بغیر ذکر ہی متحقق نہ ہوگا، کیونکہ جس کی یاد کا دعویٰ ہو، اگر اس سے بات نہ کرے، نہ خط کا جواب دے، نہ اس کا فرمان مانے، تو یہ یاد ہرگز نہیں کہلائے گی، لہٰذا جو ذکر اصلاح کے بغیر ہو، وہ اس کی یاد ہی نہیں ہے۔

اکثر مشائخ میں بھی یہ مرض پایا جاتا ہے کہ مرید کو کچھ اذکار کی تعلیم فرما کر فارغ ہو جاتے ہیں، وہ ان کے اعمال و اخلاق کی کوتاہیوں پر کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں فرماتے، اور اس کا کوئی علاج و تدبیر بھی نہیں کرتے، بلکہ اگر سالک کسی مرض کو بیان کرے تو اکثر اس کے لئے کوئی وظیفہ یا ذکر وغیرہ تجویز کرتے ہیں، اللہ اکبر! حالانکہ پہلے اعمال و اخلاق کی اصلاح کی ضرورت ہے، اوراد و وظائف کا دوسرا، تیسرا درجہ ہے، حالانکہ طاعات و معاصی دونوں اختیاری چیزیں ہیں، ان میں وظیفے کو کیا دخل ہے؟ رہا طریقۂ اصلاح! سو امور اختیاریہ میں اختیار کے سوا اور کچھ نہیں، فافہم!

مشائخ کرام کے لئے:

"قصد السبیل" وغیرہ کتب کے حوالہ سے سالکین کے لئے دستور العمل یہ ہے کہ: سالکین کے چار طبقات ہیں۔ عامی مشغول، عامی فارغ، عالم مشغول، عالم فارغ۔

(۱):... عامی مشغول اور فارغ کے لئے تو اشغال کی سرے سے ممانعت فرمائی

گئی ہے، کیونکہ اس میں طرح طرح کے خطرات ہیں، جن کا تحمل عامی سے نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ کبھی تو وہ پیر کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھنے لگتا ہے، اور کبھی اپنے میں کچھ انوار وکشف دیکھ کر مدعی ولایت ہوکر عجب کے مرض میں پھنس جاتا ہے، وغیرہ ذالک۔

۳:... عالم مشغول میں یہ قید ہے کہ وہ شیخ سے ذورہ وکر شغل نہ کرے، البتہ اگر اس نے کچھ عرصہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ کام کیا ہو، تو پھر نیابتہ بھی کچھ کرسکتا ہے۔

۴:... عالم فارغ میں بھی ایسے علماء کو اشغال دیئے جاسکتے ہیں، جو ایک طرف دین وشریعت کا پورا علم رکھتے ہوں، اور دوسری طرف فکر معاش سے فارغ ہوں، تاکہ جاہل صوفیوں کی خلاف شرع رسوم وبدعات کا شکار نہ ہوسکیں، اور اشغال و مراقبات یا ان کے ثمرات وکیفیات وغیرہ کے عدم تحمل کی وجہ سے حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کرسکیں، وہ فہم۔

شیخ کیسا ہونا چاہئے؟

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "آداب الشیخ والمرید" میں تحریر فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

> "شیخ کے لئے لازم ہے کہ اس میں دین انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا سا ہو، تدبیر اطباء کی سی، اور سیاست بادشاہوں کی سی، تب کہا جائے گا کہ یہ استاذ ہے، اور شیخ پر واجب ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک مرید نہ کرے جب تک اس کا امتحان نہ کرلے۔"

اسی طرح شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

میں گرفتار ہے، وہ جانتا ہے کہ میری عبادت و خیرات لوگوں کے دکھلاوے کے لئے ہے یا مکر و فریب سے متاثر ہوں، وہ خوش ہے کہ حالات و کیفیات وارد ہو رہی ہیں، مقبولیت عند اللہ ہو رہی ہے، حالانکہ اصل پیری امراض قلبیہ کا علاج کرنے کا نام ہے، مرشد تشخیص امراض قلبیہ اور علاج کرتا ہے، اور سالک و مرید علاج کرو رہا ہے، اور شفا اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

شیخِ کامل کی پہچان:

شیخِ کامل کی درج ذیل علامات ہیں:

۱...شریعت کا بقدرِ ضرورت علم رکھتا ہو۔

۲...عقائد، اعمال اور اخلاق میں شرع کا پابند ہو۔

۳...دُنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو، کہ یہ بھی دُنیا کا ایک شعبہ ہے۔

۴...کسی شیخِ کامل کی صحبت میں کچھ عرصہ رہا ہو۔

۵...اس زمانے کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

۶...بہ نسبت عوام کے، خواص یعنی فہیم و دین دار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔

۷...اس سے جو لوگ بیعت ہوں، ان میں سے اکثر کی حالت پابندیٔ شرع، اتباعِ سنت اور قلتِ حرصِ دُنیا کے اعتبار سے اچھی ہو۔

۸...وہ شیخ تعلیم و تلقین میں مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو، اور ان کی بُری بات سنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک بھی کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ان کو ان کی مرضی پر چھوڑ دے۔

اور ہرگز دشوار نہ کرو، اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔"

رَوحِ سلوک:

اہلِ طریق کے ہاں یہ اُصول مقرر و مُسلّم ہے کہ: "طلب مقصود ہے، وصول مقصود نہیں":

یابم او را یا نہ یابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم

ترجمہ... "میں اس کو پاؤں یا نہ پاؤں، تلاش کرتا رہوں گا، حاصل ہو یا نہ ہو، آرزو کرتا رہوں گا۔"

اس کی شرح یہ ہے کہ مقصود کے حصول کا قلب میں زیادہ تقاضا نہ رکھے، کہ ہائے! کیوں حاصل نہ ہوا؟ کیونکہ یہ بھی حجاب ہے، اس سے تشویش ہوگی، اور تشویش جمعیت و تفویض کے لئے تباہ کن ہے، اور جمعیت و تفویض ہی شرطِ وصول ہے، اس کو خوب راسخ کرلیا جائے کہ یہ رَوحِ سلوک ہے۔ پورا کامل، بجز انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے کوئی بھی نہیں، اور وہ بھی اپنے کو کامل نہیں سمجھتے، سب کو اپنے حال و کمال کے موافق نقص نظر آتے ہیں، خواہ حقیقی ہوں یا اضافی، لہٰذا کمال کی توقع ہی چھوڑنا واجب ہے، ہاں! سعیِ کمال کی توقع، بلکہ عزم واجب ہے۔

ریاضت سے رذائل کا استیصال نہیں ہوتا:

اکثر کا خیال ہے کہ مجاہدہ و ریاضت سے بُری باتوں کا میلان ہی طبیعت سے نیست و نابود ہوجائے، اخلاقِ ذمیمہ کی جڑ ہی کٹ جائے۔ یہ غلط خیال ہے، ریاضت سے اخلاقِ ذمیمہ کے اُصول کا ازالہ نہیں ہوتا، بلکہ ان کی تہذیب ہوجاتی ہے۔

جس کا ماحصل یہ ہے کہ ان اصول کے آثار کا ازالہ ہوجاتا ہے، یعنی ان کا مصرف یا استعمال بدل جاتا ہے، مثلاً: کسی میں بخل اور غضب موجود تھا، تو ریاضت سے اس کی جڑیں نہیں کٹ جاتی کہ سرے سے غضب وبخل ہی نہ رہے، بلکہ پہلے مواقع خیر میں بخل کرتا تھا اور نیک بندوں پر غصہ کرتا تھا، اب نامشروع جگہ بخل کرے گا اور مبغوضانِ الٰہی اور نفس پر غصہ کرے گا۔ اس طرح اخلاقِ ذمیمہ بعد کے بجائے قرب کا سبب بن گئے۔

اس سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہوگیا کہ ریاضت سے تبدیلِ اخلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ معلوم ہوگیا کہ تبدیلِ اصول تو نہیں ہوسکتی، کیونکہ حدیث میں ہے:

"اِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ زَالَ عَنْ جِبِلَّتِهِ فَلَا تُصَدِّقُوْهُ." (مجمع الزوائد ج:۷ ص:۱۹۶، باب فرغ الی کل عبد من خلقہ)

ترجمہ:... "جب سنو کہ کوئی شخص اپنی ذاتی طبیعت سے بدل گیا، تو اس کو نہ ماننا۔"

البتہ آثار، مصارف یا استعمالات بدل سکتے ہیں، اس لئے مجاہدہ و ریاضت اپنانے کا حکم ہے۔

فائدہ:... نفس کا کسی معصیت یا بداخلاقی کی طرف محض طبعی رُجحان و تقاضا، جب تک کہ اس کے مقتضا پر عمل نہ کرے، نہ معصیت ہے اور نہ بداخلاقی، انسان صرف اس کا مکلف ہے کہ اخلاقِ رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے، رہا یہ کہ طبعی تقاضے زائل ہوجائیں، اس کا نہ انسان مکلف ہے، نہ بسہولت یہ امر میسر ہوسکتا ہے، البتہ ریاضت و مجاہدہ سے اتنا ہوجاتا ہے کہ نفس آسانی سے قابو میں آجاتا ہے، شریعت یا خنہ گھوڑا ابھی کبھی کبھی شوخی کرتا ہے، لیکن آسانی سے رام ہوجاتا ہے، فافہم!

بیعت و ارادت:

پیری، مریدی یا بیعت و ارادت کی حقیقت و ضرورت میں بھی بہت افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے، کسی نے اس کو بدعت سمجھ رکھا ہے، اور کسی نے ایک رسم بنا رکھا ہے، بس دست بوسی و پابوسی کرلی، باقی خود کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، حالانکہ نری پیری، مریدی میں کچھ نہیں رکھا، اصل تو کام کرنا ہے، اور کام کرنے کے لئے کسی رہبر کا ہاتھ پکڑنا ہے، اور کسی رہبر کامل کا ہاتھ پکڑنے اور صحبت اختیار کرنے سے کام کرنا آسان ہوجاتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ سلسلے میں داخل ہونے سے کچھ برکات نہیں، لیکن محض بیعت ہی کو اصل سمجھنا بڑی غلطی ہے، آج کل پیری، مریدی میں وہ جہل پھیلا ہے کہ الامان والحفیظ!

بیعت کی حقیقت:

بیعت کی حقیقت خود بیعت، ارادت اور مرید کی اصطلاح، بلکہ لفظی معنی ہی سے واضح ہے، پس مرید وہ ہے جو اپنی دینی، خصوصاً باطنی و قلبی اصلاح کے لئے ضروری وسائل کو اختیار کرے، اپنی منزل مقصود کے لئے کسی زیادہ واقف کار کو رہبر بنائے، تاکہ نہ صرف گمراہی کے خطرات سے بچے، بلکہ راستہ بھی سہولت سے طے ہو۔

ضرورت پیر و مرشد:

اگر کسی نے طب کی کتابوں کو پڑھ لیا، چاہے باقاعدہ اُستاذ سے ہی کیوں نہ پڑھا ہو، مگر جب تک اس نے کسی حاذق طبیب و اُستاذ کے پاس بیٹھ کر اس کا عملی تجربہ نہیں کیا، تو اگر کسی مریض کا کتابوں یا کتابی نسخوں سے علاج کرنے لگے گا، تو ہلاکت کے خطرات کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔

اسی طرح سمجھو کہ وکیل بننے کے لئے گھر بیٹھ کر وکالت کی کتابیں پڑھ کر

وکیل نہیں بن سکتا، بلکہ باقاعدہ لیکچروں کی تکمیل اور امتحان کے لئے سینئر مشاق وکیل کے ساتھ کام کرنا اور تجربہ حاصل کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح وہ بھی احمق ہے جو کسی مشہور پروفیسر کے ہاتھ میں اپنا مقدمہ دے دے، جس نے عدالت کی صورت بھی کبھی نہیں دیکھی، نہ عدالتی کام میں عملی تجربہ رکھتا ہے۔

جب دنیوی مقدمات، تجربات اور مشاہدات کا یہ حال ہے، تو کیا وہ دینی رموزی مسائل، جن کا معاملہ عالمِ غیب اور آخرت کے مابعد الطبیعاتی مسائل سے جڑا ہوا ہے، خود سرانجام دے سکتا ہے؟ یا ان کو ہر لیڈر، ایڈیٹر اور پلیڈر تختۂ مشق بنانے کا حق رکھتا ہے؟ اور ان پر مجتہدانہ تحقیقات کر سکتا ہے؟ مگر اب تو بس اردو، انگریزی میں قرآن و حدیث کے چند ترجمے یا ادھر اُدھر کے اخباری مضامین پڑھ کر دین کے مفتی، مجدد اور مجتہد سب کچھ بن بیٹھتے ہیں۔

ایک مشہور عالم و مصنف نے محض کتابی معلومات کے زور پر کسی مجلہ تصوف پر ایسا ہی عالمانہ لیکچر دیا، اس پر ایک بڑے ذہین سجادہ نشین نے کیا خوب کہا کہ:

”حضرت! اگر تصوف خالی کتابوں سے حاصل ہو جاتا
ہے، تو میں آپ سے بڑا صوفی کسی کو نہیں جانتا۔“

تو بس عرض یہ ہے کہ اصلاحِ قلب، اخلاقِ رذیلہ کا دفعیہ، اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل، معارف کی تحقیقات، اور سالکین کی استعداد کے مطابق غریبانہ، امیرانہ علاجات مرشدِ ماہر کے سوا عادۃً مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہے:

دامنِ راہبر بگیر و بس برو!

محبت و اتباعِ شیخ:

یاد رکھنا چاہئے کہ اس طریق میں اتباع شیخ کی سخت ضرورت ہے، بیعت کی اصل روح یہی محبت و اتباع ہے، پیر کے کہنے پر کام شروع کر دو اس کو نہ دیکھو کہ نفع ہوا یا نہیں؟ ان شاء اللہ تعالیٰ کام بن جائے گا، جس قدر مرشد صحیح سے محبت کا رابطہ بڑھتا جائے گا، زور دہ کر بھی اسی قدر فیض یاب ہو سکے گا، اور بے محبت، مرشد کے شرعی حکم کی تعمیل نہ کرنے سے کو قریب بھی ہوگا، لیکن بے نصیب رہے گا۔

اگر شیخ کی تعلیم پر عمل اور اس کے کہنے پر اطمینان نہ ہو، تو اگر ساری عمر بھی چکی پیسے گا تو ذرہ بھر نفع نہ ہوگا۔ ہاں! یہ جائز ہے کہ اس کو شیخ ہی تسلیم نہ کرے، تو پھر اس کے فرمان کی تعمیل بھی ضروری نہیں، لیکن تسلیم کرنے کے بعد پھر چون و چرا کرنا، مرشد پر اعتراض کرنا اور اپنی رائے کو دخل دینا، محرومی کی علامت ہے۔

پیر و مرشد کا تعلق بڑا نازک ہے، اس کے آداب بھی جدا ہیں، قرآن مجید میں ہے: "وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ" جس کو میری طرف رجوع وانابت ہے، اس کے تابع ہونا، منیب الی اللہ کا مامور بہ ہے۔

صحبتِ شیخ:

راستہ کے خطرات یا اس کی ٹھوکروں سے بچنے کے لئے کسی ماہرِ فن کی صحبت و اعانت کے بغیر بصیرت پیدا نہیں ہوتی، کسی علم و فن کی معلومات اور چیز ہے، اور بصیرت اور چیز، معلومات تو کتابوں سے بھی آ سکتی ہیں، اور بصیرت بغیر صحبت کے نہیں آ سکتی، ہمارے لئے صحبت کی اہمیت کے لئے سب سے بڑی دلیل صحابیت ہے، کہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی فضیلت اعلیٰ سے اعلیٰ محدثین و فقہاء اور بڑے سے بڑے اقطاب و ابدال پر مسلم ہے، اور ظاہر ہے کہ اس فضیلت کا راز محض حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی صحبت ہی ہے:

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ: "اولیاء اللہ کی تھوڑے وقت کی صحبت اختیار کرنا، سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔"

اس میں مبالغہ نہیں، جن کو تجربہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایک دن کی صحبت سے جو کچھ نصیب ہوتا ہے، وہ سالہا سال کی کتب خوانی سے نصیب نہیں ہوتا، بیعت کے بعد اگر وقت اور مہلت میسر ہو تو چندے پیر کی خدمت میں رہے، ورنہ کبھی کبھی اپنے پیر یا کسی متقی بزرگ کی خدمت میں بیٹھا کرے۔ اگر کوئی شخص نہ عالم ہو اور نہ کسی محقق کی صحبت میں رہا ہو، خدا کی قسم! اس کو کسی اللہ والے کی صحبت میں چھ مہینے تک رکھو، بشرطیکہ وہ عاقل ہو، تو محقق اور صاحب بصیرت بن جائے گا۔

وحدت شیخ:

اس سلسلے میں ایک بڑی ضرورت یہ بھی ہے کہ وحدت شیخ ہو، یعنی ایک ہی شیخ ہو، خصوصاً ابتدا میں اگر ہمارا تعلق کئی شیوخ سے رہا یا مختلف ذوق و مذاق کے اہل اللہ کی صحبت میں آنا جانا رہا، تو اس آزادی اور بے قیدی کی بدولت حصول اطمینان کے بجائے انتشار میں مبتلا ہونا یقینی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان کی سلامتی مقید رہنے میں ہے، اور اطلاق (آزادی) مضر ہے، کیونکہ اطمینان اور جمعیت بدون تقید کے نصیب نہیں ہوتا، اگر بیمار ایک طبیب کی تشخیص و دوا کا پابند نہیں رہا، تو شفا مشکل ہوگی۔

محبت قائم رکھنے کا طریقہ:

اس محبت کے قائم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجئے! زیادہ نہ ہو تو ہفتہ میں ایک بار یا مہینہ میں ایک بار، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو مرشد کے ملفوظات ہی پڑھا کیجئے! ان کو محض تذکرہ اور فن کی کتابوں کی طرح نہ دیکھئے! بلکہ تامل اور تعمق سے دیکھئے! اور بار بار دیکھئے! فافہم! ان شاء اللہ تعالیٰ قدرتی طور پر محض فہم کی بصیرت ہی نہیں، بلکہ مصاحب یا ملفوظات کے اندر جو چیز ہے، شدہ شدہ آپ کے اندر بھی آجائے گی۔

دفع مغالطات:

۱:... اکثر عوام اور بعض خواص کی بیعت سے متعلق غلط اغراض ہوتی ہیں، بعضے تو صاحب کشف و کرامت بننا چاہتے ہیں، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ جب اس کا خود شیخ میں ہونا ضروری نہیں، تو مرید اس کی ہوس کیونکر کرے؟

۲:... بعضے سمجھتے ہیں کہ پیر بخشش کے ذمہ دار ہوں گے، حالانکہ جب حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تک کو فرمایا:

"یا فاطمۃ! انقذی نفسک من النار"

ترجمہ:... "اے فاطمہ! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ۔"

تو بھلا دوسرا کون پیر کسی مرید کو بچا سکتا ہے؟ جب تک کہ خود مرید اس کے لئے کوشش نہ کرے۔

۳:... بعضے خیال کرتے ہیں کہ پیر صاحب ایک ہی نظر میں کامل کر دیں گے، اگر اسی طرح کام بن جایا کرتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل الاثر ہوگا؟ کہیں بطور

خرق عادت ایسا ہو بھی گیا، تو خوارق میں دوام ولزوم نہیں، لہٰذا اس بھروسہ پر رہنا بڑی غلطی ہے۔

۴:... بعضے چاہتے ہیں کہ خوب جوش وخروش، شورش ومستی پیدا ہو، گناہ آپ سے آپ چھوٹ جائیں، خواہش ہی مٹ جائے، نیک کاموں میں ارادہ ہی نہ کرنا پڑے، وساوس وخطرات سب فنا ہو جائیں، بس ایک محویت کا عالم ہو۔ اس کا منشا بھی ناواقفیت ہے، یہ امور من جملہ کیفیات واحوال کے ہیں، جو اختیار سے خارج ہیں، اور اگرچہ محمود ہوں، مگر مقصود نہیں ہیں، بلکہ ایسی خواہشات میں نفس کا ایک مخفی مکر ہوتا ہے کہ وہ لذت وشہرت کا طالب ہے، اور ان کیفیات سے یہ امور حاصل ہوتے ہیں، ورنہ طالب رضا کو جو اصل مقصود ہے، ان خواہشات سے کیا علاقہ؟

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

ترجمہ:... "فراق و وصل کیا ہوتا ہے، صرف دوست کی رضامندی طلب کر، کیونکہ اس سے اس کی ذات کے سوا کسی اور چیز کی تمنا کرنا افسوس کی بات ہے۔"

۵:... بعضے سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کے عملیات بڑے مجرب ہیں، ضرورت کے وقت ان سے تعویذ گنڈے لے لیا کریں گے، یا پیر صاحب بڑے مستجاب الدعوات ہیں، معاملات ومقدمات میں ان سے دعا کرالیا کریں گے، بلکہ اکثر پیروں ومریدوں کا خلاصہ دینداری بس تعویذ گنڈے کے اثرات ہیں، اگر فائدہ ہو گیا، تو بڑے ولی ہیں، اگر فائدہ نہ ہوا، تو کچھ بھی نہیں ہیں۔

۶:... بعضے یہ کہتے ہیں کہ ذکر وشغل کرنے سے انوار نظر آتے ہیں، یا آوازیں سنائی دیتی ہیں، یہ بھی محض ہوس وغلطی ہے۔

اوّل تو ذکر و شغل پر ان چیزوں کا مرتب ہونا ضروری نہیں۔

دوسرے یہ اصوات و انوار بعض اوقات اس کے اپنے دماغی تصرفات ہوتے ہیں اور یہ چیزیں عالم غیب سے نہیں ہوتیں۔

تیسرے بالفرض عالم غیب سے بھی ہوں، تو کیا ان سے قرب خداوندی نصیب ہوتا ہے؟ قرب کے لئے تو طاعات بتائی گئی ہیں، وغیرہ ذالک من الخرافات۔

غرض ان چیزوں میں بیعت کی صحیح غرض کوئی بھی نہیں، اس لئے ان سب کو ذہن سے نکال کر سلوک کی غرض و مقصود رضائے حق کو سمجھے، جس کا طریق طاعات کا بجا لانا اور ذکر پر مداومت کرنا، یعنی غفلت کو دفع کرنا ہے، شیخ اس کی تعلیم کرتا ہے، اور مرید اس پر کاربند ہوتا ہے، فافہم!

عشق و محبت:

مسلمانوں کے عالم، جاہل، خواص، عوام، تمام طبقات میں عشق و محبت کو لازمہ تصوف یا عین تصوف ہونا مسلّم ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ"

ترجمہ:۔ "مومنوں کو اللہ (تعالیٰ) سے سخت تر محبت ہے۔"

ایک محبت، دوم سخت محبت، سوم سخت تر محبت، آیت کریمہ میں "أَشَدُّ حُبًّا" کا صیغہ لاکر سخت تر محبت کی طرف اشارہ ہے، یعنی مومنوں کو اللہ تعالیٰ سے سخت تر محبت ہوا کرتی ہے، جس درجہ تک عقل کو رسائی ہے، وہ محبت ہوا کرتی ہے، محبت کا کوئی بالاتر درجہ نہیں ہے جو مومنوں کو حاصل نہ ہو، محبت کے سب درجات جیسے۔ مال، جان، آبرو، وطن، دل اور دماغ کی قربانی کرنا وغیرہ، مومنوں کو حاصل ہیں:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی قربانیاں اور جاں سپاریاں اس پہ شاہد ہیں، جزاھم اللہ خیرا کما ھو اھلہ!

عشقِ الٰہی انسان کا ذاتی معاملہ ہے، کیا دیکھا نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے: "الست بربکم" رُوحوں کو فرمایا، تو رُوحوں نے بیک زبان عرض کیا: "بلیٰ!" بے شک تو رَبّ ہے۔ رَبّ کے لفظ سے سوال ہوا، جو مقتضی ہے محبت کا، احسان کا، پھر دنیا میں پیغمبران علیہم السلام نے اس محبت کو لوازمِ محبت سے تر و تازہ کر کے کمال کو پہنچایا، لوازمِ محبت طاعاتِ الٰہی اور منہیات سے رُکنا ہیں، علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام دائما ابدا

"اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ" میں کون سی محبت مراد ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ محبت دو قسم پر ہے۔ ایک اختیاری اور دوسری غیر اختیاری، بالفاظِ دیگر محبتِ عقلی و محبتِ طبعی۔

پھر محبت کا مدار یا تو محبوب کا انعام و نوال ہوتا ہے، یا حسن و جمال، یا پھر فضل و کمال، چاہو تو ان سب کو کمال، جمال اور نوال سے تعبیر کر دو، پھر یہ کمال یا باعتبارِ ذاتِ شئی کے ہوتا ہے، اس کو فضیلتِ ذاتی کہتے ہیں، یا باعتبارِ حالتِ خاصہ کے ہوتا ہے، اس کو فضیلتِ اضافی کہتے ہیں۔

پھر محبت کا ایک خاص درجہ ہے، جس میں ہیجان و غلیان یا جوش و خروش ہوتا ہے، اس میں بے خودی، جامہ دری وغیرہ ہوتی ہے، یہ درجہ عشق کے افراط کا ہے۔ یہ درجہ شرعی سلوک میں مامور و مطلوب نہیں، گو معیوب بھی نہیں، اگر یہ کسی ضعیف القلب

سے بیان نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے خاص معاملات ہیں، جن کے ظاہر کرنے سے باطنی نقصان ہوتا ہے۔

نیز اس کا ایک جز علم مکاشفہ و اسرار بھی ہے، ان کو بھی ظاہر نہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ چیزیں اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اور سننے والوں کو غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔

"شرف المسائل" میں ہے کہ اپنے حالات و اسرار سے کسی کو مطلع نہ کرنا چاہئے، اگرچہ کوئی کتنا ہی مخلص دوست کیوں نہ ہو، ایسا کون ہے جو اپنی بیوی کو اپنے دوست کی بغل میں دیکھنا گوارا کرے؟ اس کے علاوہ فن کی بعض ایسی پیچیدہ و دقیق باتیں ہوتی ہیں کہ ہر کس و ناکس ان کے فہم کی استعداد نہیں رکھتا، مولانا روم علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

نکتہ ہا چوں تیغ پولاد است تیز
گر نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا
کز بریدن تیغ را نبود حیا

ترجمہ: "باریکیاں تیز فولادی تلوار کی مانند ہیں، اگر تیرے پاس ڈھال نہیں ہے تو واپس بھاگ جا، اس تلوار کے آگے بغیر ڈھال کے مت آ، کیونکہ تلوار کو کاٹنے سے حیا نہیں آتی۔"

اسی واسطے حضرت ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "یحرم النظر فی کتبنا" ہماری کتابوں کا دیکھنا حرام ہے یعنی بدفہموں کے لئے۔

تیسرے ہر شخص کی استعداد و حالات مختلف ہوتے ہیں، اس کی استعداد کے موافق اس کو تعلیم دی جاتی ہے، اگر کوئی دوسرا اس کی ریس (نقل) کرے گا تو نا

ضرر کا اندیشہ ہے۔ اس لئے جو محقق ہیں، وہ دماغی قوت، فرصت کو دیکھ کر تعلیم کرتے ہیں، سب کو الگ الگ بتلاتے ہیں، اسی لئے تصوف کی تعلیم شخصی ہے کہ ہر ایک کا حال جدا ہے۔

علمِ شریعت افضل ہے یا علمِ باطن؟

بعض غیر محقق صوفیا کا خیال ہے کہ علم باطن، علم شریعت سے افضل ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس استفادہ کے لئے بھیجا گیا، نیز اس واقعہ سے استنباط کیا گیا کہ اگر پیر و شیخ خلاف شرع کچھ حکم دے تو مرید کو اس کا اتباع واجب ہے۔

جواب:... یہ سب دعوے سرے سے باطل ہیں، اول یہ کہ خود علم باطن، علم شریعت ہی کا ایک شعبہ ہے، اصلاحِ ظاہر کے علم کو فقہ کہتے ہیں، اور اصلاحِ باطن کے علم کو تصوف، لہٰذا جزو کس طرح کل سے افضل ہو سکتا ہے؟

دوم:... یہ کہ یہ غیر محقق لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کو علم باطن تھا، نہیں، نہیں! بلکہ یہ دلالت جزئیہ وکونیہ تھے، نہ کہ معارف الٰہیہ، جو چیزیں زماناً و مکاناً بعید تھیں، وہ ان کے علم میں قریب ہوگئیں، سو دور کی چیز کا معلوم ہونا علم باطن نہیں، بخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کے، کہ وہ علوم شرعیہ و معارف الٰہیہ ہیں، علم ظاہر و باطن سب اس کے شعبے ہیں۔

غرض علمِ خضر کسی طرح سے علم موسوی سے فائق نہیں۔

پھر اس سے علی الاطلاق پیر کی اطاعت کے وجوب کا مسئلہ مستنبط کرنا بھی غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے کامل ہونے کا فرما دیا تھا، جس سے یقیناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکم الٰہی تعالیٰ کے

خلاف نہ کریں گے، جیسا کہ خود حضرت خضر علیہ السلام نے بعد میں فرمایا کہ: "وما فعلتہ عن امری" یعنی اپنے خیال سے نہیں کیا، یعنی میں اس پر مامور تھا، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی وجہ نہ سمجھنے کی وجہ سے انکار فرمایا، ورنہ سکوت و تسلیم کی گنجائش تھی۔

اس کے علاوہ جو پیر خلاف شرع کا حکم دے، اس کا کامل ہونا بھی مشکوک ہے، نیز حضرت خضر علیہ السلام شریعت موسویہ کی اتباع کے مکلف نہ تھے، ان کی شریعت کچھ اور تھی۔ بخلاف موجودہ دور کے پیر و مرشد اور مرید کے، کہ ان کی شریعت ایک ہے، اب خلاف شریعت کا حکم کرنے والے کا اتباع جائز نہیں، پس معلوم ہوا کہ ان کے سب دعوے غلط ہیں، اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ:

گر خضر در بحر کشتی را شکست
صد درستی در شکست خضر ہست
وہم موسیٰ باہمہ نور و ہنر
شد ازاں محجوب تو بے پر مپر

ترجمہ... "اگر خضر علیہ السلام دریا میں کشتی کو توڑ دے، تو ان کے توڑنے میں سو درستی ہے، موسیٰ علیہ السلام کا خیال تمام انوارات و ہنر کے باوجود بھی اس کے دیدار سے محجوب رہا، تو بغیر پروں کے پرواز مت کر۔"

یہ علم خضر کو علم موسوی پر فضیلت دینا نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب بعض اکابر کو بعض چھوٹے اسرار پر اطلاع نہیں ہوتی، تو تم چھوٹے ہو کر بڑوں کے اسرار کا انکار کیوں کرتے ہو؟ فافہم!

پٹواری کو جس قدر زمین کا علم ہوتا ہے، بادشاہ کو نہیں ہوتا، محافظ و پہرہ دار

کو جس قدر شہر کے گلی کوچوں کا علم ہوتا ہے، کمشنر کو نہیں ہوتا، تو کیا پٹواری اور گرداور شان میں بڑھ گئے؟ علم تکوینیات والا تو شان والا ہے، لیکن کیا وہ علم تشریعات والے سے بڑھ جائے گا؟ ہرگز نہیں! فافہم۔

ایک مغالطہ:

بعض صوفیائے کرام کے کلام میں بعض آیات کے خلاف ظاہر معانی پر محمول کرنا پایا جاتا ہے، جیسے "ان طهرا بيتي" کا مقصود و مدلول کعبہ ہے، اس سے ذہن اس طرف بھی منتقل ہو جائے کہ قلب بھی عرش الٰہی ہے، جیسے کعبہ بیت اللہ ہے، جس طرح کعبہ کی تطہیر ضروری ہے، اسی طرح قلب جو مورد تجلیات الٰہیہ ہے، اس کا پاک رکھنا بھی ضروری ہے، اس کو علم اعتبار کہتے ہیں، یہ تفسیر، وہ تفسیر نہیں ہے جو مفسرین نے لکھی ہے، اگر کسی نے اسی معنی کو مدلول النص بنایا تو تحریف کر دی، اور یہ تفسیر باطنیہ ہے، جو مردود ہے۔

پس اگر کوئی اس معنی میں مقیس (مشبہ) کو وہی حکم کہ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت، یعنی مدلول النص کہہ دے، تو اس میں کوئی بات قابل مؤاخذہ نہیں، ساری خرابی غلو کی ہے۔

دوسرا مغالطہ:

بعض صوفیا نے یہ تکلف کیا ہے کہ ہر آیت کا ایک ظاہر بتایا ہے، اور ایک باطن، یہ بہت برا ہے، کیونکہ اس سے ساری شریعت ناقابل اعتبار اور منہدم ہو جاتی ہے۔

اس لئے کہ ہم نے قرآن کا ظاہری معنی، جو لغت و محاورات عرب اور تصریحات مفسرین سے سمجھا ہے، وہ تو اصل میں محتمل ہے کہ اس کا باطن والا معنی اس

کے مخالف ہو، اب ایسی صورت حال میں کسی آیت کا حکم متعین نہ رہے گا بلکہ محتمل ہو جائے گا نعوذ باللہ من ذالک۔

قرآن کے ظاہری معنی کا انکار کفر ہے، البتہ ظاہر کو تسلیم کرنا اور باطن کی طرف جیسے اہلِ اُصول نے وجوہِ دلالات میں لکھا ہے، جس کو حضرات مجتہدین ہی سمجھتے ہیں، اور علم الاعتبار سے کسی معنی و مطلب کا مفہوم ہونا، اس غور سے اس کی طرف رجوع کرنا محققین کا کام ہے، اور اسی کو باطن کہتے ہیں، نہ کہ وہ جو غیر محقق صوفی کہتے ہیں۔ پھر اس میں ایک حدیث نکالی اور مسئلہ وحدۃ الوجود کو اس میں داخل کیا۔

وحدۃ الوجود کے متعلق مغالطے کا جواب:

یاد رکھنا چاہیے کہ وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود، ان مسائل میں سے نہیں ہیں جن پر اعتقاد رکھنا ضروریاتِ دین میں سے سمجھا جائے، نیز وجود و شہود اسلامی تصوف کا جزو لاینفک بھی نہیں، کیونکہ ان کا حاصل: "ارتباط الحادث بالقدیم" ہے، یعنی حادث کے قدیم کے ساتھ ربط و تعلق کی تحقیق ہے، جس کا علمی و کلامی مسئلہ ہونا معلوم ہے، مگر کشف کے بخل کی وجہ سے ان مسائل کو علم کلام والوں نے کتب میں درج نہیں کیا، کشف سے استناد ظنی ہوگا، اور ظنیت میں بھی ظنیاتِ اُصولیہ سے کم درجے کا ہوگا، کیونکہ کشف کو کسی شے میں حجت کا درجہ حاصل نہیں (کذا فی بوادر النوادر مختصرا) پھر جب وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود مسائلِ کشفیہ میں سے ہیں، ان کو کسی نص کا مدلول بنانا یا کھینچ تان کر ان میں داخل کرنا تکلف سے خالی نہیں، ان مسائل کے لئے یہی غنیمت ہے کہ وہ کسی نص سے متصادم نہ ہوں، یعنی کوئی نص ان کی نفی نہ کرتی ہو، پھر اگر نص سے استنباط کیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں: اگر درجہ احتمال میں ہے، تو غلو تو نہیں مگر تکلف ضرور ہے، اور اگر درجہ احتمال سے بڑھا دیا جائے تو غلو ہے، پھر اس کا دعویٰ کرنا

کہ یہ آیت کا مصداق ہے، صریح تحریف ہے۔ غلو کی حد تو یہ ہے کہ بعض غلوپین نے "لا الٰہ الا اللہ" کی تفسیر میں ایک رسالہ "کلمۃ الحق" لکھ دیا، جس میں یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ "نہیں ہے کوئی الٰہ مگر اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ جتنے غیر اللہ، الٰہ بنائے گئے ہیں، وہ سب (معاذ اللہ) اللہ ہی ہیں، تعالی اللہ عما یشرکون!

یہ مسئلہ (وحدۃ الوجود) واقعی تیغ بے نیام ہے، ذرا کجی ہوئی تو ایمان کا خاتمہ ہو جائے گا:

تکتہا چوں تیغ پولاد است تیز
چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے سپر میا
کز بریدن تیغ را نبود حیا

(کذا فی تجدید تصوف)

وجود و شہود کا اصطلاحی فرق:

"وجودیہ" کے نزدیک عالم کی حقیقت اسماء وصفات ہیں، جو ظاہر وجود پر متجلی ہوئے، تو اس سے عالم کے وجود کا خیال پیدا ہوا، جس کی تعبیر کبھی یوں بھی کرتے ہیں کہ: وہ معدوم محض ہے، مگر ساتھ ہی احکام کا مورد ہے، اور کبھی یوں کرتے ہیں کہ: وہ عینِ حق ہے۔

"شہودیہ" کے نزدیک عالم کی حقیقت عدمات ہیں، جن پر اسماء وصفات نے تجلی کی، جس سے وجودِ ظلی پیدا ہوا، اس لئے وہ عالم کو نہ معدوم محض سمجھتے ہیں، اور نہ عینِ حق۔ باقی عالم کے وجودِ حقیقی کی نفی میں دونوں شریک ہیں، اور اس میں اہلِ ظاہر کی ملامت کا دونوں ہدف ہیں۔

عینیت کے معنی:

عینیت کا ایک معنی یہ ہے کہ دو چیزوں کا مکمل طور پر اس طرح ایک ہونا کہ ان میں کسی قسم کا بھی فرق نہ ہو، اور غیریت کا معنی یہ ہے کہ دونوں میں کسی قسم کا تغایر، امتیاز یا فرق ہو، اس معنی میں عینیت و غیریت میں تناقض ہے، جس میں دونوں کا کسی محل میں جمع ہونا محال ہے، اور لغوی معنی بھی یہی ہے، اور اسی میں واکثر عرفا استعمال ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کوئی شے باری تعالیٰ کی عین ذات نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عینیت کے تو وہی مذکورہ بالا معنی لئے جائیں، اور غیریت کے معنی یہ ہوں کہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا دوسری کے بغیر موجود ہو سکنا، عینیت و غیریت کے اس معنی میں باہم تناقض تو نہیں، مگر تضاد ہے، یعنی دونوں ایک محل پر صادق نہیں آسکتے، مگر مرتفع ہو سکتے ہیں، یہ متکلمین کی اصطلاح ہے، اس تفسیر سے بھی ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں عینیت نہیں، بلکہ غیریت ہے، اس لئے کہ مخلوقات بدون باری تعالیٰ کے موجود نہیں ہو سکتی، لیکن باری تعالیٰ بدون مخلوقات کے پہلے بھی موجود تھے۔

عینیت کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ ایک شے کا اپنے وجود میں دوسری شے کی طرف محتاج ہونا، گو دوسری پہلی کی طرف محتاج نہ ہو، اور غیریت کے وہی پہلے والے معنی کہ دو چیزوں میں کسی قسم کا تغایر، امتیاز یا فرق ہونا، یہ اصطلاح صوفیا کی ہے، جس کے اعتبار سے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں عینیت بھی ہے، کیونکہ مخلوقات اپنی ذات میں ذات باری تعالیٰ کی محتاج ہے، گو ذات باری تعالیٰ اس احتیاج سے مبرا ہے، اور غیریت بھی ہے، کیونکہ ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں لاکھوں طرح کے فرق ہیں، جیسا کہ فرمایا۔

"اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ"

ترجمہ... "تم سب اللہ تعالیٰ کے ہر طرح محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ ہر طرح غنی و بے نیاز ہے"

گو اس تیسرے معنی کے اعتبار سے صوفیہ تمام مخلوقات کو عین باری تعالیٰ کہتے ہیں، مگر بعض اوقات ایک قید اور بڑھاتے ہیں کہ مخلوق کو خالق کی طرف احتیاج کا علم و معرفت بھی حاصل ہو، اور اس قید کے اعتبار سے تمام مخلوقات میں صرف عارف کے لئے عینیت کا اثبات کرتے ہیں، کیونکہ دوسری مخلوق اس عرفان سے خالی ہے۔

پھر بعض اوقات اس قید پر ایک اور قید بڑھا دیتے ہیں کہ اس کی معرفت میں اس قدر استغراق ہو کہ خود مخلوق بلکہ اپنی ذات و ہستی کی طرف بھی التفات نہ رہے، یہ حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے، جس سے نہ کسی عالم کو انکار ہوسکتا ہے اور نہ کسی عالم کو توحش، جس کے سمجھنے کے لئے نہ فلسفی ہونے کی حاجت ہے نہ کسی مابعد الطبعیاتی فلسفہ یا نظریہ کی ضرورت، نہ بندہ کی بندگی میں کوئی فرق آیا، نہ خدا کی خدائی یا تنزیہ میں اس سے کوئی نقص آیا، جزاہ اللہ تعالیٰ خیرا!

(کذا فی تجدید تصوف)

فائدہ:... وحدت کا یہ معنی نہیں کہ "بندہ" اور "خدا" ایک ہیں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ "بندہ" کی ہستی قابل اعتبار نہیں، بلکہ "خدا" کی ہستی لائق شمار ہے، اور "باقی" کی ہستی کے سامنے "فانی" کی کوئی ہستی نہیں۔ پس وحدۃ الوجود کا معنی ہے: وجود ایک ہونا، یعنی حقیقۃً وجود ایک ہی ہے۔ اور وحدۃ الشہود کا معنی ہے: شہود ایک ہونا، یعنی واقع میں تو متعدد ہستیاں ہیں، مگر سالک کو ایک کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور دوسرے سب کالعدم ہیں۔ پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے، فافہم!

وحدت وجود کے قول سے چارہ نہیں!

وحدۃ الشہود والوں کی حقیقت بھی وہی ہے جو وحدۃ الوجود والوں کی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک بھی حقیقی وجود ایک ہے، جیسا کہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تھا، فرق صرف یہ ہے کہ شیخ اکبر وجود ظلی کی نفی کرتے ہیں، اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وجود ظلی کا اثبات کرتے ہیں۔ وجود حقیقی واحد ہونے میں دونوں متفق ہیں، چونکہ شیخ اکبر وجود ظلی کے قائل نہیں، اس لئے ان کے مشرب کا لقب وحدۃ الوجود ہوا، اور حضرت مجدد الف ثانی نے وجود ظلی کا اثبات فرمایا، اس لئے ان کے مشرب کا لقب وحدۃ الشہود ہوا، اور شیخ اکبر کی طرف سے یہ عذر پیش فرمایا کہ ان کو غلبہ توحید کی وجہ سے وجود ظلی مشہود نہیں ہوا، بلکہ صرف وجود واحد ہی مشہود ہوا، یہی معنی ہیں کہ حضرت مجدد صاحب نے شیخ وحدۃ الوجود کی حقیقت وحدۃ الشہود ظاہر فرمائی ہے، اس لئے ان کے مسلک کا لقب وحدۃ الشہود ہوا، کیونکہ اثبات وجود ظلی کے باوجود صاحب وجود حق کا ہی مشاہدہ کرتے تھے، جیسے دن میں ستاروں کا مشاہدہ نہیں ہوتا، باوجودیکہ ستارے موجود ہیں اور موجود سمجھے بھی جاتے ہیں، یہ سب تسمیہ و تعبیر اصطلاحات کے ہیں، ورنہ حضرات محققین وحدۃ الوجود کے قائل ہونے میں سب حضرات برابر ہیں۔

پس کل ملا کے کل چار مذہب ہیں: ایک علمائے ظاہر کا، دوسرا بعض متکلمین اسلام کا، تیسرا قائلین وحدۃ الوجود کا، اور چوتھا قائلین وحدۃ الشہود کا، ان میں تین مذاہب تو متفق ہیں، صرف علمائے ظاہر وجود ظلی کے مخالف ہیں اور اس کے مصداق کو معدوم مانتے ہیں۔

توحید ذات، صفات اور افعال میں مغالطے کا جواب:

اس کا مشہور عنوان "لا فاعل الا اللہ" ہے، یعنی اللہ کے سوا کوئی فاعل نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف کوئی فعل منسوب نہیں، اس پر کئی طرح کے اشکالات ہیں، مثلاً:

اول:... یہ کہ یہ عقائد کے خلاف ہے۔

دوم... یہ کہ اس میں قبائح کا صدور جناب باری تعالیٰ سے لازم آتا ہے۔

سوم... یہ کہ مشاہدہ و وجدان بھی اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

چہارم:... اس سے تمام شرائع کا ابطال ہوتا ہے۔

جواب:... اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام اسباب و افعال کا منتہا، بلکہ یوں کہئے کہ افعال کا خالق بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں، گو وسائط اور ظاہری اسباب اور بھی ہیں، مگر چونکہ عارف کی دوسرے وسائط اور فاعلوں کی طرف نظر اور التفات نہیں ہوتا، اس لئے وہ ان کی نفی کرتا ہے۔ سو واقع میں یہ نفی باعتبار قابلِ التفات ہونے یا التفات کرنے کے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل التفات نہیں، یا اس کی طرف التفات نہیں۔

ٹھیک اسی طرح توحیدِ ذاتی و صفاتی کو سمجھئے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بجز صفات وذاتِ خداوندی کے کوئی صفت یا ذات موجود نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عارف کو کسی دوسری ذات وصفت کی طرف التفات نہیں ہوتا، اس کا راز بھی یہی ہے کہ غلبۂ عشق میں عاشق کی نظر میں صرف معشوق ہی معشوق رہ جاتا ہے، اسی مرتبہ میں وحدت کا حکم ہوتا ہے، سو یہ تینوں مراتب توحیدِ وجودی کی فرع ہیں۔

(کذا فی التکشف ج:۳ ص:۱۵۰، ۱۵۱)

قرب مطلوب کیا ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ قرب مطلوب محض علم سے نہیں آتا، بلکہ اخلاص کے ساتھ اس علم پر عمل صحیح کرنے سے آتا ہے، اگر کوئی بے نمازی پورے طور پر نماز کا فلسفہ جان لے، مگر رہے بے نمازی کا بے نمازی، تو کیا وہ فلسفۂ نماز کے جاننے سے مقرب ہو گیا؟

اسی طرح قرب، معیت یا وحدۃ الوجود کے ایمان و علم کا اصل مقصود و مدعا بھی وحدۃ الشہود ہے، کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا حضور یا مقام احسان حاصل کیا جائے، یعنی اس کا ماننے یا جاننے والا اپنی زندگی کے سارے اعمال، افعال، حرکات اور سکنات میں اس طرح کا قرب حاصل کرے کہ اللہ تعالیٰ کو قریب اور حاضر ناظر جان کر اس طرح عبادت کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، یا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے، یہ مرتبہ احسان ہے، جو مطلوب شرعی ہے، اس استحضار سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بھی بچے گا، اطاعت و فرماں برداری پر بھی کربستگی ہوگی اور عبادت بھی خشوع و خضوع سے ہوگی۔

جنت بھی مطلوب بالذات نہ ہو:

قرب کا مقصد... نعوذ باللہ... یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی گود میں جا کر بیٹھنا ہے، بلکہ محققین کے نزدیک قرب، رضا جوئی کے اس بلند ترین مقام کا نام ہے، جس میں بندہ کا مطلوب و مقصود خود اللہ تعالیٰ کی ذات یا ان کی رضا ہوتی ہے، حتیٰ کہ جنت بھی مطلوب بالذات نہیں رہتی، بلکہ جنت اس لئے مطلوب ہوتی ہے کہ لقاء الٰہی جنت ہی میں ہوگی، لہٰذا جنت بھی مطلوب ہے، اور یہ جو متصوفین کہا کرتے ہیں کہ جنت کی ضرورت نہیں، یہ غلط ہے، اس لئے کہ جس کی رب کریم جل شانہ ترغیب دے، اس

سے بے رغبتی کا اظہار بے ادبی ہے۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ جنت مقصود بالذات نہیں

وصال و ہجر چہ باشد رضائے دوست طلب کن

کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

ترجمہ... "فراق و وصل کیا ہوتا ہے، صرف دوست کی

رضامندی طلب کر، کیونکہ اس سے اس کی ذات کے سوا اور کسی

چیز کی تمنا کرنا، افسوس کی بات ہے۔"

قرب، کمالِ دین کا نام ہے:

قرآن مجید میں ہے:

"وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ

عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا..." (سبا:۳۷)

ترجمہ... "تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں

کہ جس سے تم کو ہمارا قرب دلادے، ہاں! جس نے ایمان لایا

اور نیک عمل کئے۔"

اس آیت میں قرب کے لئے ایمان اور عمل صالح کو سبب بتلایا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ قرب کے لئے ایمان و عمل صالح کا وہ درجہ مطلوب ہوگا جو کامل ہو، (کیونکہ ناقص تو ادنیٰ درجہ کے مؤمن کو بھی حاصل ہے)، یہ کامل درجہ انسانیت کا بلند ترین مرتبہ و مقام ہے، اور: "اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ" میں مذکور ہے، وہی کمالِ ایمان اور عمل یا بالفاظِ دیگر کمالِ دین ہے، جس کو تصوف کی اصطلاح میں "احسان" کہا جاتا ہے، وہ کمالِ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا تمام و کمال اجتماع ہے۔

تعارض معلوم ہوتا ہے، اگر تفویض ہے تو دعا مانگنا کیسے؟ اور دعا مانگتا ہے، تو تفویض نہ ہوئی۔

جواب... اس کا جواب یہ ہے کہ تفویض کا یہ معنی نہیں کہ مانگے نہیں، بلکہ عزم یہ رکھے کہ مانگنے پر بھی نہ ملا تو اس پر بھی راضی رہوں گا، کیونکہ مانگنا تفویض کے خلاف نہیں، ورنہ مانگنے کا حکم نہ فرمایا جاتا، لہٰذا صاحبِ تفویض جب مانگتا ہے تو حکمِ الٰہی "اُدْعُوْنِیْ" کی تعمیل کر رہا ہے، اور یہی تفویض ہے، اسی طرح "وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ" سے اشارۃً معلوم ہوا کہ تفویض اور دعا میں کوئی تعارض نہیں، غرض تفویض کی عبدیت ہے، اور اپنی تجویز سے امتیازی شان بنانا عبدیت کے بالکل خلاف ہے۔

مگر بعض نیم صوفی نامعلوم کیسی کیسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اپنی تجویز کا نام بزرگی رکھ لیا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ گھی نہیں کھاتے، فلاں بزرگ گائے کا گوشت نہیں کھاتے، اور قربانی نہیں کرتے، وہ فلاں بڑے رحم دل ہیں اور جانور کے گلے پر چھری رکھنے کو اچھا نہیں جانتے، یہ سب نام نہاد بزرگی کی علامات ہیں۔ اصل بزرگی تسلیم و اتباع کا نام ہے، حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ رحم دل اور خدا ترس کون ہوگا؟ مگر حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اپنے دستِ مبارک سے قربانی کے ساٹھ اونٹ ذبح کئے تھے، مگر آج کل کے جاہل اس قسم کی درویشی کو بزرگی تصور کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ ذہن رکھنا چاہئے کہ ترکِ حیوانات کے ساتھ چلہ کشی بدعت ہے، ترکِ حیوانات کہتے ہیں گوشت سے پرہیز کرنے کو، اگر کوئی بطور علاج کے گوشت نہ کھائے تو درست ہے، اور اگر ثواب جان کر یا مراتب طے کرنے کے لئے یا فیض و برکات کے حصول کے لئے گوشت کھانا ترک کرے، تو یہ بدعت اور اعتقادِ فاسد ہے۔

حیاتِ طیبہ:

یاد رکھنا چاہئے کہ معروضاتِ سابقہ سے واضح ہوچکا کہ تصوف قلب و قالب اور صورت و باطن کے سارے کمالات، فضائل کی تحصیل کا نام ہے، تو جیسے حسنۂ آخرت حاصل ہوگا، ویسے ہی حسنۂ دُنیا بھی نصیب ہوگا، اسی لئے دُنیا و آخرت کی حسنات مانگنے کا حکم ہے۔

"رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً"

ترجمہ:... "اے اللہ! ہمیں دُنیا اور آخرت میں بہتری عطا فرما۔"

اور:

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً."

ترجمہ:... "مرد و عورت جو بھی اچھے کام کرے، بشرطیکہ مؤمن بھی ہو تو ہم اس کو یقیناً دُنیا میں بھی مزہ دار زندگی عطا کریں گے۔"

ایمان و عمل صالح، جن کا کمال جامعیت ہی تصوف ہے، پر دُنیا میں بھی پاکیزہ زندگی کا وعدہ فرمایا ہے۔

اصل راحت قلب کی راحت ہے:

راحت، آرام اور مسرت فی الواقع نفس و قلب کا ادراک و وجدان ہے، اگر کسی کا دل کسی وجہ سے بے چین و پریشان ہے، تو تختِ شاہی پر بیٹھ کر بھی اس کو آرام

نہیں آ سکے گا، اور اگر دل کو سکون و اطمینان نصیب ہے، تو جھونپڑی کے نیچے دال روٹی کھاتے ہوئے بھی اس کو مزہ دار زندگی میسر ہے، تو حیات طیبہ کو دنیا کی بھلائی، دولت، ثروت، حکومت، سلطنت، امارت، ٹھاٹھ باٹھ اور بڑے بڑے عالی درجے کے ظاہری اسباب کے حصول و وصول میں منحصر جاننا، دنیوی ترقی، تعیش اور برتری کے لئے جدوجہد، مسابقت اور منافست کرنا، ایک دوسرے کے پیچھے مرتے رہنا، اور پھر غم و غصے، حزن و خوف اور حب جاہ و مال میں رہنا کہ ہائے! فلاں کے پاس مجھ سے زیادہ مال و جاہ ہے، میں نے وہ ڈگری حاصل نہ کی، فلاں عہدہ مل گیا، مال کو ذرا سا خطرہ لاحق ہوا تو خوف و حزن سے دم نکلنے لگا وغیرہ، اس کا نام حیات طیبہ رکھنا کس قدر بڑا مغالطہ اور شدید دھوکہ ہے، کیونکہ ایسا شخص تو ہمیشہ بغض و حسد کی آگ میں جل رہا ہے، ریا و نفاق میں گرفتار ہے، بے فکری اور بے چینی میں دن رات گزار رہا ہے، اس کا قلب جیسے دوسروں کی بھلائی سے کڑھتا اور جلتا رہتا ہے، اسی طرح اپنی بھلائی کی فکر، حفاظت، تکلیف، مصیبت اور اس کے زوال کے حزن میں مبتلا رہتا ہے، جب اس کے دل کو سکون ہی میسر نہیں تو اسے مسرت و آرام کی ہوا کیسے لگے گی؟

اس کے مقابلے میں جس کا دل ان بیماریوں سے پاک ہے، اور صفاتِ قلب، تسلیم، رضا، صبر، شکر، قناعت، توکل، اخلاص اور توحید کی دولت سے مالا مال ہے، اور دوسروں کے جاہ و مال سے بے پرواہ ہے، تو ایسے شخص کا کیا کہنا ہے، وہ راحت و آرام میں ہے، خواہ دولت و ثروت میں ہے یا فقر و فاقہ میں، ایسا شخص جو دنیوی ترقی کی پیاس سے بے تاب ہے، امراء، وزراء اور سرداروں کے قدم چوم رہا ہے، اور دنیا کی حکومت و دولت کے نشے میں چور ہو کر عزت یا ذلت، خدمت اور چاپلوسی کا شکار ہے، یہ کم ہمت حیات طیبہ کی لذت سے محروم ہے، جبکہ وہ صاحب دل جس کی ہمت کے سامنے دنیا کی ساری شاہی ہیچ ہے:

از بروں چوں گورِ کافر پر حلل
واندروں قہرِ خدائے عزوجل

عافیت اور اطمینان کے دشمن:

عافیت اور اطمینان کے بڑے دشمن رذائل نفس اور اخلاق سیئہ ہیں، جیسے حسد، ریا، نفاق، کبر، عجب، حب جاہ اور حب مال وغیرہ، مثلاً جو شخص اپنے سے زیادہ جاہ و مال والے سے بغض و عداوت اور حسد کی آگ میں جلتا مرتا ہے اس کو اپنے جاہ و مال سے کیا راحت و مسرت ہوگی؟

از بروں چوں گورِ کافر پر حلل
واندروں قہرِ خدائے عزوجل

تصوف کا پہلا قدم رذائل کا ازالہ یعنی تزکیہ ہے۔ صاحب تزکیہ آدمی روکھی سوکھی کھا کر، زمین پر سو کر ایسا مطمئن و مسرور ہوتا ہے کہ حسد وغیرہ کی آگ میں جلنے مرنے والے دولت مند کو عمر بھر یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔

اصول الوصول اور ضوابط سالک میں فائدہ عجیبہ:

طالب صادق اور سالک طریق کے لئے ابتدائی طور پر مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ اتباع شریعت ظاہراً و باطناً ہونی چاہئے، کیونکہ

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

۲...شیخ کامل اور متبعِ سنت کی اتباع ضروری ہے، کیونکہ بلا شیخ و مرشد کے عادتاً اصلاح مشکل و متعذر ہے۔

۳...اپنے بھلے، بُرے سب احوال کی مرشد کو اطلاع کرے، شیخ کی جانب سے تلقین فرمودہ اصلاح پر ضرور کمربستہ ہو جائے۔

۴...سالک کو عجلت کی طلب اور جلد ثمرہ حاصل ہونے کا تقاضا مضر ہے۔

۵...غیراختیاری چیز کا طالب بالکل نہ بنے، اور اختیاری چیز کو ہاتھ سے نہ جانے دے، یعنی اس پر ضرور عمل کرے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ کو جو خط لکھا، وہ پیشِ خدمت ہے:

"مامور بہ (وجوباً یا ندباً) صرف افعال ہیں، انفعالات نہیں، مثلاً رغبت الی الطاعات، تنفر عن البدعات، استقامت، تثبت، لذت، شوق اور اصلاح قلب وغیرہ، ان میں جو چیزیں یا بعض چیزوں کے جوارح افعال ہیں وہ مامور بہ ہیں، مثلاً: ذوق، شوق وغیرہا، کیونکہ وہ غیراختیاری ہیں، البتہ وہ انفعالات بعض مطلق اور بعض خاص احوال میں محمود ضرور ہیں، اور اسی درجہ میں مطلوب بھی ہیں، مگر وہ سب آثار و ثمرات انہیں افعال کے ہیں، اور افعال ہی ان کے اسباب ہیں، ان کی طرف فی الجملہ یا اکثر مفضی ہیں، ان کے علل نہیں کہ ان سے متخلف ہی نہ ہوں، اگر تخلف بھی ہو تو مضر نہیں، کیونکہ اصل مقصود قرب و رضا کی وہ شرط نہیں، انتہی ملخصاً۔"

پس قرب کے حصول کے لئے جوارح کے اعمال ہیں۔ انہیں کئے جاؤ۔

اتفعال نا موریہ نہیں، فافہم وتدبر!

الحمد لله تعالى حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه ومباركا

عليه كما يحب ربنا ويرضى

اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد

افضل صلواتك بعدد معلوماتك وبارك وسلم عليه

اللهم تقبل منا انك انت السميع العليم،

لا حول ولا قوة الا بالله

۱۴/محرم الحرام ۱۳۸۴ھ

"غیر اختیاری چیز کا طالب بالکل نہ بنے اور اختیاری چیز کو ہاتھ سے نہ جانے دے یعنی اس پہ ضرور عمل کرے۔"

آدابُ الذِکر واقسامُ الفِکر

یعنی

ذکر کے آداب اور غور و فکر کی اقسام

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ"

(النور ۳۷)

ترجمہ… "ایسے جوان ہیں کہ ان کو خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے روک نہیں سکتے۔"

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاکر کو مثل زندہ کے اور ذکر نہ کرنے والے کو مثل مردہ کے فرمایا ہے۔ رواہ البخاری۔

صحیح مسلم و ترمذی میں ہے کہ

جو قوم ذکر کرنے بیٹھے، ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، رحمت ڈھانپ لیتی ہے، ان پر تسکین خاطر نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کو ان میں یاد فرماتا ہے جو اس کے نزدیک ہیں، وغیر ذالک من الاحادیث الصحیحۃ۔

شیخ شبلی قدس سرہ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ: میں اس کے ساتھ ہم نشین ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ذکر سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس اور غیروں سے وحشت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت ابو عثمان قدس سرہ کو کسی نے کہا کہ:

"(ہم) ذکر بہت کرتے ہیں اور اس کی لذت و شیرینی دل میں نہیں پاتے؟ فرمایا شکر کرو! کہ تمہارے اعضاء میں سے ایک عضو حق تعالیٰ کی اطاعت سے آراستہ ہے۔"

شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کتاب حکم میں فرماتے ہیں کہ:

"ذکر سے غفلت اس سے سخت تر ہے کہ ذکر کرے اور اس میں غفلت ہو جائے۔ یعنی ذکر نہ کرنا اس سے سخت تر ہے کہ ذکر تو کرے مگر دل نہ لگے اور غلط خیال آجائیں۔"

اسی کتاب میں مذکور ہے کہ کلمہ طیبہ بذات خود عالم جبروت سے ہے، جو عالم ناسوت سے ظاہر ہوتا ہے، مگر وہ عالم ملکوت کی طرف چڑھتا ہے، وہ کسی زبانی حقیقت سے متعلق نہیں ہوتا، بلکہ جہان کے حقائق اس سے صادر ہوتے ہیں، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ" (فاطر۔۱۰)

ترجمہ... "اسی کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں۔"

جو شخص ہر صبح ہزار بار باوضو یہ کلمہ پڑھے، اس کی روح عرش کے نیچے سے کھاتی پیتی ہے۔ اور جو شخص دوپہر کے وقت ہزار بار پڑھے، اس کے باطن کا شیطان ضعیف ہو جاتا ہے، اور جو شخص چاند کی پہلی تاریخ کو پڑھے، وہ تمام بیماریوں سے محفوظ رہے گا، اور جو شخص شہر میں داخل ہونے سے پہلے پڑھے، وہ تمام فتنوں سے بچے گا، اور جو شخص ظالم سے پناہ کے لئے حضور دل سے پڑھے گا، وہ امان میں آ جائے گا، اور جو شخص کسی غیب کی چیز کی اطلاع کے لئے پڑھے گا، وہ چیز اس پر منکشف ہو جائے گی۔

فائدہ... اگر کسی شیخ سے اجازت بھی لے لے تو بہتر ہے، اس لئے کہ اجازت میں عظیم تاثیر ہے، اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی کتاب المکاتیب والرسائل میں ہے:

"جاننا چاہئے کہ ذکر کے یہ فوائد جو مذکور ہوئے، دنیوی ہیں، اور عوام کا حصہ ہے، اور کلمہ طیبہ کے ذکر سے خواص اور خاص الخاص کا حصہ فنائے نفس، فنا از خلق اور فنا ئے ارادت ہوتا ہے، اور بالفاظ دیگر قرب الٰہی تعالیٰ ہی ان کا مطمح نظر و مقصد اعلیٰ ہوتا ہے، جس کا ثمرہ جنت فردوس میں لیقاء بشارت رب

رحمٰن رحیم جل شانہٗ کی زیارت، اور حضور پُرنور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب و جواری ہے۔“

گر نبودے ذات حق اندر بہشت
بر کنند مستان حضرت قصرِ جنت خشت خشت

ترجمہ... ”اگر جنت میں ذاتِ حق نہ ہوتی تو حضرت حق کے مست اس جنت کے محلات کو اینٹ اینٹ کر ڈالتے۔“

امید بوئے تو از بہار بود مرا
وگرنہ با گل و گلشن چہ کار بود مرا

ترجمہ... ”مجھ کو بہار سے تیری بو کی اُمید ہوتی ہے، ورنہ مجھے پھول اور باغ کے ساتھ کیا کام ہے؟“

فنا کی اقسام:

فنا تین قسم پر ہے:

۱... فنا از خلق، وہ یہ کہ خلقت کی مدح و ذم، دینا نہ دینا اور ہونا نہ ہونا (ہونا یا نہ ہونا) وغیرہ برابر ہو جائے، مخلوق سے تمام اُمیدیں منقطع ہو جائیں، جس کو حدیث میں ”اجمع الیاس مما فی ایدی الناس“ سے تعبیر فرمایا ہے۔

۲... فنا از نفس اور اس کی ہوس، یعنی خلوت و جلوت میں نفس شریعت کے حکم کا فرماں بردار ہو جائے، جس کو ”اذ قال لہ ربہ اسلم، قال اسلمت لرب العٰلمین“ (البقرۃ: ۱۳۱) سے فرمایا ہے۔

۳... فنا از آرزو و خواہش: یعنی بجز رضائے حق و شوقِ دیدار کے کوئی غرض نہ رہے، ارشادِ الٰہی: ”والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ“ اس کا مقتضی ہے، کیونکہ محبت کامل

یہی مطلب ہے لا الہ الا اللہ یعنی لا موجود الا اللہ کا۔ مگر یاد رہے کہ یہ چیزیں حالی ہیں، قالی نہیں، اور یہ بھی نہیں کہ ہر چیز خدا ہے، کیونکہ: سبحانہ وتعالی عما یشرکون! یہ جوگیہ کا مذہب ہے، وہ کہتے ہیں کہ: "ما ہمہ تم ہمہ اوست" اور اس کو توحید کہتے ہیں، اور اس لحاظ سے امر و نہی کی قید سے باہر آتے ہیں، اور اپنے آپ کو صوفی کہلاتے ہیں۔ بدنام کنندہ نکو نامے چند! (چند نیک ناموں کو بدنام کرنے والے):

سخن وحدت آید از عامی
زاں چہ خیزد بجز بدنامی

ترجمہ: "اس وقت عامی سے وحدت کی گفتگو، اس سے بدنامی کے سوا کیا حاصل ہوتا ہے؟"

اور ہمہ اوست، ہمہ از وست یا ہمہ بدوست کا مسئلہ دوسری چیز ہے، اس کا مطلب بیان کرنے کا یہ مختصر رسالہ متحمل نہیں۔

اس کلمہ طیبہ سے بندہ ناسوت سے ملکوتی صفات حاصل کرتا ہے۔ یعنی اخلاق رذیلہ، مثلاً: حسد، کبر، غفلت، غرور اور ضلال وغیرہ سے پاک ہوتا ہے، اور اخلاق حمیدہ، مثلاً: شکر، قناعت، توکل، تسلیم اور رضا وغیرہ سے منور ہوتا ہے۔ ذکر ہی سے فنا فی اللہ، بقا باللہ اور رب تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے، حضور اکرم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح اتباع نصیب ہوتا ہے، ذکر ہی حسن خاتمہ کے اسباب سے ہے، اور نجات از عذاب کا ذریعہ ہے، ذکر ہی دائم البقا ہے کہ بہشت میں بھی ہوگا۔

ذکر کے آداب:

ہر چیز کے فرائض، واجبات اور مستحبات ہوتے ہیں، اسی طرح محرمات اور مکروہ تحریمی وتنزیہی بھی ہوتے ہیں۔

جس چیز پر بقا موقوف ہو، وہ بمنزلہ فرض کے ہوتی ہے، جیسے بدن انسان کے لیے سر، جگر اور معدہ کا ہونا۔

وہ چیز کہ جس کے نہ ہونے سے شئی فنا تو نہیں ہوتی، مگر نہ ہونے کی مانند ہوجاتی ہے، اس کو واجب کہتے ہیں، جیسے ٹانگ اور بازو وغیرہ۔

جو چیز کسی شئی کو خوبصورت، مزین اور روشن بنادے اور اس کے نہ ہونے سے زیب و زینت میں محض نقصان ہو یا اصل چیز اور اس کے فائدے میں نقصان ہو، وہ بمنزلہ مستحب کے ہوتی ہے۔

جو چیز کسی شئی کو فاسد، باطل بنادے، وہ بمنزلہ محرمات کے ہوتی ہے، جیسے مفسدات نماز، مثلاً: نماز میں کھانا پینا اور کلام کرنا وغیرہ۔

جو چیز کسی شئی کو ناکارہ بنادے، جیسے نماز میں ترک واجب وغیرہ، وہ مکروہ تحریمی ہے۔

جو حسنِ نماز کو نقصان پہنچائے، جیسے ترک سنن وغیرہ، وہ مکروہ تنزیہی ہے۔

اسی طرح ذکر کے بھی فرائض، واجبات اور مستحبات ہیں۔

ذکر لغت میں بمعنی یاد کردن ہے، اور اصطلاح تصوف میں اللہ تعالیٰ کی یاد کو ذکر کہتے ہیں، چنانچہ ہر وہ چیز جس کے توسل سے یادِ حق ہو، خواہ وہ از قبیل اسم ہو یا رسم، فعل ہو یا قول، فکر ہو یا نماز، تلاوت قرآن مجید ہو یا درود شریف، ادعیہ ہوں یا کیفیات یا کوئی دوسری چیز، جس سے کہ مطلوب کی یاد ہو، طالب و مطلوب میں ربط پیدا ہو یا اس سے ربط بڑھے، اس کو ذکر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

پس فرض ذکر سے مراد وہ یاد ہے جس سے ربط بڑھے یا پیدا ہو، پس اگر ذکر سے ذہول، غفلت یا نسیان ہو، تو وہ ذکر نہ کہلائے گا۔

اگر یاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ نہیں ہے اور توجہ کرنے کی

۳:... آرام و خاموشی، ذکر سے پہلے دو چار منٹ یا اس سے زیادہ خاموشی اختیار کرے، تاکہ دل متوجہ الی اللہ تعالیٰ ہو جائے، پھر زبان یا دل سے ذکر شروع کرے۔

۴:... بعض کے نزدیک یہ بھی شرطِ ذکر میں سے ہے کہ رابطہ قائم کرے کہ اللہ تعالیٰ سے فیض اور رحمت بواسطہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، میرے شیخ و مرشد کے قلب سے میرے قلب یا جسم پر وارد ہو رہی ہے، اس تصور کو رابطہ کہتے ہیں، یا یہ تصور کرے کہ مثلاً عرش سے انوار، رحمت، تجلی اور فیض میرے قلب یا روح پر آ رہا ہے۔ حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مشائخ کرام کو واسطہ ہیں، مگر خیر القرون سے ذکر عبادت میں یہ پہلا تصور ثابت نہیں، لہٰذا یہ دوسرا تصور کرنا چاہئے، اور بعض فرماتے ہیں کہ اس دوسرے تصور کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ ذکر مامور بہ ہے، اور تعمیلِ فرمان میں نورانیت، تجلی، قرب اور قبولیت بجاء خود ہے۔ یہ دوسرا تصور بھی خیر القرون سے ثابت نہیں ہے۔

وہ آداب جن کی ذکر کے وقت رعایت کرنی چاہئے، یہ ہیں:

اوّل:... پاک جگہ پر بیٹھے، بہتر یہ ہے کہ جیسے التحیات پڑھنے میں بیٹھتا ہے، ویسے بیٹھے، یا چہار زانو بیٹھے یا جس طرح آسانی ہو بیٹھے۔

دوم:... یہ کہ مجلسِ ذکر کو خوشبو سے معطر کرے، اس لئے کہ مجالسِ ذکر میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

سوم:... کپڑے حسبِ طاقت اچھے پہنے۔

چہارم:... اندھیرے مکان میں رُو بقبلہ ہو کر بیٹھے تو عمدہ ہے، اس میں خلوت بھی ہے، اور "تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا" پر بھی عمل ہو جائے گا۔

پنجم:... آنکھ کو بند کرے تاکہ دل کی آنکھ کھلے الا یہ کہ نماز ہو، کیونکہ اس میں آنکھ کو بند کرنا خلاف سنت ہے۔

ششم:... ذکر کے معنی کو دل میں جاگزیں کرے، معنی کا تصور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً: "سبحان اللہ" میں تنزیہ، "الحمد للہ" میں اللہ تعالیٰ کے کمالات احسانیہ و ذاتیہ اور "اللہ اکبر" میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تصور ہر بار پڑھتے وقت کرے، اور نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا تصور کرے، جس ذکر میں اس کا پتہ نہ چلے تو اپنے شیخ و مرشد سے پوچھے اور اس معنی کے استحضار میں صدق کا پورا پورا لحاظ رکھے، یعنی یہ دیکھے کہ "الحمد للہ" کے معنی میں اپنے کو شاکر پاتا ہے یا نہیں؟ "اللہ اکبر" میں اللہ کی عظمت کا تصور کرنے میں رب تعالیٰ کی ہیبت و جلال اس کے روح و جسم میں وارد ہوئے ہیں یا نہیں؟ پس اس ذکر کے مصداق ہیں، لہٰذا اپنے آپ کو صادق بنانے کی سعی کرے۔

ہفتم:... ذکر کو ہر آلائش سے پاک کرے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہی کرے، اور دوسری نیت، مثلاً: انوار حاصل ہوں، استغراق یا کوئی دوسرا دنیوی فائدہ، جیسے لوگ مجھے عارف اور ذاکر سمجھیں، وغیرہ نہ ہو، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت ہو، اس کے سوا سب نیتوں کو رفع اور دور کرے:

ذاکر را اخلاص می باید نخست
ذکر بے اخلاص کے باشد درست

ترجمہ... "ذاکر کے لئے پہلے اخلاص چاہئے، بغیر اخلاص ذکر کب درست ہوسکتا ہے؟"

اس کو فرائض ذکر میں شمار کرنا بہتر ہے، کیونکہ ذاکر کو صدق و اخلاص سے صدیقین کا درجہ نصیب ہوتا ہے، ان دونوں یعنی صدق اور اخلاص کے آداب کے سلسلے

یعنی مرید کے قلب میں جو کچھ آئے، اس کو اپنے شیخ سے پوچھے، اس لیے کہ ان کی تحصیل نہایت ضروری ہے۔ اتنی پر فرمایا گیا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ شیخ کو مرید کا باطن منکشف ہو، ہاں یہ ضروری ہے کہ ذکر کرے اور دل میں جو خیال آئے، اس کو مرشد سے پوچھے۔ کذا فی کتاب الرسائل والمکاتیب للشیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

ہشتم:... ذکر کرنے کی جو کیفیت مرشد ارشاد فرمائے، اسی طرح کرے، مثلا: اگر مرشد فرمائے کہ کلمہ "لا الہ الا اللہ" میں "لا" کو ناف سے کھینچ کر دماغ تک اور "الہ" کو داہنے کندھے پر لائے اور "الا اللہ" کی ضرب قلب یا نفس پر لگائے، تو ویسا ہی کرے، کیونکہ دوا کے استعمال کو طبیب ہی بہتر جانتا ہے۔

نہم:... یہ کہ ذاکر عبد ہے اور ذکر سے عبدیت کا حق ادا کر رہا ہے، بجز رضائے معبود کے کوئی غرض نہ رکھے، اور ذکر کے فائدے پر بھی نظر نہ کرے، ذکر کا فائدہ نظر آئے یا نہ آئے، ذکر کو نہ چھوڑے:

اگر بخشے زہے رحمت اگر نہ تو شکایت کیا

ریا اور دکھاوا آئے تو بھی ذکر کو نہ چھوڑے۔ اسی طرح اگر لذت نہ آئے تو بھی ترک نہ کرے۔

طالب لذت و فائدہ طالب خدا نیست

(لذت و فائدے کا طالب، خدا کا طالب نہیں ہے)

ہاں! ریا کو دفع کرتا رہے، مگر ذکر کو حذف نہ کرے، آخر ایک دن اخلاص بھی نصیب ہو جائے گا، اس لیے کہ ٹمٹماتا چراغ، بجھے چراغ سے بہرحال بہتر ہے، وغیرہ ذالک۔

ذکر کے بعد کے آداب:

جو آداب ذکر کے بعد کے ہیں، وہ چار ہیں:

۱:... جب ذکر ختم کرے تو تھوڑی سی دیر ذکر کی کیفیت اور توجہ الی اللہ کا مراقبہ قائم رکھے اور منتظر بیٹھے۔

۲:... کوئی ایسی چیز، مثلاً: آب وخور (چنا) وغیرہ جو دل کو ٹھنڈا کرے، نہ کھائے اور نہ پیئے، تاکہ گرمیٔ ذکر باقی رہے۔

۳:... جو کیفیت، مراقبہ، ذکر یا خواب میں نظر آئے، اس کو مرشد، سالک صحیح، یا دانش مند عالم کے علاوہ کسی پر ظاہر نہ کرے۔

۴:... ذکر ختم کرنے کے بعد ذکر کی کیفیت و حالت کی محافظت میں ہمت سے کام لے، ایسا نہ ہو کہ یہ گوہر ضائع ہو جائے۔

یہ سترہ آداب ذکر ہیں، ذاکر کو ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

ذکر بے تعظیم متقن بدعت است
واندران یک شرط دیگر حرمت است

ترجمہ:... ''بغیر ادب ذکر بدعت ہے، اس میں ایک دوسری شرط احترام ہے۔''

فائدہ:... بعض فقہاء ذکر قلبی کے منکر ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کتاب المکاتیب والرسائل میں فرماتے ہیں کہ: ذکر کو زبان میں حصر کرنا مکابرہ ہے، اس لئے کہ ذکر نسیان کی ضد ہے، اور نسیان قلب سے مخصوص ہے، لہٰذا ذکر بھی قلب سے ہوگا، ہاں! زبانی ذکر کے بھی آثار ہیں، جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں، مگر زبان سے ذکر کو خاص رکھنا اور قلب سے نفی کرنا نہ لغۃً درست ہے نہ شرعاً، اما یہ کہ

شریعت نے کسی جگہ ذکر زبانی کو بحوالہ شرط کے رکھا ہو، تو وہاں زبان سے ذکر کرنا ضروری ہے، جیسے نماز میں قراءت قرآن اور معاملات میں طلاق، عتاق وغیرہ، یعنی۔

اسی طرح ذکر کو "لا الٰہ الا اللہ" سے مخصوص کرنا اور دل سے "اللہ، اللہ" کرنے کو ذکر نہ کہنا، یہ بھی مکابرہ ہے، ذکر کا معنی یاد ہے، یادِ حق ہی ذکر اللہ ہے، اسی کی کثرت کا حکم ہے، اسی کو فرمایا:

"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ .... الآیۃ" (النور:۳۷)

ترجمہ... "ایسے جوان ہیں کہ ان کو تجارت (خرید و فروخت) اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے سے نہیں روک سکتی۔"

خرید و فروخت کے وقت ذکر زبانی کیسے ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ذکر قلبی ہوگا، اور وہ عام ہے "لا الٰہ الا اللہ" ہو یا "اللہ اللہ" کا، تدبر قرآن کا ہو یا تفکر فی صفات اللہ کا، فافہم!

فائدہ... یاد رکھنا چاہئے کہ مشائخ کرام کے اذکار کے بعض لوازم، کیفیات وہیئات (حبسِ دم) وغیرہ سنتِ نبویہ سے ثابت نہیں ہیں، جیسے ضربات وغیرہ اور مخصوص ہیئت کذائی وغیرہ، کذا قال الشیخ محدث دہلوی عبدالحق قدس سرہ فی الکتاب ملحوظ رہے۔

ہاں! ان کو بدعت کہنا بھی درست نہیں، اس لئے کہ یہ چیزیں حروف تہجی کی شناخت، اور عجمیوں کے لئے مدارس عربیہ کے موقوف علیہ علوم: صرف و نحو وغیرہ پڑھنے کی مانند ہیں، اور جس پر دین کا سمجھنا موقوف ہو، وہ بدعت نہیں ہوسکتا، اسی طرح ان اذکار و کیفیات پر اصلاح قلب اور تعلق مع اللہ موقوف ہے، گو ان کو سنت بھی نہیں کہا جاسکتا، مگر بدعت کہنا بھی غلط ہے، فافہم!

باقی حدیث میں جو یہ آیا ہے: "من احدث فی امرنا هذا فهو رد" (مشکوۃ ص ۲۷) یعنی جو شخص ہمارے کام (دین) میں کوئی نئی چیز نکالے وہ مردود ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ احداث فی الدین بدعت ہے، لیکن احداث للدین بدعت نہیں، چونکہ صرف ونحو وغیرہ احداث فی الدین نہیں ہیں، بلکہ احداث للدین ہیں، لہٰذا وہ بدعت نہیں ہیں۔

اسی طرح ذکر میں حبس نفس (حبس دم) جو چشتیہ، کبرویہ اور شطاریہ میں دفع خواطر کے لئے ضروری ہے اور نور وغیرہ کی تحصیل کے لئے سب سے بہتر چیز ہے، اور نقشبندیہ کے نزدیک اگرچہ شرط نہیں مگر اولیٰ ہے، یہ بھی سنت نبوی سے ثابت نہیں ہے مگر یہ بھی قاعدہ سابقہ کے تحت بدعت نہیں ہے، کذا قال الشیخ المحدث الدہلوی فی کتاب المکاتیب والرسائل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذکر اور فکر میں سے کون افضل ہے؟

جاننا چاہئے کہ ذکر اور فکر ہر دو بڑی نعمتیں ہیں، مگر ذکر کا درجہ بزرگ و بالاتر ہے، اس لئے کہ بندہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کھینچ لاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:
"فاذکرونی اذکرکم" (البقرۃ: ۱۵۲) (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا)۔

ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ذکر فکر سے افضل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ذکر سے موصوف فرمایا ہے، فکر سے نہیں، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"هذا ذکر مبارک انزلناه" (الانبیاء: ۵۰)

ترجمہ: "یہ ذکر مبارک یعنی قرآن کو ہم نے نازل فرمایا ہے۔"

تصور ہو، لیکن اگر یہ خیال نہ ہٹے تو پھر یہ تصور کرے کہ ذکر قلب سے ادا ہو رہا ہے۔

ذکر میں آسمان کی طرف تصور کا حکم... اگر شغل اور عزوت میں حق تعالیٰ کی نسبت سے آسمان کی جانب تصور متعلق ہو جائے تو اس کے دفع کرنے کا قصد نہ کریں، یہ تصور فطری ہے، دفع نہیں ہو سکتا، اور کوئی شئی اس سے خالی نہیں، لیکن قصداً ایسا نہ کریں۔

ذکر میں عدم لذت انفع ہے... ذکر میں لطف اور لذت کا حاصل ہونا ایک نعمت ہے، اور نہ ہونا دوسری نعمت ہے، جس کا نام مجاہدہ ہے، یہ پہلے سے نفع میں زیادہ ہے، گو لذت وارد نہ ہو۔

ذکر میں وضو کا حکم... باوضو ذکر کرنے سے برکت زیادہ ضرور ہوتی ہے، لیکن وضو رکھنا ضروری نہیں، اگر کسی کا وضو نہ ٹھہرتا ہو اور بار بار وضو کرنے سے تکلیف ہو تو تیمم کرلے مگر اس تیمم سے نماز اور قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں۔

اذان اور ذکر... اذان کے وقت ذکر سے چپ ہونا افضل ہے۔

ذکر میں جی گھبرانے کے متعلق... اگر ابتدائی کو ذکر سے جی گھبراتا ہے تو جی گھبرانے کی مشقت شیخ کے انتظار سے جی لگنے سے کم نہیں، جس طرح ہو سکے حتی الوسع ذکر پورا کرلیا جائے، شدہ شدہ سب دشواری مبدل بآسانی ہو جائے گی۔ وہ نفس اکثر وقت ذکر میں سست ہوتا ہے، اگر زیادہ ذکر کرنے سے کسی وقت طبیعت اکتا جائے تو چند منٹ یا گھنٹہ ذکر ترک کرے، تاکہ طبیعت کو از سر نو نشاط ہو جائے۔

نماز میں ذکر کا حکم... نماز میں تلاوت اور اذکار و ادعیہ نماز کے علاوہ نہ ذکر لسانی کرنا چاہئے، نہ قلبی، بلکہ توجہ الی الصلوٰۃ مطلوب ہے، اگر خود بخود ذکر قلبی جاری ہو جائے تو پھر حتی الوسع نماز کی طرف توجہ کرے، اور ذکر قلبی تو رسم کا نام نہیں، بلکہ ملکہ یادداشت کا نام ہے۔

ذکر اور نماز میں جی نہ لگنے کا علاج:... کسی وظیفہ میں یہ اثر نہیں کہ اس سے نماز میں جی لگنے لگے، محققین نے جی لگانے کے لئے یہ فرمایا ہے کہ کام میں ہمت سے لگا رہے، نہ جی لگنے کا قصد کرے اور نہ انتظار، حق کے ذکر میں مداومت کرے، اور مداومت اختیاری چیز ہے۔ بس اسی پر تمام برکات مرتب ہو جاتی ہیں، گو اس وقت نظر نہیں آتیں، مدت کے بعد نظر آجاتی ہیں۔ سلوک کا طے ہونا توجہ ہونے اور جی لگنے پر موقوف نہیں، سلوک اصلاح پر موقوف ہے اور مداومت ذکر اس کا ذریعہ ہے، وہ نماز کی قرأت اور اذکار کو قصداً پڑھے اور جو لفظ بھول کر پڑھ جائے اس کو دوبارہ پڑھے تو بھی خیالات کم ہو جاتے ہیں اور اگر الفاظ کے معنی کی طرف توجہ کرے، یہ سوچے اور فکر کرے کہ حق تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں یا میں ان کے سامنے کھڑا ہوں تو بھی غیر خیالات کم ہو جاتے ہیں، اسی طرح ذکر کے معانی سوچنے سے بھی خیالات کم ہو جاتے ہیں۔

ذکر میں صفات کی طرف توجہ کرنے کو اصطلاح میں مشاہدہ کہتے ہیں اور ذات کے تصور کو معائنہ کہتے ہیں، ذکر اور فکر دونوں ہیں، جو قرب کے سبب ہیں۔

فائدہ:... ذکر و نماز کو مطالعہ کتب سے قرب میں زیادہ دخل ہے، مطالعہ کتاب مقصود بالغیر ہے۔ اس لئے تکمیل کرنے کے لئے کتاب پڑھی اور دیکھی جاتی ہے۔ اور ذکر اور نماز عمل ہیں اور مقصود بالذات ہیں۔

درود شریف:

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کوئی احسان نہیں کرتے، بلکہ درود پڑھتے وقت اپنے ذمہ یہ نیت ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شکریہ کا ارادہ کرتے ہیں، تو یہ گویا اپنے احسان مند ہونے کا اظہار ہے اور نیز

کیا پر ثواب کا عمدہ طریقہ بتلایا ہے اور درود شریف ایسی مناجات ہے جو کبھی رد نہیں ہوتی اس کی مثال یہ ہے کہ ہم شہزادے کے لئے وہ سفارش کریں جس کو بادشاہ خود کرنے والا ہو تو اس کی سفارش کیسے رد ہو؟ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر مجلس میں ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے اور نام مبارک سننے پر ہر بار درود پڑھنا واجب نہیں ہوں! محبت کا تقاضا ہے کہ ہر بار "صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھا کرے

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

تتمہ رسالہ آداب الذکر:

ذکر سے دنیا و آخرت کا فائدہ اس پر انوار و تجلیات اور ذکر کے دوام سے فوائد کا مرتب ہونا اتباع حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر مشکل ہے، لہذا چند سنتوں کا بیان پیش خدمت ہے، قبول فرمائیں۔

۱۔ کھانے پینے سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنا، اور بعد میں: "الحمد للہ" پڑھنا سنت ہے۔

۲۔ سوتے وقت "اللھم باسمک اموت واحیی" (ترمذی ج۲ ص۱۸۰) اور جاگنے کے بعد: "الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور" (مشکوٰۃ ص ۲۰۸) پڑھنا سنت ہے۔

۳: گھر سے باہر جاتے وقت: "بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ" (مشکوۃ ص:۲۱۵) اور گھر میں آتے وقت "بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا" (مشکوۃ ص:۲۰۵) پڑھنا سنت ہے۔

۴... پاخانہ پیشاب کے وقت کپڑے کھولنے سے پہلے: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" (ترمذی ج:۱ ص:۳) پڑھے، اور فارغ ہو کر نکلنے کے بعد: "غُفْرَانَکَ" (ترمذی ج:۱ ص:۳) پڑھنا سنت ہے۔

۵: عورت سے جماع کے وقت کپڑے دور کرنے سے پہلے: "بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا" (مشکوۃ ص:۲۱۲) پڑھنا اور فارغ ہو کر اگر نیند کا ارادہ ہو تو استنجا اور وضو کر کے سونا سنت ہے۔

۶: شام ہونے کے وقت بچوں کو باہر نکلنے سے روکنا چاہئے کہ یہ شیطانوں کے پھیلنے کا وقت ہے، اور جب گھنٹہ گزر جائے تو پھر بچوں کو بے شک جانے دیں، اور دروازہ بند کرنے کے وقت، چراغ بجھاتے وقت، مشکیزہ کا منہ بند کرنے کے وقت اور برتن کو ڈھانپنے کے وقت "بِسْمِ اللّٰہِ" پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔
(کذا فی صحاح ستہ بخاری، مسلم وغیرہ)

”ریا اور دکھلاوا آئے تو بھی ذکر کو نہ چھوڑے، اسی طرح اگر لذت نہ آئے تو بھی ترک نہ کرے۔“

انکشاف الاحوال والاوہام
یعنی
احوال اوہام کا انکشاف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامدًا وَّمُصَلِّیًا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ

اَجْمَعِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ:

یاد رکھنا چاہئے کہ ذاکرین کو عام طور پر بعض چیزیں نمودار ہوتی ہیں جس سے وہ حیرت و قلق میں پڑ جاتے ہیں، ان کے جوابات کتب تصوف میں موجود ہیں مگر منتشر ہیں، لہٰذا اس سلسلے کی چند باتیں پیش خدمت ہیں، قبول فرمائیں۔

واضح ہو کہ ذکر کی کثرت اور خلوت سے اکثر ذاکرین کو کچھ واقعات انکشافیہ ذکر کرتے وقت یا مراقبہ میں یا خواب میں نمودار ہوا کرتے ہیں، اس لئے کہ ذکر سے نورانیت پیدا ہوتی ہے، جیسے ظاہری بصارت (آنکھ) روشنی میں دیکھا کرتی ہے، اسی طرح دل و روح کی بصارت بھی ذکر و فکر کی روشنی میں، قلب و قالب کی آنکھوں سے اشیائے خفیہ کبھی عیاناً، کبھی صورت مثالیہ میں، جاگتے ہوئے یا نیند میں دیکھا کرتی ہے، جیسا کہ ان کے متعلق خواجہ ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تِلْکَ خَیَالَاتٌ تُرَبّٰی بِھَا اَطْفَالُ الطَّرِیْقَۃِ"

ترجمہ... "یہ خیالات ہیں جس سے طریقت حاصل کرنے والے بچے پالے جاتے ہیں۔"

بعض واقعات انکشافیہ کی تشریح و فوائد

ان واقعات انکشافیہ کے بعض فوائد و ثمرات یہ ہیں:

ان واقعات انکشافیہ سے سالک و مرید کو ذوق و شوق بڑھتا ہے اور اپنے حال کی رسیدگی و پژمردگی اور زیادتی و نقصان معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ان واقعات انکشافیہ سے سالک و مرید اپنے حالات نفسانی، حیوانی، سبعی، شیطانی، نوری، ملکی، روحی اور روحانی پر اکثر واقف ہو جاتا ہے، مثلاً اکثر صفات ذمیمہ جن وہ جانور دکھائے جاتے ہیں، جن جانوروں پر وہ صفت غالب ہوتی ہے۔

چنانچہ جس سالک و مرید پر صفت حرص غالب ہوتی ہے، اس کو چوہا، چیونٹی دکھائی دیا کرتا ہے اور وہ اس کو دیکھ رہا ہے یا پکڑ رہا ہے یا وہ چوہا و چیونٹی اس کو چمٹ رہی ہیں۔

جس پر بخل غالب ہے، وہ خنزیر، دیوانہ کتا دیکھتا ہے۔

جس پر حقد (کینہ) و حسد غالب ہے، اس کو گرگ (بھیڑیا) اس طرح دکھائی دیتا ہے کہ یہ شخص اس سے بھاگ رہا ہے یا وہ اس پر غالب آ رہا ہے۔

جس پر بے غیرتی اور شہوت جماع غالب ہے، وہ خوک (خنزیر) و مرغا وغیرہ دیکھتا ہے۔

تکبر والے کو چیتا اور غضب والے کو ریچھ دکھایا جاتا ہے۔

بے حیا کو دراز گوش یعنی گدھا دکھایا جاتا ہے۔

جس پر صفت بہیمیت غالب ہو، وہ بکریاں وغیرہ، اور جس پر صفت سبعی (درندگی) غالب ہو، وہ درندے پھاڑنے والے دیکھتا ہے۔

جس پر حیلہ و مکر کرنا غالب ہو، اسے لومڑی و بیلہ وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔

جس پر شیطانیت غالب ہو، تو اسے جن و آسیب وغیرہ دکھائے جاتے ہیں۔
جس پر کئی امراض غالب ہوں تو وہ مختلف اشیاء دیکھتا ہے۔
پس ذکر کرنے کی برکت سے ان اشیاء کے دیکھنے سے سالک اپنی مذموم حالت کا کسی قدر معائنہ کرلیتا ہے، جس کے بعد اپنی مذموم حالت کو دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ چیزیں اکثری ہیں، کلی نہیں۔
فائدہ:... اگر ان چیزوں پر سالک غالب آگیا ہے تو اس پر مذموم صفت غالب نہیں، بلکہ صفتِ محمودہ غالب ہے۔ اور اگر وہ چیزیں سالک پہ غالب ہیں تو ایک یا کئی صفاتِ مذمومہ اس پر غالب ہیں۔
فائدہ:... کبھی سالک کو کچھ بھی نہیں دکھایا جاتا اور اصلاح بھی کی جاتی ہے، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

انکشافات کی تشریح:

اگر سالک دیکھے کہ ان جانوروں کی صورت کو تبدیل کر رہا ہوں، تو سمجھے کہ اپنے اخلاقِ ذمیمہ کی اصلاح کر رہا ہوں۔
اگر دیکھے کہ ان کے ساتھ جدال و تنازع کر رہا ہوں، تو سمجھے کہ اب تک اصلاح کی کثیر ضرورت ہے۔
اگر پانی صاف و رواں (جاری)، سبزہ خوش نما، جوہر نفیس، چاند، سورج، یا ستارے دیکھے، تو یہ چیزیں اس کے مقامات و صفاتِ حمیدہ ہیں۔
اگر انوار بے انتہا دیکھے یا اپنے آپ کو اُڑتا اور ہوا میں جاتا، آسمانوں پر چڑھتا یا کشفِ معانی وغیرہ دیکھے، تو اس کی ملکوتیت و صفائی رُوحانی کی علامت ہے۔
اگر بہشت، دوزخ یا ملائکہ دیکھے، تو اس کی صفاتِ حمیدہ و صفاتِ ملکی کی نمود داری ہے۔

اگر سالک کے مشاہدہ میں انوارِ غیب، صفاتِ الوہیت، الہامات، بشارات، مکالمات یا صفاتِ ربوبیت ہوں، تو مقامِ فنا و بقا ہے، اور وصول و تخلق باخلاق اللہ تعالیٰ ہیں۔ اللھم ارزقنا بفضلک آمین۔

انکشافات والوں کی علاماتِ صحت:

اس نعمت والے کی علامات یہ ہیں کہ سالک تمام مرغوبات و ملذوذات جسمانی سے برطرف ہو کر انوارِ غیبی میں مستغرق ہو جائے گا، اس کی عادات، عبادات بن جائیں گی، اور دنیا، دین ہو جائے گی، تمام کاموں میں للّٰہیت و اخلاص پیدا ہو جائے گا، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل، اس کی روحِ رواں ہو جائے گی، اس سے قصداً و ارادۃً ترکِ سنت محال ہوگا، پھر فرائض پر عمل کرنا کیسے ترک ہو؟ جب مستحبات و سنن کی تعمیل مثلِ واجبات کے ہو جائے گی؟ سالک دنیا و دنیاداری کی عادات سے متنفر ہو جائے گا، اولیاء کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے راشدینؓ سے محبت بڑھ جائے گی، ان کی عادات، افعال اور انتخابِ طیبات تک دل پذیر اور پسند ہو جائیں گے، شرک و کفر تو ایک طرف، بدعت سے اس قدر نفرت ہوگی جیسے پاخانہ پیشاب سے۔ اس پر اسرارِ قرآن و حدیث بقدرِ استعداد منکشف ہوں گے، قرآن و حدیث سے اس قدر دلبستگی و وابستگی ہو جائے گی کہ اپنی جان سے بھی اتنی نہ ہوگی، دوئی (غیر اللہ کا خیال)، خودی (اپنی ذات کا خیال) اور دعویٰ مٹ جائے گا، اگر دوئی، خودی اور دعویٰ میں سے کوئی چیز ذرہ بھر موجود ہے تو پھر:

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
خواجہ را حاصل بجز پندار نیست

شیطانی خیالات، شبہات اور تشکیکات اکثر اعتقادیات و اصول دین، مثلاً: توحید، رسالت، قیامت اور آداب الٰہیہ کے متعلق ہوتے ہیں۔

نفسانی معاملات اکثر جسمانیت، مثلاً: حب جاہ، کبر اور شہوت کے متعلق ہوا کرتے ہیں۔

کبھی عناصر اربعہ: آب، ہوا، آتش اور خاک کی لطافت کی روشنی آنکھوں کے سامنے جھلک مارتی ہے۔

کبھی حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ یعنی ذائقہ، لامسہ، شامہ، باصرہ، سامعہ، حس مشترک اور وہم و خیال وغیرہ کی لطافت کا عکس ہوتا ہے۔ ان میں اکثر شیطان و جن کی ملاوٹ ہوا کرتی ہے، جیسے دجال و کذاب سے عجائبات و خوارق اور استدراجات ہوتے ہیں، یہ سب بہیمیت کے آثار ہوتے ہیں۔

کبھی لطائف: قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ کا پرتو ہوتا ہے، اور کبھی مشکوٰۃ نبوت سے انوار محمدی منعکس ہوتے ہیں، اور کبھی یہ ملائکہ کرام کی موانست سے ہوتے ہیں۔

ان انوار میں فرق کرنا اور ان متشابہات کی تمیز بجز طبیب بصیر اور مرشد کامل کے مشکل ہے۔ لہٰذا مرشد حاذق، صاحب سنت کی اتباع ضروری ہے۔ ناری روشنی شرک، بدعات اور خلاف سنت میں ہوا کرتی ہے۔ انوار محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مجاہدہ، ریاضت اور مطابقت سنت میں ہوتے ہیں

بے مدد پیر نہ امکان تست

(پیر کی مدد کے بغیر تجھے امکان نہیں)

خلاصہ یہ کہ سالک کو ان چیزوں سے عبور کرنا ضروری ہے، صفات خاکی کہ جس میں نیلا یا دھنی یا ظلمانیت دیکھتا ہے۔ اور صفات آبی کہ جس میں سبزی یا [illegible] یا

دیکھتا ہے، اور صفاتِ ہوائی جس میں ہوا پر اڑنا وغیرہ دیکھتا ہے، اور صفاتِ آتشی کہ جس میں چراغ یا آتش وغیرہ دیکھتا ہے، اور صفاتِ حیوانی وحشی وغیرہ سے عبور کر کے عالم ملکوت تک پہنچے۔

کبھی کسی سالک کو ہر مقام پر صرف آتش نظر آتی ہے، پھر اس کو کبھی غضب، کبھی ہیبت، کبھی محبت اور کبھی معرفت زیادہ ہوتی ہے، ان چیزوں کو بھی شیخِ کامل سمجھ سکتا ہے۔

کبھی سالک کے مقامات طے ہو رہے ہوتے ہیں، لیکن اس کو کچھ بھی نظر نہیں آتا، اس کے لئے یہی مناسب ہے، اس کو بھی شیخِ کامل ہی سمجھ سکتا ہے، جیسے بیمار کو فائدہ نظر نہیں آتا، مگر طبیب سمجھ رہا ہوتا ہے کہ کس قدر حرارت کم ہوگئی ہے۔

حجاباتِ نورانیہ زیادہ مضر ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ: الٰہیات کے سوا باقی تمام مکاشفات قابلِ نفی ہیں، اگرچہ وہ انوارِ ملکوتیہ سے متعلق ہی ہوں، کیونکہ وہ بھی حجابات ہیں، بلکہ حجاباتِ نورانیہ (مثل: استغراق، سکر وغیرہ) حجاباتِ ظلمانیہ (مثل: حسد، کبر وغیرہ) سے زیادہ مضر ہیں، کیونکہ حجاباتِ ظلمانیہ کا محجوب اپنے آپ کو محجوب اور محتاجِ ترقی سمجھتا ہے اور حجاب کے زائل کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، بخلاف اس کے حجابِ نورانیہ کا محجوب اپنے آپ کو واصل بحق اور تنزہ الرام سمجھ کر اس مقام پر محصور ہو جاتا ہے، اور ان انوار کو تجلیاتِ حق سمجھ کر عمر بھر اس تلذذ میں مستغرق ہو کر قربِ حق سے محروم رہ جاتا ہے، چنانچہ بعض صوفیہ سالہا سال زردی کی تجلی کو ذاتِ حق سمجھ کر اس کی پرستش میں مبتلا رہے۔

(مذاقی دفترِ دوم، حصہ اوّل، مولوی محمد تقی صاحب شارحِ مثنوی ص: ۵۹)

حاصل تمام مطالب کا غیر اللہ کی نفی ہے۔

شبہ کا جواب:

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ پھر شیخ بھی غیر اللہ ہے، اس کی بھی نفی ہونی چاہئے؟ اور عالم ناسوت کی طرح اس کو بھی کیوں نہ ترک کیا جائے؟

جس کا جواب یہ ہے کہ گو بظاہر تعلق شیخ بصورت بت کے ہے مگر درحقیقت یہ بت شکن اور معلم توحید ہے، چنانچہ مثنوی میں ہے:

چوں خلیل آمد خیال یار من
صورتش بت معنی او بت شکن

مطلب یہ کہ بے شک مرشد کی ذات غیر اللہ ہے۔ اس لئے بظاہر اس کو بت کہہ سکتے ہیں، مگر اس کی طرف التجا والتفات اس لئے نہیں کی جاتی کہ وہی مقصود ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ ہمارے دل سے غیر اللہ کا نقش مٹادے اور وصول الی اللہ کے طریقے بتلائے، پس وہ بت شکن اور موصل الی اللہ ہوا۔

صوفیہ کی اصطلاح میں غیر اللہ وہ ہے جس سے خدا کے لئے تعلق نہ ہو، اور خیال یار یا تصور شیخ خدا تعالیٰ سے تعلق کے لئے ہے۔ پس وہ شیخ نہ غیر حق ہے، نہ عین حق، بلکہ موصل الی الحق ہے۔ صاحب مثنوی نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال دی، اس لئے کہ بظاہر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ستارہ، چاند اور سورج کو "ھذا ربی" کہا۔ جو کہ بظاہر شرک و بت پرستی کا عنوان ہے، مگر درحقیقت یہی الفاظ بتوں اور شرک کو تباہ کرنے والے ہیں، ان ہی الفاظ سے تو حضرت خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود ان مشرکین کی بت پرستی کا ابطال تھا۔ مرشد کے انعکاس تجلیات سے ہی روحانی نقائص کا احساس ہوتا ہے، اسی کو معرفت

نفس کہتے ہیں، جیسے فرمایا گیا "فمن عرف نفسہ فقد عرف ربہ" (یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) اور معرفت نفس، معرفت پروردگار کا ذریعہ ہے:

بداں خود را کہ از راہ معانی
خدا را دانی از خود را بدانی

ترجمہ:... "تحقیق کے راستے سے اپنے آپ کو جان،
اپنے آپ کو تو جانتا ہے، خدا کو نہیں جانتا۔"

از خود نہ شناساں مطلب دیدۂ حق بیں
حق راچہ شناسند زخود بے خبری چند

ترجمہ:... "خود ناشناس سے حق بیں آنکھ مت ڈھونڈھ،
خود سے بے خبر حق کو کیا پہچانے گا؟"

ان سب باتوں سے ضرورتِ شیخ نہایت واضح ہو گئی ہے۔

(کذا فی شرح مثنوی دفتر دوم ص:۸۸، مولانا محمد نذیر عرشی رحمۃ اللہ علیہ)

راہِ سلوک میں ابتدا و انتہا:

سوال:... راہِ سلوک وطریقت میں ابتدا و انتہا کیا چیز ہے؟

جواب:... ابتدائے سلوک طلب راہ و ارادت ہے، اور انتہا اس کی وصول و معرفتِ الٰہی تعالیٰ یا معرفتِ نفس ہے۔

ثانیاً: چونکہ ابتدائے سلوک توحیدِ افعالی ہے اور انتہا اس کی توحیدِ ذاتی ہے۔ توحید ذاتی ان صوفیہ کے عرف میں اعتقاداً اور اعتباراً اور شہوداً وخیالاً غیر کا مرتفع ہونا ہے، یعنی بجز حق تعالیٰ کے دوسرا کوئی خیال میں نہ رہے:

ہر چہ چشمم در نظر می آید توئی

یا توئے یا خوئے تو یا بوئے تو

ترجمہ: "میں جو کچھ دیکھتا ہوں، نظر آتا ہے تیرا غیر نہیں ہے، یا تو ہے، یا تیری خو، یا تیری بو ہے۔"

صوفیوں کے مقولہ "الفقر اذا تم هو الله" کا اشارہ اسی طرف ہے۔

"النهاية هي الرجوع الى البداية" کا مطلب؟

سوال دوم: ... حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "النهاية هي الرجوع الى البداية" کا کیا معنی ہے؟

جواب: ... نہایت بقا باللہ کو کہتے ہیں، اس وقت سالک تمام طور (مکمل طور پر) متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔ حدیث "بی یسمع وبی یبصر" (مکتوب ص ۱۳) اور آیت "وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى" (الانفال ۱۸) کا اسی طرف اشارہ ہے۔ فنا فی اللہ میں صفات سالک نیست ہوگئی تھیں اور بقا باللہ میں وہ صفات پھر واپس آگئیں، مگر صفات حق کے رنگ میں رنگی متخلق باخلاق اللہ ہونے کے، حق غضب و محبت کا مرجع پہلے مقتضیات نفسانیت تھا، اب محبت ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، اور غضب ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، گویا الحب للہ والبغض للہ کا مصداق بن گئے، پہلے دینا و روکنا ہوائے نفس پر تھا، اب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"من ... اعطى لله ومنع لله فقد استكمل الايمان" (مکتوب ص ۱۴)

ترجمہ: "جس نے دیا اللہ کے لئے اور روکا تو اللہ کے لئے، اس نے ایمان کو کامل کیا (گویا ایمان کامل کا

خود نہیں سمجھا) ۔"

یہ ہے رجوع الی البدایہ یعنی وہی صفات پھر واپس آ گئیں۔

ترقی کی نہایت ہے یا نہیں؟

سوال سوم:... ترقی کی نہایت ہے یا نہیں؟

جواب:... نہایت نہیں ہے:

اے برادر بے نہایت در گہے است

ہر چہ بروے می رسی بروے مایست

ترجمہ:... "اے بھائی! لا متناہی دربار ہے، تو جس درجہ پر پہنچے، اس پر مت ٹھہر"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "رب زدنی علما" کی تعلیم میں اسی طرف اشارہ ہے۔

فنا کامل آنی ہوگی یا زمانی:

فنا کامل یا آنی (ایک آن کے لئے) ہوگی یا زمانی، صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فنا کامل سے پہلے خواہ اس کو شہود وحدت در کثرت ہو یا شہود کثرت در وحدت ہو، ہر آن، ہر زمان میں ترقی ہے۔ "کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ" اور جب فنا کامل آ جائے اور مرتبہ ذات تک پہنچ جائے تو اس جگہ شاہد و مشہود و شہود کچھ بھی نہیں، اس لئے کہ شہود وغیرہ اثنیت یعنی دو ہونے کو چاہتے ہیں۔ جب دو نہیں، ایک ہی ایک ہے، تو ترقی کیسے ہو؟ "اَلْفَقْرُ اِذَا تَمَّ فَھُوَ اللّٰہ"

مگر عرض یہ ہے کہ فنائے کامل و شہود ذات کا وارد ہونا یا آنی ہوگا یا زمانی؟ اور پھر زمانی یہ دوامی ہوگا یا غیر دوامی؟

ترجمہ..."علم حق، علم صوفی میں گم ہو، اس بات کو مرد
شہود کے سوا کون یقین کرتا ہے؟"

بظاہر علم صوفی کا ہے، حقیقۃً علم صوفی میں علم حق مستتر ہے۔
اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ فنا نہ صوفی و طالب کو ہے نہ مطلوب کو، بلکہ
درمیان سے دوئی کا وہم مرتفع ہو چکا ہے، یعنی وحدت ہی وحدت رہ گئی ہے، اسی کو فنا
سے تعبیر کیا گیا ہے، حقیقت میں نہ فنا طالب کو ہے نہ مطلوب کو۔

سالک کو موت یعنی فنا فی اللہ کے بعد وصل ممکن ہے یا نہیں؟

سوال ہفتم... طالب کو موت یعنی فنا فی اللہ کے بعد وصل ممکن ہے یا نہیں؟
جواب:... وصل اثنیت کو مقتضی ہے، وصل کہتے ہیں ایک کو دوسرے سے
ملانا، اور فنا میں اثنیت نہیں، پھر وصل کیسے؟

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکے است ایں جا
چوں وصل در نگنجد ہجراں چہ کار دارد

ترجمہ..."معشوق، عشق اور عاشق تینوں یہاں ایک
ہیں، جب وصل نہیں ہے تو ہجر کا کیا کام ہے؟"

اور اگر موت سے جسد عنصری کا مرنا مراد ہے، تو وصل ممکن بلکہ واقع ہے،
جیسا کہ حدیث میں ہے:

"الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب"

ترجمہ..."موت ایک پل ہے، جو دوست کو دوست کی
طرف پہنچا دیتی ہے۔"

حضرت شیخ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آخرت میں بھی ترقی ہوگی،

واللہ تعالیٰ اعلم۔ اللّٰھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم!

ناظرین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر کوئی چیز درست نظر آئے تو

مؤلف ناکارہ کے لئے حسن خاتمہ کی دعا فرمادیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ واجعل نصیبنا

من الصلوٰۃ والسلام اکملھا وادومھا

"مجاہدہ اور ریاضت یہی ہے کہ مقتضیات شر کو چھوڑ کر اللہ کے فرمان پر عمل کرے اور گناہ نہ کرنے پر طبیعت کو مجبور کرے"

التبیین فی ھمزات الشیاطین

یعنی

شیطانی مغالطوں کا بیان

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر

الحمد للہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین
اصطفٰی خصوصاً علی سیدنا خیر الورٰی محمد
المصطفٰی وآلہ المجتبٰی واصحابہ المرتضٰی واتباعہ
الذین اھتدوا بخیر الھدٰی، اما بعد!

بندۂ ناکارہ نے جب اپنے آپ کو اور اپنے جیسے تارکِ سنت اور متبعِ ہوئی کو اپنے خیالات باطلہ رسومات آباء و اجداد اور رواجات عوام کو خدا بنائے اور ان کے پیچھے دیوانہ وار دوڑتے، حق و سچ کو مٹاتے اور باطل و فساد پر لڑتے مرتے دیکھا تو خیال آیا کہ اگر وساوس شیطانیہ و نفسانیہ میں سے مشتے نمونہ از خروارے لکھ کر بزرگ دار اولی الابصار کے پیش خدمت کیا جائے تو شاید دیکھنے والا بفضل خداوند عقل کی وجہ سے ہوشیار ہو کر تدبر و تفکر میں پڑ جائے یا اصلاح کار و نیک خصال بن جائے اور بندہ اس کی دعائے مستجاب سے اور اپنی تحریر کے خلاف کرنے میں شرمسار ہو کر خوف الٰہی سے بفضل غفور و ستار نیک حال ہو جائے۔ ذالک من فضل اللہ لیس ببعید وما ذالک علی اللہ بعزیز!

اس رسالہ میں چند فصول ہیں:

طرح کسی پیغمبر، فرشتہ یا کتاب کی اہانت کرنا، وغیرہ، یہ سب وساوسِ شیطانیہ ہیں۔

اور جس غلطی سے ایمان نہ جائے اور کفر و شرک لازم نہ آتا ہو، گو گناہ و نافرمانی ہوتی ہو، وہ موجبِ عذاب ہے، جیسے فتنہ و فساد، مال وغیرہ کی محبت شدیدہ، زنا اور چوری، وغیرہ کے معاملات میں جو خیالات آئیں وہ وساوسِ نفسانیہ ہیں۔

فصلِ دوم:

خواطرِ ملکی و حقی:

سوال:... خواطرِ ملکی و حقی میں کیا فرق ہے؟

جواب:... جو خیالات نیک و اچھے آئیں وہ دو قسم ہیں: ایک وہ ہیں جو اچھے کام کرنے سے متعلق ہوں جیسے: حج کرنا چاہئے، نماز پڑھنی چاہئے، قرآن مجید کا ترجمہ سمجھنا چاہئے، مروّت و احسان کرنا چاہئے، وغیر ذالک، یا بُرے کام جو نہ کرنے کے متعلق ہوں، مثلاً: زنا، چوری، غیبت، جھوٹ، شرک اور کفر سے بچنا چاہئے، تکبر، غفلت، غرور اور ضلال سے بچنا چاہئے، اور توکل، تسلیم، قناعت، شکر اور رضا بالقضا کو حاصل کرنا چاہئے۔ اگر اچھے و نیک خیالات و خواطر کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہو، یعنی نیک کام کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہو، کرے تو جزا پائے اور نہ کرے تو سزا کا مستحق ہے، اسی طرح بُرے کام کے کرنے اور اس سے بچنے کا اختیار ہے، کہ نہ کرے تو آفرین پائے، اور گناہ کرے تو سزا کا حقدار بنے، تو یہ خاطر و خیال الہامی و ملکی ہے، اگر نیک کام کرنے یا بُرے کام کے نہ کرنے پر ایسا مجبور ہوگیا ہو کہ دوسری جانب کا بظاہر اختیار نہیں رہا تو یہ خاطر حقی ہے، فافہم!

فصلِ سوم:

وجاہات و ملمع شدہ وساوس:

جاننا چاہیے کہ نفسانی و شیطانی دھوکا دہی ہر شخص کے حال، کام، مقام اور طرز طریق کے مناسب ہوا کرتی ہے۔ مولانا صاحب کو (شیطان) یہ کبھی نہیں کہے گا کہ داڑھی منڈوا ڈالو، پیر صاحب کو یہ وسوسہ نہیں ہوگا کہ تسبیح صد دانہ نہ ہلاؤ، دولت مند، حاکم اور بڑے آدمی کو یہ نہ کہے گا کہ اپنی وجاہت، سخاوت، مروّت اور رعایت سے دست بردار ہو جاؤ علیٰ ہذا القیاس۔

بلکہ مولوی صاحب کو یہ کہے گا کہ اگر تیری عزت نہ کی گئی تو دین کی ہتک ہو جائے گی، تیری ناقدری دین، اسلام اور قرآن مجید کی ناقدری ہے، اور تیری عزت وتعظیم اسلام کی عظمت ہے، اس پیچ (فریب) سے اس کو خواہشِ نفس، عزت وعظمت، خود ساختہ من مانی اور زمانے میں مروّج طرز طریق پیدا ہوگا، مثلاً: کپڑے اس قسم کے ہوں، اس کا جوتا پردہ اس طور کا ہو، پہننا اس طرز کا ہو، کھانا پینا مرغن و شیریں ہو، اسکی طشتریوں میں اور اسکی بناوٹ، آرائش اور نمائش سے ہونا چاہیے، مکانات و بیٹھک ایسے رنگ، ڈھنگ اور زیب و زینت سے ہوں، کلام و تبلیغ اسکی فصاحت و بلاغت سے، الفاظ انگریزی اور عربی اور اوپری زبان کی ملاوٹ سے ہونے چاہئیں تاکہ نئی روشنی کے لوگوں اور حکام و عیش پرستوں میں بھی مؤثر ہوں اور میری وجاہت قائم ہو۔ ان جیسی ملمع ساز باتوں، کاموں اور حالتوں سے تبلیغ میں اخلاص وللّٰہیت نہ رہے گی، کلام کی سادگی و اصلیت گم ہو جائے گی اور قرآن مجید، حدیث شریف اور ملفوظات بزرگان میں ضرور عجیب و غریب مثالیں، اشعار اور بے سند حکایات ملائی جائیں گی، تاکہ عوام خوش ہوں، پسند کریں، واہ! واہ! کا نعرہ لگائیں، سر دھنیں وجد و استغراق میں

دیکھنے سے بے چین ہوئے تو حضور اکرم سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (التوبہ:۴۰) (دوست) مت غم کھا! بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

علاوہ ازیں کشف تو اسلام کے ساتھ خاص نہیں، کفار کو بھی ہوتا ہے، چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت: "فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ" (الدخان:۱۰) کو دل میں چھپایا اور ابن صیاد کو فرمایا کہ میرے دل میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا: "ھُوَ الدُّخُّ"۔ (مشکوٰۃ ص:۴۷۸)

مزید براں کشف کے اسباب موجبات تصفیہ و تزکیہ ہوتے ہیں، اگر مجاہدات شرعیہ ہوں، معیارِ حق پر ہوں، تو انوارِ حقانی پیدا ہوتے ہیں۔ اس روشنی میں کشف مقبول اور اکثر صحیح ہوتا ہے، اگر معیارِ حق پر نہیں بلکہ بدعت پر ہے، یا مجاہدہ کرنے والا مشرک یا کافر ہے تو اس تصفیہ میں روشنی ناری ہوتی ہے، اس میں جو کشف ہوتا ہے وہ نامقبول ہے، وہ موجب قرب نہیں ہوتا بلکہ اکثر غلط و مشتبہ ہوتا ہے، کشف یا احتساب پر ناز غرورِ شیطانی ہے۔

فصلِ پنجم:

اجابتِ دعا مقبولیت کی علامت نہیں:

یاد رکھنا چاہیے کہ کسی کی دعا قبول ہو جانے سے اپنے آپ کو کامل سمجھنا بھی شیطانی و نفسانی دھوکا ہے، شیطان نے ملعون ہونے کے بعد درخواست کی: "فَانْظِرْنِيْ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ" (الحجر:۳۶) (کہ مجھے قیامت تک مہلت دیجئے) جو قبول ہوئی۔ ہاں! اگر سنت پر عامل ہو، شرک و بدعت سے بچتا ہو، اس کی دعا کا قبول ہونا اچھی علامت ہے، مگر ولایت کا معیار نہیں۔

اچھے خواب آنا نعمت ہے:

اچھے خواب کا آنا نعمت ہے مگر ولایت کا مدار نہیں، کبھی اس میں شیطانی دخل بھی ہوتا ہے، جیسے کسی کو خواب میں حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "لا تشرب الخمر" مگر جب اٹھا تو "اشرب الخمر" یاد تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے اس کی تعبیر میں فرمایا کہ: دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا تشرب الخمر" (شراب نہ پی) فرمایا، مگر درمیان میں شیطان نے "لا" کو مٹا دیا، باقی "اشرب الخمر" (یعنی شراب پی) رہا۔ (کذا فی کتاب الاعتصام للعلامہ الشاطبی)

اور کبھی کسی ادنیٰ چیز کو جو ظاہر میں خیر ہے، خواب میں دکھایا جاتا ہے اور بڑی خیر سے محروم کیا جاتا ہے، جیسے کہ تصوف و کمال کا مدار علم پر ہے، جس قدر علم کی تحصیل ہوگی اسی قدر وہ کمالِ معنوی و روحانی میں مجاہدہ و مراقبہ سے کمال کو پہنچتا ہے۔ اگر طالب علم کو خواب میں روحانی تکمیل کی ترغیب ہوئی اور علم چھوڑ کر مجاہدہ میں لگا تو بڑی خیر سے محروم رہا، اور روحانی کمال کا حاصل ہونا قسمت میں ہوگا تو حاصل ہوگا، ورنہ دونوں سے محروم رہے گا۔

اور کبھی خواب خراب میں تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے فرمایا:

"اذا اراد اللہ بعبد خیرا عاتبہ اللہ فی المنام"

(کنز العمال ج ۱۱ ص ... بحوالہ دیلمی فی مسند الفردوس)

ترجمہ..... "جب کسی بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو خواب میں (خوب خراب وغیرہ سے) عتاب فرماتا ہے۔"

(ھکذا فی کتاب التشرف للعلامۃ التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر پائیں۔“

یہی چیز قرآن و حدیث میں ہے۔ تحریر آیات و احادیث و ترجمہ ایشاں طوالت چاہتے ہیں، اس لئے مختصراً اس شعر کو لکھ دیا، مگر آج کل کے اکثر صوفیہ نے سعادت دارین کا مدار ملفوظات وغیرہ میں سمجھ لیا ہے۔ یا حسرتا!

ملفوظات و مثنوی وغیرہ کے متعلق مختصر و معتمد نقل شرح دیوان فرید سے پیش کرتا ہوں، سن لیں، شارح دیوان فرید مقابیس المجالس جلد چہارم قلمی صفحہ ۳۲ سے حضرت خواجہ غلام فرید صاحب سے نقل کرتا ہے۔

”اکثر کتب ملفوظات غیر صحیح اند و بلا تحقیق نوشتہ اند

بس سند آنہا نزد من قابل اعتبار و اعتقاد نیست۔“ (ص ۲۵)

ترجمہ: ”پس ان کی سند میرے نزدیک قابل اعتبار اور لائق اعتماد نہیں ہے۔“

آگے صفحہ ۳۳ میں فرمایا:

”ایک بار کتاب ”منطق الطیر“ ملاحظہ فرما رہے تھے، مخدوم غریب شاہ صاحب نے ایک جگہ کے متعلق فرمایا کہ یہ اشعار ملحقاتِ روافض میں سے ہیں، جس طرح انہوں نے مثنوی رومی میں بعض برے اشعار ملحق کر دیئے ہیں، اسی طرح منطق الطیر میں بھی انہوں نے چالاکی کی ہے، حضور (یعنی خواجہ غلام فرید صاحب) کی طبیعت میں تحقیق کی خلش پیدا ہوگئی، اور جب تک ڈیڑھ سو سال کا ایک پرانا قلمی نسخہ ہاتھ نہ آیا، اس وقت تک وہ خلش ختم نہ ہوئی، اس قلمی نسخے میں وہ اشعار موجود نہ تھے، حضور نے فرمایا: الحمد للہ! کہ یہ بات محقق ہوگئی، یہ بات

صرف روافض زمانہ ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے بزرگان کا بھی
یہی رویہ تھا، چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے ایک کتاب لکھی
ہے جس میں اکابر اولیاء مثلاً غوث بہاء الحق شیخ رکن الدین،
ابوالفتح ملتانی، سید جلال الدین اوچی اور دوسرے مشائخ چشتیہ،
قادریہ رحمہم اللہ تعالی کے ابیات وعبارات تشیع کے حق میں پیش
کئے ہیں، حالانکہ نہیں کسی جگہ بھی ان حضرات کرام رحمہم اللہ
سے نہ وہ عبارات ثابت ہیں اور نہ اشعار، مقصود صرف تلبیس،
التباس اور دجل ہے، بلفظہ۔"

اب فرمائیں کہ متصوف لوگ قرآن و حدیث کی تحریف کرتے، بلکہ ملفوظات
وغیرہ کا حال یہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دجل شیطانی میں آکر اصلیت کو بیٹھے ہیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے، نہ ادھر کے رہے

فصل ہشتم:

توحید وجودی اور اس میں مغالطہ:

اس میں بھی اسی کتاب شرح فریدی کی نقل پیش کرتا ہوں، تو ہر تحقیقی کتاب
میں ایسا ہی ہے، چنانچہ اس کے صفحہ ۵۷ میں فوائد فریدیہ صفحہ ۳۶ وصفحہ ۳۷ سے
شارح مذکور نقل کرتے ہیں:

"نبی باید کہ اطلاق اسماء مراتب عبودیت بر مرتبہ
الوہیت کردہ شود نہ اطلاق اسمائے مرتبہ الوہیت بر مراتب
عبودیت، از کفر والحاد و زندقہ نعوذ باللہ منہا۔ انتہی۔

کرتے ہیں، ان میں سے اکثر چیزیں شرک اور بدعت ہیں، وجہ یہ کہ بعض مباح بھی ہوتی ہیں مگر افسوس کہ شیطانی دھوکے اور اغوا سے سب گڈمڈ ہو چکا ہے۔ الا ماشاء اللہ!

فائدہ:... زیارت قبور مستحب ہے، ان کے لئے فاتحہ پڑھنا، نیز ان کی روح کو بخشنا جائز ہے، جو چیز بھی بخشے درست ہے، اور اسی طرح یہ کہنا بھی درست ہے کہ اے اللہ! میں تجھے رسولوں، کتابوں اور بزرگوں کا واسطہ دیتا ہوں، ان کے وسیلے سے میری حاجت روائی کر دے، یا مشکل کشائی کر دے۔

فصل دہم:

"غفور رحیم" کے الفاظ سے شیطان کی فریب کاری:

اکثر لوگ بے تحاشہ قانون شکنی کیا کرتے ہیں اور بے محابا فسق و فجور، ظلم و عصیان وغیرہ کی واردات کرتے ہیں، نصیحت و ملامت پر کہہ دیتے ہیں: "اللہ غفور رحیم ہے۔" بھائی! بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، مگر کس نے فرمایا کہ مغفرت نہ فرمائیں گے اور قصور نہ بخشیں گے؟ مغفرت کی امید رکھنا درست ہے، مگر مغفرت کی آڑ میں نافرمانی کرنا، قانون توڑنا، حق کے مقابلہ پر حیلہ مغفرت پیش کرنا، غلطی سے باز نہ آنا بلکہ اس پر اصرار کرنا اور نصیحت سے دو دو ہاتھ کرنے کا نام مغفرت کی امید ہے؟ اللہ اکبر!

تمنا اور امید یعنی رجا میں فرق یہ ہے کہ: بے فکر ہو، اطاعت و اعمال ترک کر دے اور پھر بھی معافی یا انعام کی امید یا آرزو رکھے۔ "الاحمق من اتبع ھواہ وتمنی علی اللہ" احمق و نادان وہ ہے جو اپنے خیالات (فاسدہ) کا تابع ہو اور اللہ پر امید رکھے۔ حالانکہ امید یعنی رجا یہ ہے کہ نیک کام کرے اور امید بھی رکھے کہ اس میں جو غلطی ہوئی ہوگی، معاف فرمائیں گے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"ان الذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل

ہو، بسمل (نیم کشتہ) کی طرح تڑپنے لگے، بے خودی ہو جائے، دُنیا کے کاروبار معطل ہو جائیں، خود بخود چھوٹ جائے، شہرت و ناموری ہو، دُنیا میں واہ واہ ہو، عزّت ہو، وجاہت ہو، لوگوں کے دلوں پر ہیبت ہو، آمدنی اور مال کا اچھا ذریعہ ہو، کرامت چلے، مرنے کے بعد میری قبر زیارت گاہ ہو یا خوب حصول و وصول وغیرہ ہو، تو یہ سب چیزیں آخرت میں بے کار، لا حاصل اور نا حق ہوں گی۔ اور یقیناً ہوں گی، گو کسی قدر دُنیا میں ان چیزوں میں سے کچھ حاصل ہو جائے، تب بھی قابلِ اعتبار و اعتقاد نہیں ہے، فافہم!

پس اگر کسی نے وظیفہ یا مجاہدہ اس لئے کیا کہ مقدمہ میں فتح ہو، دُشمن زیر ہوں، مال و دولت بڑھے، لوگوں میں عظمت ہو، اللہ تعالیٰ نرینہ اولاد دے، وغیرہ وغیرہ، اور وہ مراد مل بھی گئی، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اور آخرت میں یہ مجاہدے اور وظیفے کارآمد نہیں ہوں گے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ، وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ." (الشوریٰ:۲۰)

ترجمہ:... "جو شخص آخرت کی کاشت کا ارادہ کرتا ہے، اس کی کاشت ہم بڑھا دیتے ہیں، اور جو شخص دُنیا کی کاشت کا ارادہ کرتا ہے، کچھ دے دیتے ہیں اور آخرت میں بے نصیب ہوگا۔"

فائدہ:... میری یہ معروضات قبول فرمائیں ان شاء اللہ فائدہ ہوگا، لہٰذا جو چیز پڑھیں یا جو کام کریں سب میں خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد و ارادہ کریں، یا یہ نیت کریں کہ آخرت میں کام آئے... یہ دونوں چیزیں درحقیقت آپس میں لازم و ملزوم ہیں... قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ. اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ" (ص:۴۵،۴۶)

ترجمہ... "اور یاد کر ہمارے بندوں ابراہیمؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ ہاتھوں اور آنکھوں والوں کو، ہم نے امتیاز دیا ان کو ایک چنی ہوئی بات کا وہ یاد اس گھر کی۔"

پس جو متصوف کہتے ہیں کہ آخرت و بہشت کی نیت غلط ہے، اور کہتے ہیں کہ طالب دُنیا مخنث، و طالب عقبیٰ مؤنث و طالب المولیٰ مذکر، اس آیت کی رُو سے ان کا نظریہ غلط ہوا، اگر نیت دُرست کرلی جائے تو جس مطلب کے لئے وظیفہ پوچھا جاتا ہے وہ بھی حاصل ہوجائے گا اور آخرت کی بہتری بھی ملے گی، اس لئے کہ آخرت کے لئے تو جڑ ما تھا، جب درخت تناسمیت مل گیا، تو شاخیں اور پھل پھول وغیرہ بھی سب آگیا، جب اللہ تعالیٰ کی رضا آئے گی تو دُنیا بھی آئے گی اور دین بھی آئے گا، سبحان اللہ! دُنیا و آخرت بھی سدھری، اللہ کی رضا بھی آئی (مؤمن کو تو یہی چاہئے)۔

فائدہ... اگر اللہ تعالیٰ کے لئے ذکر، فکر، مجاہدہ کیا اور کشف قبور، کشف قلوب اور انوار وغیرہ چیزیں وارد ہوجائیں تو وہ رحمت ہیں، نعمت ہیں، فضل ہے، احسان ہے، لیکن مقصد اصلی رضائے الٰہی ہو اور بہتریٔ آخرت ہو، پھر ان کا مرتب ہونا اللہ کریم کا احسان ہے، لیکن اگر ان چیزوں کے حصول کے لئے مجاہدہ کیا، تب اگر یہ چیزیں آبھی گئیں تو بھی رضا، قرب اور بہتریٔ آخرت کا موجب نہیں، فافہم وتدبر! ہاں یہ کہ اس نیت کے بعد ثانیاً رضائے الٰہی، اصلاح اور آخرت کی نیت کرلی جائے تو دُوسری بات ہے۔

فصلِ دوازدہم:

سماع سرود میں شیطانِ لعین کی دھوکا دہی:

عام مشہور ہے کہ مزامیر، سرود اور گانا بجانا سننے والے اکثر متصوفین کا خیال ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھتی ہے، اسی لئے ہم مزامیر سنتے ہیں۔

سلسلۂ چشت اہلِ بہشت کے محققین تو خلافِ سنت سمجھ کر اس سے کنارہ کش ہیں، جبکہ اکثر اہلِ چشت وغیرہ کا اسے جائز سمجھنا بھی شرائط سے مشروط ہے، مثلاً:

۱۔۔۔ گانے والا بے ریش اور عورت نہ ہو۔

۲۔۔۔ مزامیر، دف، جل وغیرہ نہ ہوں۔

۳۔۔۔ سننے والے اہلِ ذوق اور سنانے والے بھی ایسے ہی صاحبِ ذوق و صاحبِ حال ہوں۔

۴۔۔۔ خلوت میں ہو، جلوت میں نہ ہو۔

۵۔۔۔ خاص لوگوں کی مجلس ہو، عام لوگ اس میں شریک نہ ہوں۔

۶۔۔۔ کلام موزوں ہو، خط و خال معشوقین کا اس میں بیان نہ ہو، یعنی اشعار بھی، مجلس بھی، اور سننے سنانے والے بھی سب کے سب مخالفِ شریعت نہ ہوں، تب جائز ہے، وہ بھی ہر کسی کے لئے نہیں بلکہ خواص کے لئے ہے۔

محدثینِ کرام، علمائے عظام اور اربابِ سلاسلِ نقشبندیہ و قادریہ وغیرہ تو خلافِ سنت سمجھ کر اس کی اجازت نہیں دیتے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ کرام رحمہم اللہ اور اسلافِ متقدمین نے اس کا چرچا نہیں کیا، اس کو رب تعالیٰ تک پہنچنے کا طریق نہیں بتایا، اس کی تبلیغ نہیں کی، ترغیب نہیں

بھی صحت نماز ہے یا نہیں؟ جیسی کیسی نماز ہو، قرآن مجید کو پڑھنا بھی، جس طور ہو درست ہے، موجب فلاح ہے، عذاب قبر اور دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہے، ایسا ہرگز نہیں! یہ شیطانی دھوکا ہے۔ کتب فقہ میں زلۃ القاری (قاری کی اغلاط) کا مطالعہ کریں، اس پر عمل کریں، امام صاحب پر واجب ہے کہ لوگوں کی نماز فاسد اور باطل نہ کریں، حدیث: "اَلْاِمامُ ضَامِنٌ" کا خیال کریں، لوگوں پر واجب ہے کہ ایسے کو امام و معلم وغیرہ نہ بنائیں، اگر ایسے معلم غلط خواں کو صحیح سمجھیں گے، تو شیطانی دھوکا ہے۔

فصل چہاردہم:

قرآن مجید اور حدیث کے سوا دوسرے علم کو ذریعہ نجات سمجھنا:

ہم جیسے مسکین بالعالم کا کیا پوچھنا؟ صرف، نحو، اصول، منطق، معقول اور مناظرہ وغیرہ میں اپنے آپ کو فائق جاننا، اس پر مغرور ہونا، پھر اس کو موجب نجات جاننا، یہ بھی وسوسۂ نفسانی ہے، ان چیزوں میں ماہر ہونا ضرور نہیں، اس پر اترانا اور اس کو موجب قرب و نجات سمجھنا غلط ہے۔

اسی طور قرآن مجید و حدیث شریف میں ماہر و فائق ہونے پر اکڑنا برا ہے، قرآن مجید و حدیث شریف میں مہارت اعلیٰ کمال ہے، مگر مقصد عمل ہے، اور عمل میں بھی اخلاص کا نصیب ہونا اصل ہے، اور "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ" کا مصداق ہے۔

طلبائے کرام کا دوسرے علوم میں مہارت حاصل کرنا اور تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول سے بے اعتنائی برتنا شیطانی دھوکا ہے، تعلیم کا مقصد اعلیٰ و سنی ان نعمتوں میں فائق بننا، اس پر عمل کرنا، تبلیغ کرنا اور اخلاص حاصل کرنا ہے۔

اسی طرح حفاظ کا یہ مقصد کہ قرآن یاد کرنا، مصلی سنانا، شبینے میں جیت لینا اور

پیسے وصول کرنا، یہ بھی فریب شیطانی ہے، اصل مقصد قرآن کریم کا معنی جاننا، عمل کرنا اور اخلاص حاصل کرنا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کو تعویذوں میں اس طور لانا کہ حساب ابجد سے سورتوں کے اعداد نکال کر مخمس، مسدس، مثلث وغیرہ لکھنا، دینا، اس کی کوئی نقل خیر القرون و ائمہ کرام سے مروی نہیں ہے۔ ہاں! بعض نے مباح کہا ہے، مگر اس مباح کو اس طور عام تام کرنا کہ اس کو سنت سمجھنے لگیں اور قرآن پڑھنے سے زیادہ اسی پر اعتبار و اعتقاد کریں، بڑی بات ہے۔ ہاں! آیت یا حدیث کو شفا وغیرہ کے لئے لکھ کر دینا درست ہے۔

اسی طرح اس کو کمال سمجھنا یا اس سے لوگوں کو دنیا کمال دکھانا بڑی بات ہے، اور اسی کی ایک شاخ سحر و جادو بھی ہے اور اس کا اکثر کفر ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی آیات یا کلمات میں موکلات کو ملا کر پڑھنا "قل هو الله احد یا جبریل الله الصمد یا میکائیل لم یلد یا اسرافیل ..... الخ" یا قرآن کریم کی کسی سورۃ کے اوّل و آخر کچھ اسمائے غیر اللہ کا ملانا یا سورۂ یٰسین کو مبین مبین تک پہنچ کر پھر اوّل سے اعادہ کرنا اور اس کو ثواب سمجھنا غلط بات ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں، ہاں بطور تجربہ کسی بزرگ سے کسی خاص عمل کے لئے اس طرح ثابت ہو اور سنت سمجھ کر نہ کیا جائے تو جائز ہے، ویسے یاد کرنے کے لئے جس آیت کو یا سورۃ کو ابتدا یا انتہا سے جس قدر اعادہ کرے کوئی منع نہیں، قرآن قانون اور آسمان و زمین کے مالک کا حکم ہے، اس کو جس قدر پڑھے، معنی سمجھے، عمل کرے، رحمت در رحمت ہے، مگر دوسرے قصد و ارادہ اور نیت سے پڑھنا اور اس کو توشۂ آخرت سمجھنا سنی بات ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کو ثواب کے لئے پڑھنا، پھر اس پڑھنے پر پیسے لینا ناجائز ہے، لینے دینے والے دونوں گنہگار ہیں۔ ہاں! شفا کے لئے پڑھے اور اس پر

کچھ پیسے وغیرہ لے لے تو درست ہے، جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بچھو کے کاٹے پر سورۂ فاتحہ پڑھی، شفا ہوئی، کچھ مال لیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۶)

اسی طرح درود شریف، آیت کریمہ "لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین" (انبیاء ۸۷) وغیرہ ثواب کے لئے پڑھ کر اس پر کچھ لینا دینا درست نہیں، ہاں! شفا کے لئے پڑھیں، پڑھوائیں، لکھوائیں، دم کروائیں، تو یہ درست ہے۔

فصل یازدہم:

چندہ وصول کرنے میں اور زکوٰۃ کے مال میں مغالطہ:

بے شک آج کل اغنیاء دولت مندوں کے خیالات دوسری طرف مائل ہو چکے ہیں، زکوٰۃ بھی مجبور ہو کر ملامت کے ڈر سے کچھ نکالتے ہیں، اور وہ بھی کسی تعریف یا نام وشہرت پر کسی کو دے دیتے ہیں۔ بجز زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی وغیرہ کے کوئی چیز مدارس عربیہ میں نہیں دیتے اور یہ چیزیں دے کر مصرف پر خرچ کرنے کی ذمہ داری مہتمم مدرسہ کے ذمہ لگا دیتے ہیں، لہٰذا ارکان مدرسہ ومہتمم پر واجب ہے کہ ان کی احتیاط کریں اور مصرف پر خرچ کریں، زکوٰۃ کا جو حیلہ کریں صحیح ہو، تاکہ مدرسین کی تنخواہ میں دے سکیں، ورنہ قیامت میں حساب میں آئیں گے۔ بے احتیاطی کرنے والے غرور شیطانی میں ہیں۔

جب چندہ اکٹھا کریں، تو اس کا خیال رکھیں کہ اگر دینے والا شرمساری یا مجبوری سے دے تو اس کا مال لینا ناجائز ہے، معیار شریعت پر رہنا چاہئے، ورنہ حساب سخت ہے۔

اسی طرح اپنے مال کو بین کرنے سے پہلے بیوی کی ملک کرنا، بیوی کا سال گزرنے سے پہلے میاں کی ملک کرنا، کرتے سال بھر ان کی ملک میں رہے گا

فصلِ شانزدہم:

اموالِ یتامیٰ میں شیطانی دھوکا:

مال یتامیٰ کو کسی حیلہ سے کھانا اور ردی چیز کو اس کی اچھی چیز کی جگہ رکھ کر اپنے آپ کو بے باق (بری الذمہ) سمجھنا، یتیم کی اتنی جائیداد بھی کہ اگر بچتے سے رکھی جاتی اور یتیم کو خوراک وغیرہ ضرورت کی مقدار اور حسب حیثیت دیا جاتا، تو یتیم کی جائیداد میں سے ہزاروں بچے رہتے، مگر اس کا دس بھی اپنے مال میں ملا کر ہضم کر لینا اور خدمت کے معاوضے میں اس کو وضع کرنا، یہ بھی شیطانی دھوکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تمہیں ہر غلطی سے بچائے، ہزاروں میں سے کوئی ایک ہوگا جو اغوائے شیطانی سے بچ جائے، ورنہ ہر چیز میں، ہر کسب میں، ہر ملازمت میں اور ہر معاملہ میں اغوائے شیطانی ہے، عاقل کے لئے اشارہ کافی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین وسلم تسلیماً

”دعا قبول ہو جانے سے اپنے آپ کو کامل سمجھنا بھی شیطانی و نفسانی دھوکا ہے... ہاں اگر سنت پر عامل ہو، شرک و بدعت سے بچتا ہو، اس کی دعا کا قبول ہونا اچھی علامت ہے مگر ولایت کا معیار نہیں۔“

مکائدِ شیطان

یعنی

شیطانی مکروفریب

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَنَا اُمَّةً وَّسَطًا خَيْرَ اُمَمٍ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَفْضَلِ مَنْ اُوْتِيَ النُّبُوَّةَ وَالْحِكَمِ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهِ الْمُقْتَدِيْنَ بِهٖ فِي الْقَصْدِ

وَالشِّيَمِ مَا دَامَتِ الْاَضْوَاءُ وَالظُّلَمُ، اَمَّا بَعْدُ!

نیاز مندانہ عرض پیش خدمت ہے کہ خدا ترس انسانوں پر پوشیدہ نہیں کہ توفیق الٰہی ہمیشہ ہدایت و سمجھ کے متلاشیوں کی دستگیری کرتی رہتی ہے، اور ان کی ہدایت کے لئے ایک نہ ایک ایسا سبب مہیا کرتی رہتی ہے، جو ان کے لئے مشعل راہ کا کام دے، اور ورطات ضلالت یعنی گمراہی کے گڑھوں، سے انہیں بچائے، اور ان پر ناقدانہ نظر ڈال کر کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھائے، اور کمزوری و بے اعتدالی اور غلط فہمی کی نشاندہی کرے، اور دکھلائے کہ شیطان نے کس کس طرح ان کے عقائد، اعمال اور اخلاق میں رخنہ اندازی کی ہے، اور ہر گروہ خواہ عباد ہوں یا زہاد، محدثین ہوں یا فقہاء، علماء ہوں یا ادباء، شعراء ہوں یا سلاطین و حکام، غرباء ہوں یا امراء، عوام ہوں یا خواص، ہر ایک میں ان کے حال کے مطابق غلط رسوم و عادات کے ایسے مغالطے اور ایسی بے اعتدالیاں ڈال دی ہیں کہ پتا بھی نہیں چلتا کہ یہ گمراہی و ضلالت ہے:

"يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ" ـ لہٰذا اس رسالے میں مختصر اور بطور نمونہ موجود اکثر فرقوں

کی اشاعت توہمات اور بدعات کو کتب معرفیہ کرام مثلاً "[1] تلبیس ابلیس" حضرت حافظ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اور "الطریقۃ المحمدیہ" وغیرہ سے نقل کر کے پیش خدمت کیا جاتا ہے۔ شاید کوئی مقبول بارگاہ الٰہی اس کو دیکھ کر میرے حسن خاتمہ کے لئے دعا کر دے۔

اللھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم:

اس رسالے میں ایک تمہید اور چند جواب ہیں سب سے پہلے تمہید ملاحظہ ہو:

تمہید:

واضح ہو کہ انسان کے پاس تمام نعمتوں سے بڑھ کر بڑی نعمت یا یوں کہیے کہ انسان پر اللہ کے انعامات میں سے سب سے بڑا انعام عقل سلیم کا ملنا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور رسولوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن جب عبد و معبود کے مابین یعنی آپس کے تعلق کے معاملات کو عقل پورا نہ کر سکی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بھیجے گئے اور کتابیں نازل کی گئیں، چونکہ عقل کی مثال آنکھ کی سی ہے اور شرع کی مثال آفتاب و روشنی کی سی۔ لہٰذا آنکھ جب تک آفتاب اور اس کی روشنی کو دیکھ نہ سکے گی، جب وہ خود درست کام دیتی نہیں۔

جاننا چاہیئے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں:

۱... ایک عقل جسمانی جو حواس ظاہری و باطنی کے مجموعہ کا نام ہے، اور اسی عقل سے ہر انسان دنیا کی زندگی کا سامان بناتا ہے، اور جس قدر بدن قوی ہوتا جائے، یہ عقل بھی تیز ہوتی جاتی ہے، اور بدن کی موت کے ساتھ یہ بھی مر جاتی ہے، یہ عقل ہر مسلم و کافر انسان کو دی جاتی ہے، اور حیوانات میں چونکہ یہ سب حواس کامل نہیں ہوتے، اس لئے ان کی عقل بھی انسان کی عقل کے برابر نہیں ہوتی۔

۲...دوم عقل روحانی: جب انسان اللہ تعالیٰ پر یقین اور اس پر اعتماد کرتا ہے اور پھر ہر حکم الٰہی کی سنت کے مطابق تعمیل کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت کو بڑھاتا ہے، جیسے کہ ارشاد الٰہی ہے:

"وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى." (محمد:۱۷)

ترجمہ:... "جو لوگ ہدایت یعنی سیدھی راہ پر آتے ہیں، اُن کی ہدایت کو بڑھادیتا ہے۔"

یہاں تک کہ حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھتا اور سمجھتا ہے، تاآنکہ حق سے ہٹ نہیں سکتا اور باطل پر آنہیں سکتا، اسی کو محققین فنا فی اللہ کہتے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں اس کا نام ربط القلوب ہے، جیسے کہ قرآن کریم میں ہے:

"اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى. وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ." (الکہف:۱۳)

ترجمہ:... "بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے اضافہ کردیا ان کی ہدایت میں، اور مضبوط کردیا ہم نے ان کے دلوں کو۔"

پس وہ جس قدر مرضیاتِ الٰہی میں بڑھتا جاتا ہے اس کی عقلِ روحانی بھی بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ حق تعالیٰ جل شانہ اس کی ہر لغزش پر دستگیری فرماتے ہیں اور اُسے بچالیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

"كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ."

(یوسف:۲۴)

ترجمہ:... "اسی طور ہم پھیرتے رہے اس سے بُرائی اور بے حیائی کو۔"

اس کے برعکس جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی سے بھاگتا اور کنارہ کشی کرتا ہے، اس کی پلیدی بڑھتی جاتی ہے، اور اس کی عقل روحانی مسلوب ہوتی جاتی ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

"کَذٰلِکَ یَجۡعَلُ اللّٰہُ الرِّجۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ" (الانعام ۱۲۵)

ترجمہ: "اسی طور سے کرتا ہے اللہ پلیدی کو بے ایمانوں پر"

لیکن عقل کی اصلی کی حفاظت و تکمیل اتباعِ رسالت میں ہوا کرتی ہے۔ اس عقل کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام کی تربیت، پیغمبری نور و وحی الٰہی سے ہوئی، چنانچہ شروع میں سب انسان ٹھیک راہ پر تھے، چنانچہ ارشاد ہے: "کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً" (البقرہ ۲۱۳) یہاں تک کہ قابیل نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا، اس وقت سے اختلاف شروع ہوا، پھر تو لوگ مختلف خواہشات کی تابعداری میں جدا جدا ٹولوں میں بٹ کر مختلف گمراہیوں کے بیابان میں بھٹکنے لگے، یہاں تک کہ بت پوجنے کی نوبت آگئی اور طرح طرح کے نئے عقیدے اور فعل نکالتے رہے، جو کہ رسول کے ارشاد اور عقل کی ہدایت کے مخالف تھے، اپنے جی کا کہا مانا، اپنی رسوم و عادات کے پابند ہوتے، اپنے باپ دادوں کی تقلید کی، ان کی اصلاح کے لئے ہر پیغمبر تعلیم و ہدایات لاتے رہے، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سچا دین اور روشن کتاب نازل ہوئی، پس جو شخص اتباعِ سنت اور روشن کتاب کو اپنا نظامِ حیات بنائے گا، وہی سیدھی راہ پر ہوگا، اور جو اس علم کی روشنی سے دور ہوگا، وہی ضلالت پر ہوگا، بہرحال سب معلوم ہوا کہ جس قدر یہ بت قلیل و کم تر ہے، عقل انسانی غایت درجہ کی بیماریوں سے ڈراتی اور اس مکاری کے جال اور پھنسنے کے مواقع

بتلاؤں، کیونکہ بدعی، جو کتاب و سنت کے خلاف ہے کی شناخت بتلانا گویا اس میں مبتلا ہونے سے بچانا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں راہِ ہدایت عطا فرمائے، ہدایت پر چلنے کی توفیق بخشے اور ہر شیطانی مکر و ضلالت اور خلافِ سنت رسوم و عادات سے بچائے۔ آمین! لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بابِ اوّل

سنت و جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید:

طبرانی نے معجم صغیر میں اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیا، چنانچہ اس طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ:

"جس کو یہ پسند ہو کہ وسطِ جنت میں گھر پائے، تو چاہئے کہ جماعت کو لازم پکڑے، کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہے، اور خبردار رہو! کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے، کیونکہ ان دونوں کا تیسرا شیطان ہوگا، اور خبردار رہو! کہ جس شخص کو اس کی برائی ناگوار گزرے اور اس کی نیکی اس کو خوش کرے، وہ مؤمن ہے۔" انتہی ملخصاً۔ (ترمذی ج:۲ ص:۳۹)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے حضرت عمرؓ کے پورے خطبہ جابیہ کو روایت کیا، اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

"لوگو! تم پر فرض ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو، اور خبردار! جھوٹ سے بہت بچو۔" (ترمذی ج:۲ ص:۳۹)

اور ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

عرفجہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا،
آپ فرماتے تھے کہ:

"جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے، اور جو کوئی جماعت
سے الگ ہو، شیطان اس کے ساتھ ہے۔"

"جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔" کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی
حفاظت و رحمت میں ہے، جیسے بندوں میں یہ محاورہ ہے کہ: "فلاں شخص کے سر پر
ہاتھ رکھو کہ اس کا بیڑا پار ہو جائے۔"

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

"بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے، اور
میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، یہ سب آگ میں ہوں
گے، سوائے ایک فرقے کے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ: یا
رسول اللہ! یہ ناجی فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا: جس صفت پر میں اور
میرے اصحاب ہیں۔" (مشکوٰۃ ص ۳۰ بحوالہ ترمذی)

فائدہ:... آگ میں ہونا دو صورتوں پر مشتمل ہے:

۱:... ایک یہ کہ آدمی ایمان کے لگاؤ سے بالکل خارج نہ ہو، جیسے معتزلہ
وغیرہ، کہ یہ لوگ اول فی النار ہوں گے، پھر اُمید ہے کہ نکالے جائیں۔

۲:... دوم یہ کہ دینِ توحید سے ہی خارج ہو گیا، جیسے بعض روافض جو حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کی اُلوہیت کے قائل ہیں، اور مرجیہ وغیرہ، تو یہ کفار ہیں، جو ہمیشہ
ہمیشہ نار میں رہیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ

"سنت کے مطابق درمیانی چال سے عبادت کرنا
بدعت کے طریقے پر بہت کوشش کی عبادت سے بہتر ہے۔"

امام سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ

"اہل سنت کے حق میں بھلائی کرنے کی وصیت قبول
کرو کیونکہ یہ بیچارے پردیسی بہت کم ہیں۔"

امام ابوبکر ابن عیاش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"جس طرح کفر و شرک اور باطل ادیان کی بہ نسبت
اسلام نادر و عزیز ہے، اسی طرح اسلام میں بدعتی فرقوں کی بہ نسبت
سنت پر عمل پیرا فریق بھی نادر و عزیز، بلکہ بہت نادر و عزیز ہے۔"

باب دوم

بدعتیوں کی مذمت میں:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جس کسی نے ہمارے امر (دین) میں ایسی چیز ایجاد
کی جو اس (دین) میں نہیں ہے تو وہ رد ہے۔"

(مشکوٰۃ ص ۲۷ بحوالہ بخاری و مسلم)

یعنی اس ایجاد کرنے والے بدعتی پر الٹی پھینک ماری گئی، چونکہ اللہ تعالیٰ اہل بدعت سے بغض رکھتا ہے اس لئے بجائے رضائے الٰہی کے وہ مردود کیا گیا۔

نیز ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جس کسی نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے۔" (متفق علیہ)

سوال:... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے "کل بدعۃ ضلالۃ" حالانکہ فقہاء کے نزدیک بعض بدعات مباح ہیں، جیسے: آٹے کے لئے چھلنی کا استعمال کرنا، اور بعض بدعات مستحب ہیں، جیسے: مدارس کی تعمیر، کتابوں کی تصنیف اور تراویح کا تمام رمضان میں جماعت سے پڑھنا وغیرہ، اور بعض بدعات واجب ہیں، جیسے: مذہب دشمنوں کے رد میں دلائل کا جمع کرنا وغیرہ، تو حدیث نبوی اور فقہائے کرام کے اقوال کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب:... بدعت کے دو معنی ہیں، ۱:...لغوی، ۲:...شرعی۔

بدعت لغوی یہ ہے کہ جو چیز نئی پیدا کی گئی اور نکالی گئی ہو، خواہ عادات کے قبیل سے ہو یا عبادات سے۔

بدعت شرعی: یہ ہے کہ جو چیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور تابعین کے بعد دین میں نکالی گئی ہو، جبکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی نہ تو صریحاً اجازت ہو، نہ اشارۃً، نہ قولاً، نہ فعلاً، اور نہ وہ چیز ایسی ہو کہ اس پر دین کا کوئی مسئلہ موقوف ہو، پس تمام عادات جیسے ہر زمانے کے نئے ملبوسات و مساکن اور نئے کھانے پینے وغیرہ بدعت سے خارج ہوئے، اس لئے کہ یہ دینی نہیں ہیں اور ان کو کرنے والا ان کو طاعت نہیں سمجھتا۔

اسی طرح تحریر منطق، تعمیر مدارس اور تصنیفات کتب دینی وغیرہ، یہ چیزیں بھی احداث فی الدین نہیں ہیں، بلکہ احداث للدین ہیں، لہٰذا بدعت نہیں۔

پھر یہ بدعت اعتقاد میں ہوگی یا عبادت و عادت میں، پھر جو بدعت اعتقاد میں ہو، ان میں سے بعض تو کفر ہیں، جیسے: انکارِ قیامت، نفی صفات الوہیت، ہیولیٰ کے

قدیم ہونے، بزرگوں میں صفات خداوندی کا اعتقاد اور "ہر چیز میں خدا ہے" کا عقیدہ وغیرہ ذالک۔

اور ان میں سے بعض کبیرہ گناہوں جیسے: قتل، زنا وغیرہ سے بھی بڑھ کر ہیں، جیسے: انکار خلافت شیخینؓ، اور اعتقاد خوارج وغیرہ، اس کے مقابل اہل السنۃ والجماعت کا اعتقاد ہے۔

اور جو بدعات عبادات میں ہیں، وہ بھی ضلالت ہیں، مگر ان کا درجہ بدعت اعتقادیہ سے کم ہے، جیسے: رواتی جمعراتیں، قل خوانی اور دعا بعد جنازہ کو لازم سمجھنا، اس کے مقابل سنن الہدیٰ ہیں، جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ کیا ہو، اور کبھی ترک بھی کیا ہو، اور تارک پر انکار بھی نہ کیا ہو۔

اور بدعت فی العادات جیسے: آٹے کے لئے چھلنی کا استعمال کرنا، پس ایسے کام ضلالت نہیں، اس لئے کہ ایسے کام کرنے والے کی نیت عبادت و طاعت کی نہیں ہوتی، اس کا مقابل سنت فی العادت ہے۔

اور سنت فی العادت یہ ہے کہ جس کام پر حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ السلام نے بطور عادت ہمیشگی کی ہو جیسے: اچھے کام کو داہنے ہاتھ سے کرنا، مثلاً: کھانا وغیرہ، اور خسیس کام کو بائیں ہاتھ سے کرنا، جیسے: استنجا وغیرہ، پس معلوم ہوا کہ بدعت کی تین قسمیں ہیں، اور ہر ایک کی قباحت اپنے اپنے مرتبے میں ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" فرمایا ہے، اس سے مراد بدعت شرعی ہے، اور فقہائے کرام نے بدعت کی اقسام جو فرمائی ہیں، تو وہ بدعت کے لغوی معنی کے اعتبار سے ہیں، لہذا ان میں منافات نہیں ہے۔

(كذا في الطريقة المحمدية ص:۳۲،۳۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"میں حوضِ کوثر پر تمہارا میرِ منزل و منتظر ہوں گا، اور ضرور کچھ قومیں آئیں گی، جو مجھ تک پہنچنے سے پہلے روک لی جائیں گی، تو میں کہوں گا کہ: اے رب! میرے اصحاب ہیں، تو مجھ سے کہا جائے گا کہ: تجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا طریقہ نکالا تھا۔" (صحیح مسلم ج۲، ص۲۴۹)

علمائے اُمت کا اتفاق ہے کہ یہ وہی قومیں ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہوگئیں۔ (کذا فی المنتقی، حص للامام الجوزی رحمۃ اللہ علیہ)

اگر کوئی سوال کرے کہ سابقہ دلائل سے معلوم ہو کہ دین کے معاملے میں کتاب اللہ اور سنت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں، اور جو چیزیں ان سے ثابت نہیں، اور نہ وہ فہم دین کی موقوف علیہا ہیں، وہ بدعت و ضلالت ہیں، حالانکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ دلائلِ شرعیہ چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔

جواب:... اجماع کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مرجع قرآن یا حدیث ہو اور محال ہے کہ خیر القرون ضلالت پر مجتمع ہوجائیں، اور قیاس کے لئے بھی قرآن و حدیث سے مرجع استنباط ہوگا، اس لئے قیاس حکم شرعی کا مثبت نہیں ہوتا، بلکہ حکم شرعی کا مظہر ہوتا ہے، پس ہر چار ادلّہ کی اصل کتاب و سنت ہے، اور بس۔

متصوفین کی غلطی:

بعض متصوف (نام نہاد صوفی) کہتے ہیں کہ ہمیں ظاہری شرع کی ضرورت نہیں، ہمیں جو مشکل پیش آتی ہے، اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تمام علماء و صلحاء کا اتفاق ہے کہ کشف، الہام اور رؤیا

سے قوانینِ حیات اور قربِ خداوندی جل شانہ کے معاملات قطعی طور پر حاصل نہیں ہوسکتے، یہ قطعی چیزیں ہیں، یقینی چیزیں نہیں ہیں، دیکھنے والے کو بھی اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے، مثلاً: خواب یا الہام میں پتا چلا کہ آج رمضان کا چاند ہے، مگر گرد و غبار کے نہ ہوتے ہوئے بھی کسی نے چاند نہیں دیکھا، تو اب نہ خواب دیکھنے والے پر واجب ہے کہ کل کو روزہ رکھے اور نہ ہی کسی دوسرے پر اس کے الہام، خواب یا کشف سے واجب ہے کہ وہ روزہ رکھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کی تمام راہیں بند ہیں، سوائے حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے، کہ یہی طریقہ کشادہ ہے۔"

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

"اپنے ساتھیوں میں سے کسی نے فرمایا کہ: چلو! اس شخص کی زیارت کریں جس کی ولایت کی شہرت ہے۔ وہ ساتھی کہتا ہے کہ: ہم گئے، تو وہ شخص مسجد کی طرف آرہا تھا، اس نے راستے میں قبلہ کی طرف تھوک دیا، اور مسجد میں چلا گیا، ابو یزید صاحب وہاں سے اس طرح واپس لوٹے کہ اس کو سلام بھی نہ کیا، اور فرمایا جس کو حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب میں سے قبلہ کا ادب نہیں ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا کیا ادب ہوگا؟ اور فرمایا کہ: اگر کسی کی اتنی کرامات ہیں کہ وہ ہوا پر چل رہا ہو، تو بھی اس پر دھوکا نہ کھانا، جب تک کہ اس کو امر، نہی اور حفظِ حدودِ شریعت میں نہ دیکھ لو۔"

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامات میں سے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات میں بھی آپ کا اتباع کرے۔"

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"وہ احوال باطن جن کی ظاہر شریعت مخالف ہے، وہ باطل ہیں۔"

(کذا فی الطریقۃ المحمدیۃ)

باب سوم

ابلیس کے مکر و فریب سے ڈرانا:

جاننا چاہئے کہ ابلیس کا کام یہی ہے کہ ہر عقلی مخلوق کو تلبیس و شبہ میں ڈالے، سب سے پہلے وہ تو خود شبہ میں پڑ کر خداوند تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ کی جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے صریح حکم سے منہ موڑ کر یوں دلیل دی کہ:

"خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ" (الاعراف۔۱۲)

ترجمہ..."تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اس کو گوندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔"

پھر نافرمانی کے بعد حق تعالیٰ پر اعتراض کرنے لگا:

"أَرَأَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ"

(بنی اسرائیل ۶۲)

یعنی مجھے آگاہ کر دے کہ تو نے اس کو مجھ پر کیوں فضیلت دی ہے؟ گویا یہ فضیلت دینا کچھ حکمت نہیں ہے، پھر اس کے بعد تکبر کرنے لگا کہ: "انا خیر منہ" میں

قدر شیطان کا غلبہ کم ہوگا، شیطان ایسے شخص کو عمل سنت سے نہیں روکتا، بلکہ دوسری معصیتوں مثلاً: ریا، شہرت، خود پسندی وغیرہ میں مبتلا کرتا ہے۔

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو جنوں سے باتیں کرتا تھا، کہ: شیاطین باہم گفتگو کر رہے تھے کہ جو لوگ سنت نبویؐ کے تابع ہیں، وہ ہمارے لئے سخت ہیں، لیکن جو خواہش نفسانی کے بندے ہیں، اُن کے ساتھ تو ہم کھیلتے ہیں۔"

اکثر اوقات شیطان، ہوش مند اور عاقل آدمی پر حملہ کرتا ہے، اور خواہش نفسانی کو ایک دلہن کی صورت میں پیش کرتا ہے، جس سے وہ شخص پھنس جاتا ہے۔

ابن صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"شیطان، آدمی کے لئے نیکی کے ننانوے دروازے کھولتا ہے، جس سے بُرائی کا ایک دروازہ مقصود ہوتا ہے۔"

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ:

"میں نے شیطان کو دیکھا، تو اس نے مجھ سے کہا کہ: ایک زمانہ وہ تھا کہ میں لوگوں سے ملتا تھا، تو ان کو تعلیم دیتا تھا، اب حالت یہ ہے کہ اُن سے ملتا ہوں اور خود تعلیم لیتا ہوں۔"

کسی شخص نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ: حضرت! کیا کبھی شیطان سوتا بھی ہے؟ فرمایا: اگر شیطان کو نیند آتی تو ہم لوگوں کو راحت ملتی۔

جب شیطان ہر وقت گھات میں ہے کہ کسی طرح مؤمن کا ایمان چھین لے، تو مؤمن پر بھی لازم ہے کہ ہر حال میں ہوشیار رہے کہ کہیں ایمان نہ چلا جائے۔

عبدالعزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:

ملحدین کی خفیہ تدبیریں:

ملحدین، بے دین اور منکرین قرآن وحدیث کی دلی چاہت یہ ہے کہ کسی طرح کلمۂ حق چھپ جائے، اور تعلیمات میں شرع کا ثبوت نہ رہے، اور لوگ اس کے احکام پر عمل نہ کریں۔

بعض ملحدین تو یہاں تک کرتے ہیں کہ علمائے نقل کے یہاں کسی ناجائز ذریعے سے جھوٹی اسناد سے لسانی بات بنا کر ان کی کتابوں میں قصہ داخل کرا دیتے ہیں، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات میں جھوٹی خبریں بنا کر علمائے نقل کے ہاں داخل کرا دیتے ہیں۔

اور بعض ملحدین یہ کرتے ہیں کہ معجزات کے مشابہ چیزیں نقل کرتے ہیں کہ فلاں ملک میں ایسا پتھر ہوتا ہے جس کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے خرق عادات کے ظہور کا نتیجہ کرتے ہیں، مثلاً اس کو ہاتھ لگانے سے پانی بہنے لگتا ہے یا پھر اعتکاف کرنے سے بینا ہوتا ہے، دولت ہاتھ آتی ہے، مشکل حل ہوتی ہے اور فلاں قبر سے جواب ملتا ہے، اندھے بینا ہو جاتے ہیں، بیمار کو شفا ہوتی ہے چنانچہ یہ لوگ ایسی واہی تباہی حکایت اور ان جھوٹے قصوں سے توحید کے اعتقادات اور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معجزات پر شک کے جانے کے معاذی و بدعت میں ڈال کر عوام اور خاص کے عقیدوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہ کام تعصب کے گمراہ کرنے والوں کا ہے۔

اور بعض ملحدین، کاہن وغیرہ کی خبریں ایسے کہ قصے بیان کر کے عوام و جہلاء کو "اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰہِ" کے یقین سے شک میں ڈالتے ہیں، چنانچہ عوام اپنی کم عقلی و جہالت کی وجہ سے ان مکروں کا بھی فرق نہیں سمجھتے۔

روافض کے بعض حالات:

ابلیس نے خوارج پر تلبیس کی تو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے قتال کیا۔

ان کے برعکس ایک قوم کو تلبیس میں ڈالا، جنہوں نے حضرت علیؓ کی محبت میں یہاں تک غلو کیا کہ بعض روافض نے کہا کہ: "علیؓ انبیاء سے افضل ہیں۔"

بعض روافض کو شیطان نے ابھارا تو وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہنے لگے، بلکہ بعض نے ان دونوں کو کافر کہا۔

اسحاق بن محمد نخعی احمر کہا کرتا تھا کہ: "علی هو الله عز وجل" یعنی حضرت علی ہی اللہ عز وجل ہیں۔ مدائن میں اسحاقیہ جماعت اسی گمراہ کی طرف منسوب ہے، انہی کا خیال ہے کہ علی ہی ہر وقت ظہور کرتا ہے، چنانچہ ایک وقت میں حسن کی شکل میں ظاہر ہوا تھا، اور دوسرے وقت میں حسین کی شکل میں ظاہر ہوا، اور اسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر کر کے بھیجا تھا۔

روافض کے بعض فرقوں کا اعتقاد ہے کہ: ابوبکرؓ و عمرؓ کافر تھے، اور بعض نے کہا کہ نہیں، بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ مرتد ہو گئے (نعوذ باللہ)۔

روافض میں سے بعض کا قول ہے کہ: امامت موسیٰ بن جعفر میں تھی، پھر آپ کے فرزند علی میں آئی، پھر ان کے بیٹے محمد بن علی میں، پھر ان کے بیٹے علی بن محمد میں، پھر حسن بن محمد العسکری میں، پھر ان کے بیٹے محمد میں آئی۔ یہی بارہویں امام مہدی ہیں، جن کا انتظار تھا، ان کا کہنا ہے کہ وہ مرے نہیں، بلکہ غار میں چھپ رہے ہیں، اور آخر زمانے میں آئیں گے، تو زمین کو عدل سے بھر دیں گے۔

ابو منصور عجلی کہتا ہے کہ: محمد بن علی الباقر کا انتقال ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہی خلیفہ ہیں اور ان کو بالفعل آسمان پر لے گئے ہیں، وہاں پروردگار نے ان کے سر پر

باتھ پھیلا۔ اور قرآن میں جو آسمان سے کِسفاً ساقطاً (گرا ہوا ٹکڑا) آیا ہے، وہ یہی ہیں۔

باطنیہ فرقہ بھی ایک طرح سے روافض کی شاخ ہے۔ اس میں سے "بابکیہ" میں سے ایک جماعت باقی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سال میں ان کی خوشی کی ایک رات مقرر ہے، اس میں عورتیں اور مرد ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں، آخر میں چراغوں کو گل کر دیتے ہیں، ان میں سے ہر ایک مرد ایک عورت کو پکڑ کر کے اس کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے، اور اپنے اس فعل کی تاویل یہ کرتا ہے کہ ان کا حلال ہونا بطور شکار کے ہے، کیونکہ شکار مباح ہے۔

کتاب تلبیس ابلیس میں ہے کہ بانی رفض کی اصل غرض یہ ہے کہ دین اسلام میں اور اصل دین محمدی میں طعن کر کے اسلام کو مٹا دیا جائے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین حق لائے تھے، جب آپ دنیا سے رخصت ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئے، تو سارا بھروسا حضرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صداقت، دیانت، امانت اور عدالت پر ہی رہا، اس لئے کہ یہی لوگ ہیں جو حضور علیہ السلام سے دین نقل کرتے اور عمل کر کے دکھاتے اور بتلاتے ہیں کہ من جانب اللہ یہی دین اسلام ہے، لیکن روافض کے بقول ... نعوذ باللہ ... جب صحابہ کرامؓ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہو گئے یا کافر رہے، تو ان پر وثوق جاتا رہا، اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم معدودے چند اور اقل قلیل افراد ہیں، ان سے سارا دین تواتراً ثابت نہیں ہو سکتا، تو رافضی کے مکر کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ اعتقادیات مٹ جائیں گے، کیونکہ اعتقادات حقہ بدوں قطعی روایت کے ثابت نہیں ہو سکتے، اور اہل بیتؓ معدودے چند افراد ہیں، تو سارے دین کا کارخانہ ختم ہو جائے گا۔

اور اس پر طرہ یہ کہ رافضی، امام مہدی کے ساتھ قرآن کے غائب ہونے کا بھی مدعی ہے، یوں رافضی کا نہ قرآن پر اعتماد رہا، نہ حدیث پر اور نہ سیرت صحابہؓ پر،

نہ ملے کہ رافضی دین سے بے نصیب رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل بیت میں سے جو سربراہ رہے، وہ تو سب (بقول رافضی کے) معصوم تھے مگر ان کے زمانہ مبارک میں ہر جگہ تو وہی اہل بیت امام نہ تھے، تو اس زمانے میں بھی کسی کی نماز جماعت سے نہ ہوئی، کیونکہ امام وہ ہوتا ہے جو معصوم ہو، جب اہل بیت کرام میں سے کوئی نہ ملے تو نماز جماعت نادرست ہوگی۔

اسی طرح ان روافض کی روایت بھی قابل اعتبار نہیں، جیسے آفتاب ڈوب گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نماز عصر جاتی رہی، پھر ان کے لئے سورج کو دوبارہ پلٹا دیا گیا۔ اول تو یہ کہ اس کا کوئی راوی ثقہ نہیں، دوم یہ کہ جب آفتاب ڈوب گیا تو عصر کا وقت جاتا رہا، پھر اگر دوبارہ طلوع ہو گیا تو یہ جدید وقت آیا، نہ کہ قدیم وقت عصر، غرض تو بہر حال قضا ہی رہی نہ کہ ادا ہوئی۔

باب ششم

علماء کو فنون علم میں دھوکا:

شیطان، علماء کے پاس بہت سے راستوں سے آتا ہے لیکن شیطان اس کا غالب جب آتا ہے، جب کوئی عالم اپنی خواہش نفس پر چلے، جب کوئی عالم خواہش نفس پر چلتا ہے تو اس وقت اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے اس لئے کہ بہت سے باریک فریب ایسے ہیں جو اکثر علماء پر بھی مخفی رہتے ہیں، لہذا ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

قاریوں کو دھوکا:

جاننا چاہئے کہ قراءت سے مقصود یہ ہے کہ آیات قرآن مجید کو ٹھیک طرح

سے پڑھے، پھر اس کو سمجھے، پھر اس پر عمل کرے، پھر ایسی چیز پر متوجہ ہو جو اس کے نفس کی اصلاح کرے اور اس کے اخلاق کو رذائل، جیسے حسد، کینہ، بغض اور ریا وغیرہ سے پاک کر کے اس کو سنوارے، پھر شریعت کے دیگر اہم امور کی طرف متوجہ ہو۔ اور کھلا خسارہ یہ ہے کہ اہم امور کو چھوڑ کر دوسرے غیر اہم میں مشغول ہو جائے، جیسے: قرآن و حدیث میں علم کامل اور فہم ثاقب پیدا کرنے کے بجائے مبادی: صرف، نحو، منطق اور معقول میں مہارت حاصل کرے، اور قرآن و حدیث میں صرف کی تکمیل سے بھی کم درجہ ہو۔

اغلاط کی مختصر تشریح:

عمر کا بڑا حصہ شاذ قراءتوں کی تحصیل میں ضائع کر دے، فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات نماز کا پتا نہ ہو، اور یہ بھی نہ جانتا ہو کہ مفسدات و مکروہات نماز کیا کیا ہیں؟ اور امامِ مسجد ہو کر نماز یں مکروہ یا فاسد کر رہا ہو، وہ خود بھی اور عوام بھی اس کی قراءت پر نازاں ہوں، ایسے قاری لوگوں کو مسائل و احکام میں فتویٰ دے رہا ہو، اور شرمساری سے یہ نہ کہے کہ مجھے پتا نہیں۔

نیز قاری صاحب محراب میں شاذ قراءت پڑھتا ہو، اور مشہور قراءت کو چھوڑتا ہو حالانکہ علماء کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شاذ قراءت سے نماز صحیح نہیں ہوتی۔ مگر چونکہ اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے قاری ہونے کی تعریف ہو، اس لئے وہ اس کو پڑھتا ہو۔

نیز بعض قاری نماز میں قراءت کو "نسلک، مسلک، مالک" سب پڑھ لیتے ہیں، حالانکہ یہ جائز نہیں، کیونکہ اس سے نظم قرآن میں خلل آتا ہے، اور بعض عبادات، تہلیلات اور تسبیحات کو جمع کرتے ہیں، حالانکہ یہ مکروہ ہے۔

ان میں سے یہ بھی ہے کہ ختم قرآن کی رات کو بہت روشنی کرتے ہیں۔
تبذیر کی برائی، یہودیوں اور مجوسیوں کی مشابہت کے علاوہ رات میں مردوں اور
عورتوں کے فتنے میں پڑنے کا سبب بنتے ہیں۔ اسی لئے ان کو یہ جتلانا واجب ہے کہ
اس سے دین کی ذلت و اہانت ہے۔ جو اللہ کے دین کی عزت اپنے امور میں لاتے
ہے جو شرع کی رو سے جائز ہوں۔

ازاں جملہ یہ کہ قاری صاحب کسی ایسے شخص کے بارے میں جس سے
انہوں نے نہیں پڑھا، دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے فلاں قاری صاحب سے قراءت پڑھی
ہے، حالانکہ فی الواقع وہ جھوٹ کہتا ہے۔

ازاں جملہ یہ کہ بعض قاری حضرات کثرت قراءت میں ممتاز ہوتے ہیں، یا
کہ ایک دن میں کئی ختم کر لیتے ہیں اور دو دو، چار ختم کر کے رکھ دیتے ہیں، جس سے
ان کی واہ واہ ہوتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ایک دن میں ختم کرنا کثرت ثواب کی چیز ہے۔
بلکہ کثرت قراءت باعث ثواب جب ہے کہ:

اول: یہ قراءت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہئے، جبکہ مذکورہ بالا
قراءت شہرت کے لئے ہے۔

دوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لتقرأه على الناس على مكث" (بنی
اسرائیل:۱۰۶) (تاکہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔
اور فرمایا: "ورتل القرآن ترتيلا" (المزمل ۴) (اور قرآن کو ترتیل سے پڑھو)۔ یعنی
اس طور سے پڑھو کہ ایک لفظ دوسرے سے جدا ہو اور تیز قراءت میں ترتیل کیسے
ہو سکتی ہے؟

ازاں جملہ یہ کہ قرآن کریم کو اس قدر اونچے لہجے میں پڑھنا کہ سننے والے
کو پریشان کرے، نادرست ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اب تو قرآن کو راگنی کے اصول اور

موسیقی کے قواعد پر ادا پڑھتے ہیں، حالانکہ راگنی کے مطابق قریب ہوتا جائے گا، کراہت بڑھتی جائے گی۔

ازاں جملہ یہ کہ دیا شبینہ کہ ایک رات میں حفاظ جمع ہو کر قرآن مجید کا ختم کریں، اس قدر تو جائز ہے، مگر دیکھو تو اس میں بہت سی محرمات چیزیں مل جاتی ہیں، مثلاً:

۱... اگر کوئی ذرا سی غلطی کرے، اس پر ہزار طعن، تشنیع اور مذاق کرتے ہیں۔

۲... پھر بھی غالب و مغلوب ہونے کی شرط ہے، کبھی تفاخر و ریا کی غرض سے،

۳... کبھی شبینہ کرانے والا محض فخر کے لئے یہ سب کچھ کرتا ہے کہ فلاں نے کیا کیا ہے؟ اور کیا دیا ہے؟ میں نے یہ کیا اور یہ دیا وغیرہ۔

جبکہ اکثر سننے والے حفاظ پیچھے بیٹھے رہتے ہیں، اور پڑھنے والا ایک (اکیلا) ہی نفل کی نماز میں تلاوت کر رہا ہوتا ہے، پھر جیسے ہی قاری نے کوئی غلطی کی، تو یکایک سامعین میں سے کسی نے نیت باندھ کر لقمہ بتلایا اور پھر نماز توڑ کر بیٹھ گیا۔

کبھی قاری اسپیکر میں پڑھتا ہے، جس سے دور دور تک آواز جاتی ہے، کوئی کسی کام میں مشغول ہوتا ہے، کوئی کسی کام میں، پھر ساری رات میں ختم ہوتا ہے، اس لئے لوگ تنگ ہوتے ہیں، نہ روک سکتے ہیں کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ ان کو قرآن پسند نہیں، نہ سنتے ہیں، ہاں! بعض سنتے بھی ہوں گے، ایسا ختم ماں باپ کی روح کو بخشا جا رہا ہے، سبحان اللہ! ممکن ہے کہ کسی کو اخلاص بھی ہو، مگر اکثر پڑھنے والوں کے جب یہ حالات ہیں، تو کیا ثواب ہوگا؟ ہاں! ماں باپ کے لئے اخلاص سے جو کچھ ہو سکتا، پڑھ کر ثواب بخش دیا جاتا، تو یہ اس سے اچھا ہوتا، وغیر ذالک من المصائب، فافہم!

محدثین و فقہاء کی بعض اغلاط:

من جملہ ان کے یہ ہے کہ محدثین اسانید عالیہ کی تحصیل میں اپنی طویل عمریں صرف کرتے ہیں، محض اس غرض سے کہ صحیح اور باطل میں سے کتنی حدیثیں جھوٹی ہو گئیں، جو اشباہ ایسے حضرات جو سے رہے تھے اور متقدم لوگ ہیں۔

جیسے دوسرے وہ محدثین ہیں، جن کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ عالی اسانید حاصل کریں اور غرائب روایات جمع کریں جو ان کو فخریہ یہ کہنے کا موقع دے کہ میں فلاں شیخ سے ملا تھا، اور مجھ کو یہ عالی اسانید ہیں، وہ کسی کو نہیں، اور جو غریب و غریب حدیثیں میرے پاس ہیں، انہیں کسی نے پایا نہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بخشے۔

من جملہ محدثین کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ وہ لوگ حدیث سے فقہ و معرفت حاصل نہیں کرتے، اور احادیث سے استخراج مسائل بھی نہیں کر سکتے، اگر نماز میں کوئی حادثہ پیش آ جائے، تو محدث، ان لوگوں سے جو فقہ میں مہارت رکھتے ہیں، پوچھتا ہے کہ اس کا کیا حکم ہے؟

من جملہ غلطیوں کے یہ بھی ہے کہ لوگ اپنے نفس کی تشفی کے لئے دوسرے پر جرح و تنقیص کرتے ہیں، اس کو بھی جرح و تعدیل قرار دیتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ سلف نے جو جرح و تعدیل کی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ شریعت کو جھوٹوں کے جھوٹ کی آمیزش سے بچایا جائے، جبکہ یہ لوگ جو جرح و تعدیل کرتے ہیں محض اپنے نفس کی تشفی کی غرض سے اور دوسروں کو گرانے کے لئے کرتے ہیں۔

واللہ یعلم المفسد من المصلح!

یہی مرض آج کل کے زاہدوں اور زہادوں میں ہے کہ پہلے دوسروں کی شکایت اور عیب ظاہر کرتے، پھر اس کے لئے دعا کر دیتے ہیں، تاکہ ان

غیبت کا شائبہ نہ ہو۔

من جملہ اغلاط کے یہ ہے کہ ضعیف وکذاب سے روایت کرتے ہیں، مگر چھپانے کے لئے اس کا نام نہیں لیتے، وغیر ذالک من العجائبات۔

من جملہ فقہاء کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ بعض فقہاء کا یہ حال ہے کہ حدیث سے کوئی حکم ثابت کرتے ہیں، مگر ان کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ وہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ علم حدیث کا مطالعہ بھی نہیں کرتے، اور وہی احادیث لیتے ہیں جو احکام کی ہوں، باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔

من جملہ فقہاء کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ بعض فقہاء کا پورا اعتماد علم جدال یعنی مناظرہ پر ہوتا ہے، اور وہ اپنے زعم میں اس فن سے ہی کسی حکم پر دلیل اور اس کی صحیح شرح کے دقائق اور مذاہب کی علتیں تلاش کرتے اور ڈھونڈتے ہیں، اور ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کی نظروں میں چیخوا کرواتا جائے۔

اور بعض فقہاء علم جدل ومناظرہ کے فن میں فلاسفہ کے توجیہ داخل کرتے ہیں، جیسے: لزوم، عکس اور نقض وغیرہ۔

من جملہ فقہاء کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ وہ حدیث صریح وصحیح پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ مناسب، بلکہ واجب یہ تھا کہ اپنا مسئلہ دوسری حدیث صحیح سے ثابت کرتے اور پھر فریق مخالف کی پیش کردہ حدیث کا اعلامیہ سے جواب دیتے، وغیر ذالک!

یاد رکھنا چاہئے! کہ انسانی طبیعت چور ہے، اگر اس کو لوگوں کے خیال پر چھوڑ دیا جائے تو اہل زمانہ سے اخذ کرنے لگے گی، اور ان ہی کی طرح ہو جائے گی، اگر متقدمین کے حالات اور طریقوں کا مطالعہ کیا جائے گا، تو طبیعت ان کے ساتھ چلنے کی کوشش کرے گی، جب ان کا رنگ اور ان کے اخلاق پیدا ہوں گے۔

"شیخ" کے لفظ کا اطلاق ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ان علمائے کرام کے علم، عمل، تعلیم، تبلیغ اور تلقین سے دین اسلام، ایمان اور قرآن دنیا کے ہر گوشے میں پہنچتا ہے، مردہ قلوب زندہ ہوتے ہیں، علم، عقل اور دانش مندی کی ترقی ہوتی ہے، عمل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، سعادت دارین حاصل ہوتی ہے، قرب الٰہی اور درجات عالیہ نصیب ہوتے ہیں، دین کی ترقی بھی علم سے ہے، نہ کہ جہل و نادانی سے، قیامت اس وقت آئے گی، جب صحیح عالم دنیا سے رحلت کر جائیں گے، بلاشبہ عظیم نعمت، رحمت، فضل اور احسان ہے، ہاں! بعض عالم ایسے ہوتے ہیں، جو علم پر عمل نہیں کرتے، اور اپنی خواہش نفسانی پر چلتے ہیں، انہی میں سے بعض کی اغلاط پیش خدمت ہیں:

وہ علماء جو علم و عمل میں پورے تھے، ان پر شیطان نے دوسری راہ سے تسلط ڈالی، چنانچہ ان کو تکبر و عجب میں مبتلا کیا اور جو ان علماء کے ہم پایہ تھے ان سے حسد پر انہیں ابھارا، اور سرداری کے لئے ریاکاری پر آمادہ کیا، پھر سرداری کی بقا کے لئے ان کو اپنی غلطی اور خطا کی معرفت کے باوجود بھی غلطی اور خطا سے باز نہ آنے دیا، اور سرداری کی طلب کا دروازہ پیش کرتے ہوئے یہ باور کرایا کہ تم شریعت کے اعزاز کے لئے سرداری اور صدارت کے طلب گار ہو۔ اور حاسدوں پر تمہاری زبان درازی درحقیقت شریعت کے لئے غصہ کرنا ہے، اور یہ ریا، ریا نہیں، بلکہ اس لئے ہے تا کہ لوگ تمہاری اقتدا کریں۔

اچھا! اگر سچ مچ اس کا یہی مقصد ہے، تو جب لوگ کسی دوسرے صحیح عالم اور مخلص عابد کے معتقد ہونے لگتے ہیں اور اس کی خوشامد کرنے لگتے ہیں، تو اس کو غیرت کیوں آتی ہے؟ اس کی حسد و جلن کی رگ کیوں پھڑک اٹھتی ہے؟ اور اس عالم کی شکایت، غیبت اور بدنامی پر کیوں خوش ہوتا ہے؟ اگر یہ مخلص ہوتا تو اس پر دل میں خوش ہوتا کہ الحمد للہ! تبلیغ دین کا بار جو میرے سر پر تھا، وہ میرے سر سے اتر گیا

اور تکلیف کرنے سے بھی بچ گیا، کیونکہ مخلص علماء و محدثین کی مثال ان مخلص اطباء کی سی ہے، جو لوجہ اللہ مخلوق کا علاج کرتے ہیں، لہٰذا اگر کسی مریض کو کسی دوسرے طبیب کے ہاتھ سے شفاء ہو جائے تو دوسرا خوش ہوتا ہے۔

غرض اگر کوئی عالم ظاہری شیطانی مکر سے بچ جائے، تو شیطان اس پر مخفی تلبیس لاتا ہے کہ تجھ سا کوئی عالم و متقی نظر نہیں آتا، اور نہ ہی تجھ جیسا اغوائے شیطانی کو پہچاننے والا دنیا میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے، وہ بچ جاتا ہے۔

شیطان، بعض علماء کو یہ بیچ سمجھاتا ہے کہ تیری تصنیف سے ہزاروں کو فائدہ ہو رہا ہے، سب دعا کریں گے، یہی تیری نجات کے لئے کافی ہے، نیز اس سے تیری شہرت ہے۔ اسی لئے بعض مخلص علماء اپنی کتاب کو اپنے نام سے منسوب کرنا نہیں چاہتے۔

سلف صالحینؒ نے فرمایا کہ:

جو اپنے حالات پر نظر رکھے گا، وہ ہر حالت میں اپنے کو حقیر دیکھے گا، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا، وہ ریاکاری نہ کرے گا، اور جس نے جان لیا کہ مقدرات الٰہی حسب ارادہ ازلی جاری ہوں گے، تو وہ حسد نہیں کرے گا۔

باب ہفتم

سلاطین کے لئے تلبیس:

اوّل:... یہ کہ شیطان ان کے دل میں ڈالتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ دولت اور شاہی نہ دیتا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ حکومت و اقتدار، مال و دولت اور دنیا جیسے اپنے پیاروں کو

دین کا بیسواں حصہ بھی نہیں رکھتے وہ اپنی تقلید میں، گو تمام دین کیوں نہ ہو، جیسے گانا
بجانا، راگ، تال وغیرہ، اور بدعت تو فرض عین سے بھی زیادہ جدوجہد کرتے ہیں۔
وہاں بھی مستغرق، کرامات کے عاشق، وجد کے مشتاق۔ بہت سے مخلص سے ذکل
وعقائدِ توحید سے متنفر، شرک، قبر پرستی، عورتوں کے ساتھ تلقین اور تعویذ، جپ وظیفہ میں
سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے ہیں، وغیرہ ذالک من العجائب۔

ہاں! بعض عابد، زاہد اور عارف جو سنت پر عامل ہیں۔ بدعات سے متنفر
ہیں، بلاشبہ وہ آنکھوں کے نور، اور روحِ رواں ہیں، وہ ان سے مستثنیٰ ہیں۔

باب نہم

زاہدوں کے زہد میں اغوائے شیطانی:

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جاہل آدمی قرآن و حدیث سے دنیا کی مذمت سنتا ہے،
تو سمجھتا ہے کہ نجات، دنیا کے ترک میں ہے اور یہ بھی سنتا ہے کہ فلاں شیخ پہاڑ یا
جنگل میں عبادت کرتا رہا، لیکن یہ نادان بعد و تعلقات بیوی بچوں اور بوڑھی والدہ کو
چھوڑ کر وحشی جانور کی مانند نکل بھاگتا ہے۔ تمام گھر والوں کے حقوق واجب یا قرض
خواہوں کے قرض ادا کئے بغیر، خلوت کو اختیار کرتا ہے، ایک طرف بچے اور بوڑھی
والدہ روتی ہیں۔ مگر یہ قطب بنا بیٹھا ہے، اگر کسی فقیہ کی صحبت نصیب ہوتی، جو حقائق
سے آگاہ ہوتا۔ تو وہ اس کو بتلاتا کہ دنیا بذاتِ خود مذموم نہیں، اور ایسی چیز کیوں مذموم
ہوتی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے احسان جتایا ہے:

"... يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ..." (فاطر: ۳)

ترجمہ: "تمہیں روزی دیتا ہے آسمان سے (کہ پانی برساتا ہے) اور زمین سے (کہ اس سے نباتات اگاتا ہے)۔"

بلکہ مذموم یہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز بغیر حاجت کے لے لے، یا اسراف کے طور پر اس میں تصرف کرے، یعنی جو مقدار حاجت سے زیادہ ہو، خوشبو اور اطعمہ کی کوئی حد نہیں۔

ٹکڑوں کی طرف اکیلا سفر کرنا شرعاً ممنوع ہے، پھر ماں باپ کو فراق کا صدمہ دینا کبیرہ گناہ ہے، بال بچوں کو تنگ کرنا اور تنگ رکھنا، کئی گناہوں کا سبب ہے، پھر بزرگوں کی تنہائی میں جائز عبادت سے استدلال کرنا یہ بھی غلط ہے، ممکن ہے کہ ان پر حقوق واجب نہ ہوں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا میں رہنا نبوت کے قریب ہونے کی وجہ سے تھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ کے اخراجات سے سبکدوش تھے کیونکہ وہ مالدار تھیں اور خرچ کی متقاضی نہ تھیں، بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خرچ کیا کرتی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند دن کے بعد آیا بھی کرتے تھے۔

بعض سلف نے یہ بیان کیا کہ ہم لوگ عبادت کے لئے پہاڑ میں چلے گئے۔ تو سفیان ثوری ہمارے پاس آئے اور ہم کو شہر واپس لے گئے۔

بعض زاہدوں کا خیال ہے کہ مباحات کے ترک کرنے کا نام زہد ہے، چنانچہ مالدار اور صاحب حیثیت ہونے کے باوجود سوکھی روٹی پر اکتفا کرنا، صوف کا کپڑا پہننا اور ٹھنڈے پانی کو چھوڑنا وغیرہ زہد ہے، حالانکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کا طریقہ نہیں ہے، اس لئے کہ جب کچھ نہ پاتے تھے، تو وہ صبر کرتے، اور جب کچھ پاتے تو کھاتے تھے۔

ایک زاہد نے کہا کہ: میں حلوا نہیں کھاتا، کیونکہ شکر ادا نہیں کر سکتا۔ حضرت حسن بصری نے سنا تو فرمایا کہ: یہ شخص احمق ہے، کیا یہ سرد پانی کا شکر ادا کر لیتا ہے؟

سفیان ثوری جب سفر کو جاتے تو ان کے دستر خوان پر بھنا ہوا گوشت، مرغ

وتوقیر ہو، وہ کچھ خریدیں تو دام کم لئے جائیں، ان سے لوگ ملیں تو ان کی دست بوسی و قدم بوسی کریں، اور چاہتے ہیں کہ اپنے دوستوں اور احباب پر اپنے کمال ظاہر کریں، اور لوگوں میں چرچا ہو کہ فلاں بزرگ سب سے منفرد ہے، اور اس کی اغلاط اور جہل سب چھپے رہیں، نہ بالوں میں کنگھی کرتے ہیں، نہ خوشبو لگاتے ہیں، تاکہ زہد کی عزت و ناموس چلی نہ جائے، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالوں میں کنگھی بھی کیا کرتے تھے، خوشبو بھی لگاتے تھے، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دل بہلانے کی باتیں بھی کیا کرتے تھے، گویا یہ زاہد، عابد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت دے، آمین!

بعض زاہد اپنے واسطے کرامت کے ظاہر ہونے کے منتظر رہتے ہیں، اگر کوئی بے چارہ اس زاہد کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے، تو اس پر غیظ، غضب اور بددعائیں کی جاتی ہیں، اس لئے کہ اس نے ہتک عزت کی۔

بالجملہ شفقت بود سیرت خویش گفت، غرض یہ کہ زاہد پر فرض ہے کہ وہ علماء سے علم سیکھے، اور کسی واثق عالم سے اپنی اغلاط کی اصلاح کیا کرے:

بنما جوہر خود را بہ خرد مند
مسیحی نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

ترجمہ:... ”اپنا جوہر عقل مند کو دکھا، چند گدھوں کی تصدیق سے مسیحی نہیں ہو سکتے۔“

بابِ دہم

صوفیوں کی اغلاط:

واضح ہو کہ صوفیہ بھی زاہدوں میں سے ایک قوم اور گروہ ہے، لیکن چند

صفات و احوال میں صوفیہ ان سے جدا ہیں۔

تصوف ابتدا میں زہد کا نام تھا، پھر ان میں سماع، رقص، جذبات اور واردات وغیرہ چیزیں داخل ہو گئیں، اسی لئے وہ زاہدوں سے ممتاز ہوئے، لہٰذا ان کا بیان بھی علیحدہ کرنا چاہئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مبارک زمانے میں لوگوں کی نسبت ایمان و اسلام کی طرف ہوتی تھی، چنانچہ انہیں مؤمن یا مسلم کہا جاتا تھا، اس کے بعد کچھ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دُنیا سے انقطاع کر لیا اور عبادت کے لئے علیحدہ ہو گئے، اور اپنے لئے چند اخلاق و صفات مخصوص کر لئے اور اپنے لئے ایک الگ طریقہ بنا کر منفرد نام سے ممتاز ہو گئے۔

"صوفی" یا تو صوفہ اور صوفان کی طرف منسوب ہے، جو حجاج کو حج کراتا تھا، اس کی اجازت سے عرفہ سے منیٰ اور منیٰ سے مکہ مکرمہ کی اجازت ہوتی تھی، یہ اجازت صوفہ کی اولاد میں برابر رہی، یہاں تک کہ عدوان نے لے لی اور عدوان میں برابر چلی آئی، یہاں تک کہ ان سے قریش نے لے لی۔

یا "صوفی" کی نسبت اہل صفہ سے ہے، جو کہ فقیر، محتاج اور بے اہل و عیال ایک جماعت تھی، جو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سنتے تھے، جو مل جاتا کھا لیا کرتے، لیکن یہ دُرست نہیں، اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو انہیں "صفی" کہا جاتا۔

یا "صوفی" منسوب ہے "صوف" کی طرف، یعنی اُون پہننے والے (اور یہ ہو سکتا ہے)، بہرحال اور بھی بہت سے اقوال ہیں، بہرحال اس قوم کے واسطے یہ نام دو صدی ہجری سے پہلے ظاہر ہوا ہے۔

تصوف: پہلے لوگوں کے نزدیک تصوف اس کا نام تھا کہ نفس کو کوشش و ریاضت سے اخلاقِ رذیلہ: حسد، ریا وغیرہ سے پھیرے اور اخلاقِ جمیلہ جیسے: زہد، علم، صبر، صدق اور اخلاص وغیرہ عاداتِ حسنہ پر آمادہ کرے، جس سے دُنیا میں مدح اور

آخرت میں ثواب حاصل ہوتا ہے۔

جنید بن محمدؒ نے فرمایا کہ

"تصوف، ہر برے اخلاق سے نکلنا اور نیک خلق میں

داخل ہونے کا نام ہے"

اور بعض نے کہا ہے کہ:

"تصوف کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ اور خلقت کے ساتھ

معاملہ صاف رکھنا۔"

متصوفین کی بعض اغلاط:

متصوفین علم سے اس لئے رکے کہ مقصود عمل ہے، مگر جب علم کا چراغ گل ہوا تو سب کچھ گم ہوگیا۔ اور بعض نے دنیا کو کلی طور پر ترک کرنے کو تصوف سمجھا، لہٰذا انہوں نے بدن کی اصلاح والی چیزیں چھوڑ دیں (جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے)۔

اور بعض نے بوجہ کم علمی کے موضوع احادیث پر عمل کیا اور یہ خبر نہ رکھی کہ اصل صحیح حدیث کیا ہے؟

اور بعض نے فقر، فاقہ، وساوس اور خطرات کو لیا: حارث محاسبی نے کتابیں لکھی ہیں، اور بعض نے مذہب تصوف کو ترتیب دی، اس میں مرقع (فقیروں کی گدڑی)، سماع، رقص اور تالیاں پیٹنا وغیرہ سے اُسے تمیز بخشی، ہاں: کبھی کبھی وہ اعتدال پر بھی رہے اور کبھی عمل سنت سے افراط وتفریط میں پڑ گئے، اور اس کا نام علم باطن رکھا۔

بعض صوفیہ حلول کے قائل ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں میں ربوبیت کے معنی سے حلول کیا ہے، حتیٰ ان میں داخل ہوا، اور ان سے

سے ان کو معاف فرمائیں گے۔ مگر ہمارا ان کی ان کوتاہیوں کو بیان کرنا ان پر تنقید کرنے کی غرض سے نہیں۔ بلکہ اس کی غرض صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم اور آپ ان غلطیوں سے بچ پائیں۔

صوفیہ کرام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مال سے متنفر ہو گئے، اگر چہ کفایت معاش کی مقدار مال کو چھوڑ دیا ان کو یہ سبب آتا تھا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے محتاج نہیں تھے، یا ہمارا مال ہی کے لئے خرچ کر دیا کہ ان میں شبہ تھا یا باپ بیٹوں کا اپنا مال تھا، جس سے وہ بھاگتے تھے تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔

لیکن اگر کفایت معاش کی کوئی جائز صورت نکلتی ہے تو سب مال اڑا دینا گو خیرات میں ہی کیوں نہ ہو مذموم و ممنوع ہے۔ صوفیہ کرام نے مال کے ترک کرنے میں جن حدیثوں سے استدلال کیا ہے وہ اکثر ضعیف ہیں، اور ان کے جوابات واضح طور پر امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "تلبیس ابلیس" کے باب دوم میں دیئے ہیں، وہاں ضرور دیکھ لیں۔

ہاں! اس امر کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مال جمع کرنے میں فتنہ کا خوف ہے اور مال کے ہوتے ہوئے دل کا آخرت کی یاد میں مشغول ہونا شاذ و نادر ہے۔ مگر بقدر کفاف مال حاصل کرنا ضروری ہے۔ لیکن مال کا بڑھانا اگر فخر و غرور کی نیت سے نہ ہو، بلکہ نیک کاموں کو سرانجام دینے کے لئے ہو تو بہت سی عبادتوں سے افضل ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مال جمع کرنے میں بڑا مقصود ہو یا ناجائز طریقے سے جمع کیا جائے۔ بہرحال مال فی نفسہ برا نہیں، اس لئے کہ اگر مال نہ ہو تو کوئی کام نہیں ہو سکتا، نہ جہاد، نہ حج، نہ زکوۃ، نہ مسجد کی تعمیر، نہ یتیم پروری، نہ بیوہ کی خبر گیری، نہ علم پڑھنا اور پڑھانا، نہ ماں باپ، بچے اور استاذ کی خدمت وغیرہ وغیرہ۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

اس زمانے میں مال ایک ہتھیار ہے، سلف کرام ہمیشہ مال کی تعریف کیا کرتے تھے، اور زمانے کی آفات اور حوادث سے بچنے کے لئے جمع کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو سال بھر کا خرچ دے دیتے تھے، لہٰذا توکل کا معنی خدا تعالیٰ پر اعتماد کرنا ہے، نہ کہ مال اور اسبابِ تجارت کو دور کرنا، لہٰذا مال بھی ہو اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد بھی، اور یہ دونوں چیزیں جمع ہو سکتی ہیں۔

اوائل صوفیہ ورع اور زہد کی وجہ سے مال سے علیحدہ ہوتے تھے، اور متاخرین صوفیہ میں سے اکثر حضرات کسب کی پوری قوت کے باوجود لنگر خانہ یا مسجد کو اس لئے اختیار کرتے ہیں تاکہ کمانا نہ پڑے، اور فقر کی شہرت ہو، اسی لئے تو راشی اور ظالم کی خیرات کو بھی رد نہیں کرتے، امیروں کی مجالست، موانست اور محبت کو نعمت عظمیٰ اور خدا تعالیٰ کا فضل سمجھتے ہیں، اور اس کا نام فتوح الغیب خدا تعالیٰ کا عطیہ رکھا ہے، جس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ (حالانکہ یہ سب خلافِ شرع ہے)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتبہ چیز کھانے سے منع فرمایا ہے۔"

ایک صوفی کسی ظالم امیر کے پاس گیا، جا کر امر معروف کیا، جب اس امیر نے کچھ دیا، تو صوفی نے لے لیا، اس پر امیر کہنے لگا کہ: ہم سب لوگ شکاری ہیں، مگر ہر ایک کے جال مختلف ہیں۔

ایک شخص کسی بزرگ سے ملنے گیا، وہاں شیخ کے بارے میں پوچھا، تو معلوم ہوا کہ وہ فلاں امیر کو خلعت ملنے کی مبارک باد دینے کے لئے گئے ہیں، اور وہ امیر مشرک وظالم تھا، وہ شخص یہ قصہ سن کر متعجب ہوا، اور کہنے لگا کہ: (مکر کے لئے) کیا یہ

کافی نہ تھا کہ دکان کھول رکھی ہے؟ ظالم امیر کے پاس گئے تاکہ ضمیر فروشی کریں۔

یاد رکھنا چاہئے! کہ تصوف فنا، بقا، سکر اور صحو کی تقریریں کرنے کا نام نہیں، یہ تو علم ہے، بلکہ تصوف قرآن کریم اور حدیث شریف کے الفاظ، معنی اور حقیقت سے رنگے جانے کا نام ہے، اس کا نام صبغۃ اللہ ہے، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِکَ، آمین! نیز واضح ہو کہ اصل چیز اعتقاد صحیح اور عمل صادق ہے، نہ کہ باکمال معارف، معارج اور مدارج کی تقریریں!

لباسِ شہرت:

بعض صوفی لباسِ شہرت یعنی مرقع (گدڑی) پیوند لگا کر پہنتے ہیں، تاکہ صوفی اور بزرگ سمجھے جائیں، اور اس کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ بزرگ ایسا لباس پہنا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ ان صوفیہ کو مغالطہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ وہ بزرگ تو صرف ضرورۃً پیوند لگاتے تھے، مگر اب بے ضرورت پیوند لگائے جاتے ہیں، نیز اس میں فقر و افلاس کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض صوفی اپنی صوفیت دکھانے کے لئے رنگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، جبکہ پہلے لوگ رنگین کپڑے محض اس لئے پہنا کرتے تھے کہ ان کو صابن وغیرہ کی طاقت نہ تھی، جبکہ اب دکھانے کے لئے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے، فافہم!

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

خدا تعالیٰ کھوئے، ان کم بختوں کو! کہ ان لوگوں کو کیا ہوگیا؟ کہ وہ اپنے دلوں میں تو کبر و غرور پوشیدہ رکھتے ہیں، مگر لباس میں عجز و تواضع ظاہر کرتے ہیں، خدا کی قسم! ان لوگوں کو اپنے اس لباس پر اس سے بھی زیادہ غرور ہے، جتنا کہ دوشالے والے کو

اپنے روشالے پر۔ سلف صالحینؒ اوسط درجے کا لباس پہنا کرتے تھے، جمعہ عید اور بھائیوں کی ملاقات کے لئے جاتے تو قیمتی لباس اختیار کرتے تھے۔

تمیم الداری رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار درہم کا ایک حلہ مول لیا، اور وہ اس کو پہن کر تہجد ادا کیا کرتے تھے۔

محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نامی ایک بزرگ سے مروی ہے کہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اونچے درجے کا لباس پہنا کرتے تھے۔

معیوب وہ لباس وہ ہے جس میں زہد و افلاس کا اظہار پایا جائے، ایسا لباس گویا خدا تعالیٰ کی شکایت کا ذریعہ اور پہننے والے کی حقارت کا سبب ہے۔

سماع اور رقص کے بارے میں اغلاط:

ابوجعفر طبری نے بیان کیا ہے کہ:

جس شخص نے لہو و لعب کی چیزوں کو سب سے پہلے نکالا ہے، وہ ثوبان ہے، اس کے زمانے میں ہی ہلابیل بن قینان نے آلاتِ لہو جیسے: بانسری، طبل اور عود وغیرہ ایجاد کئے تھے، قابیل کی اولاد لہو و لعب میں پڑ گئی، تو آخر الامر فواحش اور شراب پینے تک معاملہ جا پہنچا۔

جاننا چاہئے کہ: شیطانی لذات کے آلات میں ایسی چیز رکھی گئی ہے کہ ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری لذت کی چیز حاصل ہوتی ہے، ابلیس نے پہلے گانے بجانے میں لذت دکھائی، پھر طنبور وغیرہ سے، اور آخر میں شراب، زنا اور دیگر فواحش وغیرہ تک پہنچا کر کفر و شرک میں مبتلا کر دیا۔

فقیہ و سمجھدار وہ ہے جو اسباب و نتائج پر غور کرے، مثلاً: اگر شہوت کا خوف نہ ہو تو امرد یعنی بے ریش لڑکے اور تین سال سے کم عمر لڑکی کو دیکھنا اور چومنا جائز

ہے، اور اگر شہوت کا خوف ہو، تو حرام اور ممنوع ہے۔

اسی طرح محض اچھی آواز اور صحیح کلام سننا جائز ہے، اور اگر یہ ذکر اللہ اور باجماعت نماز سے روکے، اور فواحش تک پہنچائے تو ممنوع ہے، کیونکہ وہ معصیت و گناہ کا متضمن ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ تمام انسانوں کی طبیعتیں مشترک اور مساوی ہیں، کبھی بھی مختلف نہیں ہوتیں، اگر کوئی جوان سلیم البدن صحیح المزاج آدمی دعویٰ کرے کہ حسین وخوبصورت شکلیں دیکھنے سے وہ بے قرار نہیں ہوتا اور اس کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اس کے دین میں خلل نہیں آتا، تو ہم ایسے شخص کو جھوٹا کہیں گے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ راگ باجا اور محبت کے عشقیہ اشعار سننے سے اس کے دل پر اثر نہیں ہوتا، تو یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ ہر طبیعت اپنے مطمح نظر اور محبوب کی طرف اشعار کو منطبق کرے گی، اسی سے لذت پائے گی، شوق بڑھ جائے گی، پھر جان، مال، عزت اور سب کو قربان کرے گی، کیا آج کی دنیا کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں شیفتہ اور فریفتہ ہیں؟ کیا نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ایک دوسرے کو دیکھنے، اور اشعار عشقیہ سننے سے محبت محمد مقبول نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام بڑھے گی؟ اور رحمت الہیہ کی بارش ہوگی؟

اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ہمارا قلب مصنوع سے صانع اور مخلوق سے خالق کو دیکھتا ہے، تو کیا صانع کی صنعت نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں ہی میں منحصر ہے؟ اگر ایسا ہے تو کسی اور مصنوع پر عاشق کیوں نہیں ہو جاتا!

نیز مسلم و مؤمن اور ایمان و اسلام کا دعویٰ رکھنے والے پر واجب اور لازم ہے کہ فرمان قرآنی اور سنت نبوی پر جان دے دے، نہ کہ طبیعت و ہوائے نفسانی کے

پیچھے چلے، لہٰذا جب شرعاً غیر محرم کو دیکھنا ممنوع ہے تو کیوں پرائی عورت یا امرد کو تاکتا ہے؟! اللہ و رسول سے حیا نہیں کرتا؟

آلات لہو سے اشعار سننا اجماعاً ممنوع ہے، اور ویسے زبانی غلط اشعار سننا بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ چیزیں مبادی زنا ہیں؛ اور جو چیز حرام کا سبب ہو، وہ بھی حرام ہوا کرتی ہے، کیا ایسی حالت شہوانیہ میں ان چیزوں کا سننا کتب تصوف میں حرام نہیں لکھا؟ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

وہ اشعار جن میں خوف خدا ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح صحیح مدح و ثناء، تعریف اور گناہوں سے زجر ہو ان کو آلات لہو کے بغیر اچھی کیفیت سے سننا درست اور محمود ہے، مثلاً:

اذا ما قال لي ربي
أما استحييت تعصيني
وتخفي الذنب من خلقي
وبالعصيان تأتيني

ترجمہ:۔ "جب مجھے میرا خدا فرمائے گا کہ: تجھے میری نافرمانی کرتے شرم نہ آئی؟ تو میری مخلوق سے گناہوں کو چھپاتا تھا، اور میرے سامنے گناہ کرتا تھا۔"

اگر کوئی یہ بات کرے کہ طرب انگیز اشعار (نشاط میں آکر ناشائستہ حرکات کرنے کا نام "طرب" ہے) اور ایسے اشعار جو دنیا اور عورتوں کی محبت پیدا کرنے والے ہوں، مجھ پر اثر نہیں کرتے، تو اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے؛ کیونکہ تمام انسانوں کی طبیعت یکساں ہے، جو طرب انگیز اشعار و کلام سے طرب ناک ہوگی اور نفرت والے کلام سے اس میں نفرت پیدا ہوگی، کیونکہ انسان بہرحال بر مٹی، گھٹے، لذیذ اور

مطرب وغیرہ سے متاثر ہوگا، ہاں اگر کوئی گدھا ہے، تو گدھا ہی رہے گا اور اس سے متاثر نہیں ہوگا۔

یاد رکھنا چاہئے! کہ راگ باجا سننا مذاہب اربعہ میں حرام ہے، گو ذکر الٰہی قوالی کا مرکب ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ سنت کے خلاف ہے، اس کی حرمت پر احادیث صحیحہ اور آثار کثیرہ وارد ہیں، یہ چھوٹا سا رسالہ ان کی تفصیل کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

بعض صوفیہ نے غزل، قافیہ بند اشعار کو جو جائز رکھا ہے، اس سے راگ باجے والی کلام مراد نہیں ہے، بلکہ زبان سے صحیح اشعار سننا مراد ہے، اور آج کل کے متصوفین کے ہاں اس کے جواز کی چند وجوہ ہیں، مثلاً:

۱:... ایک یہ کہ ایسا کرنے سے دُنیا میں ولی مشہور ہوگے۔

۲:... دوم یہ کہ عوام و خواص اور مرد و زن کا انبوہ و اجتماع ہوگا، نذر و نیاز خوب آئیں گی، پیری کا سلسلہ خوب پھیلے گا، بلکہ لنگوں تک جائے گا، عوام اس سے جواز کی دلیل پکڑیں گے، خلاف سنت کا خوب ڈنکا بجے گا، اور آج کل تو سنت کے خلاف کرنے میں دولت، عزت، شوکت اور شہرت ہے ہی، معاذ اللہ!

یاد رکھنا چاہئے کہ راگ باجے کے سننے کو، خصوصاً بے ریش لڑکوں اور عورتوں کے زلف، رُخسار اور حسن پر مشتمل اشعار کو اُمتِ مرحومہ اور تمام علمائے محققین نے حرام فرمایا ہے، محض زبانی اشعار سننے کو مباح کہا ہے، مگر گناہ و معصیت کی رغبت نہ دلانے، اور نیکی کی رغبت دلانے والے اشعار سننے کو مستحسن کہا ہے، پھر اگر کوئی شخص حرام یا کراہت والی چیز کو موجبِ قربِ الٰہی سمجھے، تو یہ کفر ہے، مگر افسوس! کہ آج کل کے متصوفین تو راگ باجے والے سماع کے موجبِ قربِ خداوندی، مشاہدۂ حق، تجلی ذات، صفات یا افعالِ الٰہی ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے، آمین!

آج کل کے صوفیہ کے عجائبات:

موجودہ دور کے صوفیہ وجد و طرب میں خوب اُچھلتے کودتے ہیں، اسی حال میں کسی کو پکڑ لیتے ہیں، ان کے مذہب میں یہ جائز نہیں کہ جس کو پکڑا اور کھینچا جائے، تو وہ بیٹھا رہے، اسی طرح دوسرے سب بھی کھڑے ہوجاتے ہیں، اور سر ننگا کرتے ہیں، اگر کوئی سر ننگا نہ کرے، تو معیوب و معتوب سمجھا جاتا ہے، اسی کو قرب الٰہی سمجھتے ہیں، حالانکہ کسی عاقل پر مخفی نہیں کہ سر کھولنا قبیح، آدمیت سے دوری اور ترک ادب ہے، صرف مناسک حج میں اللہ تعالیٰ کے آگے اظہار عبودیت اور عاجزی کے لئے احرام میں سر ننگا کرنا چاہئے، اور بس!

بعض صوفی کپڑے وغیرہ گانے والے پر پھینکتے ہیں، کبھی سالم اور کبھی پھاڑ کر، اور ارشاد الٰہی: "وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ" (الاعراف:۱۵۰) سے اس پر استدلال کرتے ہیں، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تختیوں کو زمین پر رکھنے کے لئے ڈالا تھا، نہ کہ توڑنے کے لئے۔ پھر اگر بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بے خود تھے، اور یہ لوگ ہوش میں ہوتے ہیں۔

نیز دورِ حاضر کے صوفیہ کا ذوق و مذہب ہے کہ وہ توبہ و استغفار کے وقت سر کھول دیتے ہیں، حالانکہ یہ بھی بدعت ہے، اگر کسی نے سر کھولنے والے طریقے کو درست نہ سمجھا تو اس پر تاوان لگاتے ہیں۔

بعض صوفیہ حضرت کعب بن مالکؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے توبہ قبول ہونے کے وقت سارا مال دے دیا تھا، لہٰذا قبول توبہ کے وقت سارا مال لٹا دینا چاہئے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ مقبولیت توبہ کے شکریہ میں حضرت کعب بن

مالکؒ نے خود بھی سارا مال خیرات کیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا تھا، اب بھی اگر کوئی اپنا سارا مال خیرات کر دے، تو درست ہے،
مگر توبہ کی سنت نہ سمجھے، اور نہ ہی کوئی دوسرا، مثلاً شیخ یا دوست اس کو واجب
کرے، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جیسے کوئی شریعت سے نکلیں ہی ہوں۔

من جملہ صوفیہ کی اغلاط کے یہ ہے کہ بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ
خوب صورتوں جیسے بے ریش لڑکے یا عورت وغیرہ میں حلول کرتا ہے، اور اسی کو
ربوبیت کے معنی سے ایک معنی سمجھتے ہیں، اور اسی کو مشاہدۂ حق کہتے ہیں، اور اس
حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"تم خیر کو اچھی صورتوں کے پاس طلب کرو۔"

حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے، کذا فی تلبیس ابلیس، اسی لئے یہ "نیک
بخت" لڑکوں اور عورتوں کے پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں، معاذ اللہ!

من جملہ صوفیہ کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ شہزادوں کے پاس آتے جاتے
ہیں، حالانکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ:

"تم شہزادوں کے پاس نہ بیٹھو، کیونکہ ان کا فتنہ دوشیزہ
لڑکیوں کے فتنے سے بھی سخت ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

عبدالعزیز بن ابی السائبؒ سے منقول ہے، وہ کہتے تھے کہ:

"میں عابد شخص پر ایک امرد لڑکے کے بارے میں ستر
لڑکیوں سے بھی زیادہ ڈرتا ہوں۔"

ابوعبدالرحمن سلمیؒ نے ابوبکر رازیؒ سے نقل کیا ہے کہ:

"صوفیہ کی آفتیں نوجوانوں کی صحبت، بدعتی کی ہم نشینی اور عورتوں کی رفاقت میں پائی گئیں۔"

من جملہ اغلاط صوفیہ کے یہ بھی ہے کہ صوفیہ ترک اسباب اور ہر چیز کے ترک کو توکل کہتے ہیں، وہ لوگ صرف اسی کو توکل کہتے ہیں کہ انسان انجام بینی کو ترک اور اپنی حفاظت کو چھوڑ دے، اور کسی احتیاط و احتراز سے کام نہ لے، حالانکہ علماء کرام کے نزدیک یہ چیز توکل نہیں، بلکہ عجز و تفریط ہے۔

کیونکہ توکل یہ ہے کہ انسان کا دل فقط اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اور اسباب عادیہ ظاہریہ کو بھی ترک نہ کرے، جیسے اولاد کے لئے شادی کرنا، قوام بدن کے لئے کھانا پینا، اور تحصیل علم کے لئے پڑھنا وغیرہ، ہاں! اسباب پر سہارا نہ ہو، بلکہ سہارا محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو، جیسے کفار سے جنگ کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آلات جہاد کا اہتمام فرمایا، بدن مبارک پر خود و زرہ پہنی۔ صحابہ کرامؓ سے مشاورت کی، "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" (اصحاب سے مشورہ کرو)، "وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ" (اپنے ہتھیاروں اور بچاؤ کو لازم پکڑو)، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہتھیار پہنے اور صحابہؓ کو ہتھیار لگانے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ کہ توکل بھی ہو اور اسباب بھی ساتھ ہوں، اس میں منافات نہیں، کیونکہ اسباب تو ہیں ارشادات و سنت نبوی پر عمل کا حیلہ، اور توکل اسباب سے نظر اٹھا کر اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے کا نام ہے۔

اور من جملہ اغلاط کے یہ بھی ہے کہ صوفیہ نے دین میں عجز و نیاز اور خشوع و خضوع نہ پانے پر نظر و سر جھکائے رکھتے ہیں، حالانکہ خشوع دل کی نیاز کا نام ہے، نہ کہ سر جھکائے رکھنے کا، نیز دل کی نیاز، اپنی عبدیت اور اپنی ناکارہ حالت پر نظر کئے بغیر سر جھکانے سے نہیں ہو سکتی، ہاں! سر جھکانے، نیاز کا اثر ہے نہ کہ اس کا، جیسے پہلے

کپڑے پہنتے اور نیازمندانہ الفاظ منہ سے نکالنے میں زُہد، ولایت اور کمالات کا اظہار، شہرت کا حب اور نمود کا حیلہ ہے، تاکہ لوگ بڑا زاہد سمجھیں اور دوڑ کر معانقہ میں ہاتھ چومیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس صوفی کے پاس لوگ آکر کہتے ہیں کہ ہمارے لئے دُعا کرو، ہمارے لئے دُعا کرو اور یہ صاحب ہر ایک کے لئے ہاتھ اُٹھا رہا ہے، گویا یہ اجابت نازل کرنے کا ٹھیکیدار ہے، غرض میں یہ نہیں کہتا کہ بزرگوں سے دُعا کی التجا ناجائز ہے، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اسکی حالت بتاتا کہ وہ دل میں عجز و نیاز نام کو نہیں۔ مگر نیاز نہ ہوتے ہوئے بھی دُعا میں ہاتھ اُٹھاتے جاتا گویا اجابت کا نازل کرنا، حاجت روائی و مشکل کشائی کرنا اور اپنی خیرخواہی دکھلانا ہے، ایسا انداز اگرچہ ظاہر میں انکساری ہے، مگر حقیقت میں نفاق ہے۔

اس عرض کا مقصد اس رُوحانی مرض کا اظہار و علاج ہے، نہ کہ دُعا منگوانے یا مانگنے سے روک تھام ہے، کیونکہ جس شخص نے اپنے دل کے خشوع سے زیادہ لوگوں کے سامنے خشوع کا اظہار کیا، تو اُس نے نفاق پر نفاق ظاہر کیا۔

تنہا اور بغیر اسباب کے سفر کرنے میں اغلاط:

اکثر صوفیہ سیر و سیاحت اور سفر تنہا کرتے ہیں، پھر نہ تو ان کا کسی مقام کا ارادہ ہوتا ہے، نہ طلبِ علم کی نیت اور نہ جہاد کا ارادہ، پھر وہ اس حرکت سے توکل کا دعویٰ کرتے ہیں، چنانچہ اُن سے اکثر فرائض اور فضائل فوت ہو جاتے ہیں، اور اسکی سیاحت کو ولایت کا سبب سمجھتے ہیں۔

جبکہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میرا جی چاہتا ہے کہ زمین میں سیاحت کروں، تو حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری

امت کی سیاحت جہاد اور حج و عمرہ ہے۔"

۲: تنہا سفر کرنا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا سفر کرنے سے منع کیا

ہے، اور فرمایا کہ:

۱:... "اگر لوگ تنہائی کا نقصان سمجھتے تو کبھی کوئی شخص

رات کو تنہا نہ نکلتا۔" (مشکوٰۃ ص:۳۳۸ بحوالہ بخاری)

۲:... "سفر ایک عذاب کا ٹکڑا ہے، جب تم سفر میں اپنی

حاجت پوری کرچکو، تو جلدی اپنے گھر واپس آؤ۔"

(مشکوٰۃ ص:۳۳۸ بحوالہ بخاری و مسلم)

لہٰذا جو شخص سفر کو اپنا شیوہ اور عبادت بنالے، وہ اپنی جان کو عذاب میں ڈالتا

ہے، یاد رکھو! قربتِ الٰہی امرِ مشروع میں ہے، نہ کہ ممنوع میں۔

من جملہ اغلاطِ صوفیہ کے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کسی کی موت پر رونا

نہ چاہئے، حالانکہ خلافِ فطرت بات ہے، ہاں! یہ دوسری بات ہے کہ تقدیر پر راضی

نہ رہنا اور ہاتھ پاؤں کو دُھننا، سر کے بال نوچنا، نوحہ کرنا، چلانا، دُوسروں کو رُلانا، گوشت

نہ کھانا، شادی کی رَسم کا ترک وغیرہ وغیرہ یہ اُمور ممنوع ہیں، اور روپے فراقِ اقربا،

احبا، پر غم کا آنا، آنسو بہنا اور غم کا کوئی کلمہ نکل جانا جیسے "یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ،

وَابْیَضَّتْ عَیْنَاہُ" اور جیسے فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت

پر "وَا کَرْبَ اَبَاہُ!" کہا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیمؓ کی

موت پر آنسو بہائے اور فرمایا: "اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ" (آنکھیں آنسو

بہاتی ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے)، یہ چیزیں محمود ہیں، اور یہ جسم کا حق ہے، جسے ادا کیا

جائے، اور روح کا حق رضا بالقضاء ہے، جو پورا ادا ہو، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت ابراہیمؓ یعنی اپنے بیٹے کی موت پر فرمایا: "وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا بِمَا یَرْضٰی

وغیر حصی" (اور نہیں کہتے ہم مگر وہ کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی پسند اور رضا ہے)۔ عارف کامل وہی ہے جو جسم کا حق بھی ادا کرے کہ آنسو آئیں، اور روح کا حق بھی ادا کرے کہ رضا بالقضا ہو۔ سبحان اللہ! وہ بھی پورا اور یہ بھی۔

من جملہ ان اغلاط کے یہ بھی ہے کہ کسی کے مر جانے کے بعد ایک دعوت کرتے ہیں جس کا نام "عرس" رکھتے ہیں، اس میں گانے گاتے ہیں، رقص کرتے ہیں، کھیلتے کودتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم اس بات کی خوشی مناتے ہیں کہ میت اپنے پروردگار سے جا ملی۔

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ علم اور علماء سے نفرت رکھتے ہیں، علماء کی مذمت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ علم میں مشغول ہونا بے کار و بے سود ہے، اور کہتے ہیں کہ: ہمارے علوم بلاواسطہ ہیں۔ غالباً جب انہوں نے دیکھا کہ علم کا حاصل کرنا دشوار ہے تو انہوں نے کوتاہ یا لمبے، صوفیانہ پیوند لگے کپڑے پہنے، اور ناموس کو رکھ کر اور زہد کا اظہار کیا:

خدا ہی ملا نہ وصال صنم!
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے!

یاد رکھنا چاہیے! کہ علم ایک چراغ ہے، اسے حاصل نہ کیا تو چراغ ہی نہ رہا، اور چراغ ہی نہ ہو تو سب کچھ کس کام کا؟! پھر کہتے ہیں: "علم کا مقصد عمل ہے" لیکن سوال یہ ہے کہ جب علم صحیح نہیں، تو عمل صحیح کیسے آئے گا؟ نیز کہتے ہیں کہ: "علم وہ ہے جو بذریعہ باطن آئے۔"

حالانکہ علم باطن وہ ہے جو ہواس نفسانی و شیطانی ہوں، ان ہواس کا پتہ بھی علم سے لگتا ہے، جب علم نہ ہوگا، تو ان میں امتیاز کیسے ہوگا؟

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ حقیقت و شریعت میں فرق کرتے

ہیں، حالانکہ یہ قول اس کے قائل کی نادانی پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ شریعت سب کی سب حق ہی ہیں، اگر اس سے مراد عزیمت و رخصت ہے تو وہ دونوں شریعت ہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ قانون پر عمل کرنا شریعت ہے، اور تمام آداب سے ادا ہونا حقیقت ہے، مثلاً نماز میں قیام رکوع سجدہ وغیرہ کا ادا کرنا شریعت ہے، اور اس میں خشوع و خضوع کا ہونا حقیقت ہے، پھر اس حقیقت کے اعلیٰ درجہ کا نصیب ہونا، یعنی اس طرح ادا کرنا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، یا اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، یہ حقیقت کا اعلیٰ درجہ ہے، مگر یہ بھی شریعت ہے۔

اور تمام دن، مادہ دنیاویت سے کھانے، پینے اور جماع کے ترک کرنے کا نام روزہ ہے، اور اس سے نفسانیت کا دفع کرنا یہ حقیقت ہے، تو یہ بھی شریعت ہے، اسی طرح زکوٰۃ، حج وغیرہ میں بھی شریعت ہیں، یہ نہیں، پس شریعت و حقیقت ایک ہی چیز ہے نہ کہ دو چیزیں، صرف تعبیر کا فرق ہے، پس اسی طرح شریعت و طریقت ایک ہی چیز ہے، اصطلاح تصوف میں اخلاق رذیلہ جیسے: حسد، کبر، ریا وغیرہ کے رفع کرنے، اور اخلاق حمیدہ جیسے صبر، توکل، تفویض، تسلیم وغیرہ کے حاصل کرنے کو طریقت کہتے ہیں، اور یہ بھی شریعت ہی ہے، مگر جہاں صوفیہ علیحدہ علیحدہ نام رکھ کر جہاں کو دھوکا دیتے ہیں، اور یہ سب چیزیں کتب تصوف میں صاف صاف موجود ہیں، مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہیں۔

ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"میں نے ابوسعید خراز سے سنا ہے کہ: جو باطن خلاف شریعت ہے، وہ باطل ہے۔"

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"سپاہی کو فقیہوں پر نگاہ رکھو (یعنی علماء)، اور جو شخص

ظاہر کو چھوڑے گا، ضرور زندیق ہو جائے گا۔“

ان کی من جملہ اغلاط کے یہ بھی ہے کہ متصوفین نے قرآن و حدیث کے معانی کو اپنی عقل و فہم پر لانے کی سعی کی، اور صحیح روایات کو بالائے طاق رکھا، کبھی تفسیر میں گفتگو کی، کبھی حدیث میں، کبھی فقہ میں، اور کبھی دوسرے علوم میں، مگر بغیر سند کے کلام کیا، اور سند بیان کی تو موضوع یا ضعیف، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صوفیوں کی سند میں تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے، اگر یہ لوگ کوئی کلام یا معنی یا مطلب بیان کریں، تو دیکھا جائے کہ اگر متقدمین ثقات کی روایات کے مطابق ہے، تو قبول کیا جائے، ورنہ نہیں، قیامت میں ہم سے وہی پوچھا جائے گا جو ظاہر قرآن و حدیث میں ہے، دقائق و حقائق کا سوال ہم سے نہ کیا جائے گا، ضرور یاد رکھیں!

ان کی من جملہ اغلاط کے یہ بھی ہے کہ ان میں سے بعض سے بڑے بڑے دعوے ظاہر ہوتے ہیں، چنانچہ کوئی کہتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ قیامت قائم ہو اور میں اپنا خیمہ دوزخ پر نصب کروں، پھر جب کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کیوں کرو گے؟ تو کہا کہ میں جانتا ہوں کہ جب دوزخ مجھے دیکھے گی تو سرد ہو جائے گی، لہٰذا میں مخلوق کے لئے رحمت ہو جاؤں گا۔

جاننا چاہیئے کہ علم تو خوف، کسر نفسی اور کثرت سکوت کا باعث ہوتا ہے۔

”اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا“ (فاطر:۲۸)

اللہ سے تو علماء ہی ڈرتے ہیں۔

علمائے سلف سے جب کوئی کلمات علیات منقول ہوئے تو ان پر خوف غالب پاؤ گے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ کہتے تھے کہ:

”کاش میں مومن کے سینہ کا ایک بال ہوتا!“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نزع کی حالت میں کہا کہ:

"اگر عمر بخشا گیا تو اس پر افسوس ہے!"

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے موت کے وقت حضرت حماد رحمہ اللہ سے کہا کہ:

"کیا تم اُمید کرتے ہو کہ مجھ جیسے شخص بخشا جائے گا؟"

یاد رکھنا چاہئے! کہ "عبد" اور "رب" دو متقابل چیزیں ہیں، جس کو "عبد" کہا جاتا ہے وہ "رب" نہیں ہوسکتا، اور جو "رب" ہے، اس میں عبدیت نہیں ہوسکتی، اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ اجماع سب مخلوق سے افضل و اکرم ہیں، مگر ان کا لقب اور کمال بھی عبدیت میں ہے، چنانچہ تمام اُمت کو نماز میں: "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ" پڑھنے میں بھی ان کی عبدیت کے اعلان کا حکم دیا گیا، اسی طرح معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو عبدیت سے بیان کیا گیا، چنانچہ فرمایا: "سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا۔ الخ"۔ اور عبدیت وہ ہے کہ جس میں دعویٰ نہ ہو، اور "عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ" کا اظہار بھی بحکم رب تعالیٰ ہے، پس انسانیت کا کمال عبدیت میں ہے، اور عبدیت میں دعویٰ نہیں ہوتا، اور جو بغیر اذن مدعی ہے، اس میں عبدیت ناقص ہے، بلکہ اس میں ربوبیت کے آثار میں سے انانیت کا دعویٰ موجود ہے، لہٰذا وہ کامل نہیں، اور جس انسان کو کمال نصیب ہوگا، وہ کمال عبدیت ہی سے آئے گا، اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے کنار عبدیت سے ہی حصہ ملا ہوا ہوگا، پس فانی فی اللہ اور باقی باللہ میں دعویٰ کہاں ہوگا؟ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے ترساں و لرزاں ہوگا، فافہم!

یاد رکھنا چاہئے: کہ من جملہ صوفیہ کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو سخت مجاہدہ و مشقت میں ڈالتے ہیں، کوئی تو ہمیشہ ٹھنڈا پانی نہیں پیتا، کوئی ساری رات

نہیں سوتا، کوئی سخت سردی والی میں اپنے آپ کو گراتا ہے، کوئی شادی کرنے سے اجتناب کرتا ہے، وغیرہ ذالک۔

حالانکہ مجاہدہ وہ مقبول ہے جو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو، اسی سے خودی مٹتی ہے، اسی میں مقبولیت ہے اور بس! لہٰذا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقے کو اپنی زندگی کا نظام بناؤ، وگرنہ خیر نہیں۔

صوفیوں کی اغلاط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بدنام کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کی نظر سے گر جائیں اور جاہ و مرتبہ کی آفتوں سے سلامت رہیں، خبردار! شریعت کی مخالفت کر کے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنا رتبہ بڑھایا نہیں، گرایا ہے، اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی عزت: "وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ" (المنافقون. ۸) کو ستایا ہے، پھر کیا جاہ و مرتبہ کی آفتوں سے بچنا خلاف شریعت سے ہی میسر آتا ہے؟ بلکہ اپنی اغلاط کو سوچتے رہنے سے بھی کبر، غرور اور عجب دفع ہو سکتا ہے۔

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ وہ علم شریعت کو حجاب اکبر کہتے ہیں، جو قطعاً درست نہیں! بلکہ علم شریعت سے دونوں جہان کی سعادت و سیادت میسر آتی ہے، اور رب تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے، مبدأ و معاد کا پتا چلتا ہے، اپنی نفسانیت کا علم ہوتا ہے، اور انسان کی انسانیت کا حصول و طروج بھی علم ہی سے ہے، ہاں! اگر کوئی علم شریعت سے دین فروشی کرے، رب تعالیٰ کو ناراض کرے، یا حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت و فرمان کے خلاف کرے، تو وہ علم بے شک حجاب اکبر ہے، یا اسی طرح اگر "اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَكْبَرْ" کا یہ مفہوم لیا جائے کہ علم غفلت اور جہل سے حجاب ہے تب بھی صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم!

ان کی من جملہ اغلاط سے یہ بھی ہے کہ ولایت کو نبوت سے افضل سمجھتے ہیں، اس لئے کہ نبوت کا تعلق خلقت سے، تبلیغ سے، تلقین سے اور جہاد سے ہے، اور

ولایت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اور یکسوئی و استغراق سے ہے، لہٰذا ولایت نبوت سے افضل ہے۔

اس مغالطے کا جواب یہ ہے کہ ولایت نبوت کا ظل اور سایہ ہے، اور نبوت اصل ہے، بھلا ظل کو اصل پر کیسے فضیلت؟ ولایت نبوت کا ظل اس لئے ہے کہ ولی کے لئے اتباع نبی ضروری ہے اور ولی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک فرمانِ نبی پر نہ چلے، چنانچہ وہ نبوت کی عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، اعتقادات وغیرہ میں اس قدر دقت سے اتباع کرے کہ ذرا بھر بھی خلاف نہ ہو، تب ولی کو ولایت خاصہ عطا ہوتی ہے، اسی لئے ولایت ظلِ نبوت ہے۔ لہٰذا ولایت نبوت کے مقابل نہیں ہے، اور نہ ہی ولایت کوئی علیحدہ مقام ہے، حتیٰ کہ نبوت الگ ہو اور ولایت الگ ہو، یہ نہیں، بلکہ ولایت اتباعِ نبوت کا نام ہے، پھر ولایت کو نبوت سے افضل کہنا جہل محض ہے۔ یہ بھی جہال کا حمق ہے کہ نبوت کے اتباع کی ضرورت نہیں، صرف ولی کا اتباع ہونا چاہئے۔

نیز اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک ولایت، اور دوسری نبوت، جبکہ ولی میں صرف ولایت تو ہوتی ہے مگر نبوت نہیں ہوتی، تو مطلب یہ ہوا کہ نبی کی ولایت، نبی کی نبوت سے افضل ہے، اس لئے کہ نبی کی ولایت سے تبلیغ ارشاد، جہاد، تعلیم، اور تعلق باللہ سے منع نہیں ہوتی، چنانچہ نبی کو تعلق بالحق ہوتے ہوئے بھی تعلق بالخلق پورا پورا ہوتا ہے۔ لہٰذا نبی جامع بین الحیثیتین ہے، بخلاف ولی کے کہ اس میں تعلق بالخالق تو ہے، تعلق بالخلق کم درجہ ہے، اسی لئے نبی افضل ہے۔

من جملہ اغلاطِ صوفیہ کے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں رحمت کی امید کافی ہے، اللہ تعالیٰ کو ہمارے گناہوں پر سزا دینے سے کیا فائدہ ہے؟

اس مغالطے کا جواب یہ ہے کہ تمنی (آرزو) اور رجا یعنی امید میں فرق یہ ہے کہ تمنی یہ ہے کہ کام تو کچھ نہ کرے، مگر امید اچھائی کی رکھے، جیسا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کو ذلیل کرے اور آخرت کے لئے عمل کرے، اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس اور خواہش کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں رکھے (اور مغفرت کی تمنا کرے)۔" (مشکوٰۃ ص ۴۵۱)

اور رجا یعنی امید کی یہ ہے کہ نیک کام کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور مقبولیت کی امید رکھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ" (البقرۃ ۲۱۸)

ترجمہ... "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے۔"

تو رجا کے لئے تین چیزیں فرمائیں: امنوا، هاجروا، جاهدوا۔ یعنی پہلے یقین پکا ہو، پھر گناہ سے بچے، اور عبادات میں کوشش کرے، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں، لہٰذا یہ جاہل صوفی جو کچھ کہتے ہیں وہ قرآن کے خلاف ہے۔

امید کے متعلق:

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اخلاقِ رذیلہ: شہوت اور غصہ وغیرہ بالکل جڑ سے نابود ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے، بلکہ ریاضت و

مجاہدہ کا یہ مطلب ہے کہ احکام شریعت کی تعمیل میں نفسانیت کی رکاوٹ نہ ہو، غصہ ابھرے تو اعتدال میں رہے، شریعت کی حد سے نہ بڑھے، اسی طرح خواہش بھی حد شرعی سے بڑھ کر فسق وحرص تک نہ جائے۔

اسی طرح اخلاق رذیلہ بھی حد شرعی سے متجاوز نہ ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے: "والکاظمین الغیظ" (آل عمران:۱۳۴) فرمایا ہے، اور "والفاقدین الغیظ" نہیں فرمایا، اور: "ونھی النفس عن الھوی" (النازعات:۴۰) فرمایا ہے، اور یہ نہیں فرمایا کہ بالکل خواہش ہی نہ رہے۔

"یہ جملہ ان کی اغلاط سے یہ بھی ہے کہ آج کل کے صوفیہ نے متقدمین صوفیہ کے الفاظ کو جو صادق صحیح پر مستعمل تھے، انہیں اپنے تخیل اور خواہش نفسانی پر اطلاق کرنا شروع کر دیا، مثلاً طرب کو وجد، اور راگ کو قوالی، بدعت کو وقت، اور کپڑے بانٹ لینے کو خرقہ کہہ دیا ہے، حالانکہ وجد وغیرہ شرعی اعتبار سے ایک حالت واردہ تھی اور وہ بے اختیار تھی، مگر یہ لوگ اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے اور اپنے کو عارف دکھلانے کے لئے من گھڑت چیزیں جہان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت صحیح مقبول عطا فرمائے۔"

یاد رکھنا چاہئے! کہ آج کل کے متصوفین کی اغلاط تو بے شمار ہیں، مگر ان میں سے چند ایک بطور نمونہ مشتے از خروارے پیش کی ہیں، واللہ الہادی!

باب یازدہم

مشابہ کرامت کو ولایت سمجھنا:

یہ بار عرض کرتا ہوں کہ شیطان کم علمی کے مطابق ہی انسان پر قابو پاتا ہے، چنانچہ جتنا علم کم ہوگا، شیطان کا غلبہ اتنا ہی زیادہ ہوگا، اور جتنا علم دین زیادہ ہوگا،

شیطانی غلبہ بھی اتنا ہی کم ہوگا۔

بعض اوقات عابدین کو روشنی اور نور نظر آتا ہے، کبھی تو وہ نور اور روشنی عناصر کی لطافت سے ہوتی ہے، جیسے: آگ لالٹین میں ہو، تو وہ زیادہ روشن ہوتی ہے، اور اگر آگ گیس بتی میں ہو تو اس سے زیادہ روشن ہوتی ہے، اور اگر وہ روشنی بجلی کے ذریعہ ہو تو روشنی اس سے بھی زیادہ ہوگی۔

کبھی یہ روشنی حواسِ خمسہ ظاہرہ کی لطافت سے ہوتی ہے، چنانچہ بعض لوگ حسِ باصرہ میں مشق کرتے کرتے دور سے دیکھ لیتے ہیں، حسِ سامعہ میں مشق کرتے کرتے دور سے سن لیتے ہیں اور حسِ خیال میں تصرف کرتے کرتے اس سے عجائبات دکھاتے ہیں۔

کبھی یہ روشنی لطائف کی روشنی ہوتی ہے، یعنی قلب اور روح وغیرہ کی، پھر یہ روشنی کبھی سینے کے اندر معلوم ہوتی ہے، اور کبھی باہر اور قریب تک جاتی ہے، اور کبھی دور تک، اور یہ تمام چیزیں بعض حضرات کو ریاضتوں سے حاصل ہوسکتی ہیں، یہ کوئی کمال نہیں، بدعتی کو بھی حاصل ہوجاتی ہیں، صاحبِ سنت کو بھی حاصل ہوا کرتی ہیں، بدعتی کو نورِ ناری سے، اور سنت پر عمل کرنے والے کو نورِ نبوت سے، اس میں امتیاز ماہر و عالم شیخ ہی کرسکتا ہے، کمال یہ ہے کہ سنتِ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صحیح عمل ہوجائے۔

ما برائے استقامت آمدیم
نہ پئے کشف و کرامت آمدیم

ترجمہ: ”ہم استقامت کے لئے آئے ہیں، نہ کہ کشف و کرامت کے لئے۔“

جاہل یہ نور دیکھ کر اسے ولی اللہ سمجھتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہونا اتباعِ سنت، تقویٰ اور اعتقادِ توحید سے ہوتا ہے، نہ کہ نور اور کشف سے۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ نور کا دیکھنا منقول ہے، نہ کرامت کا ظہور، کیا وہ ولی اللہ نہ تھے؟

کبھی جاہل عابد کو کسی چیز کا خیال آتا ہے اور وہ چیز فوراً آجاتی ہے، ممکن ہے کہ یہ کرامت ہو، یا شیطانی دھوکہ۔ مثلاً پیسے کی ضرورت تھی اور جتنے پیسے کی ضرورت تھی، اتنے ہی راستے میں مل گئے، تو جاہل یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھیجے ہیں، جبکہ دراصل شیطان نے کسی کے پیسے چوری کر کے اس کے رستے یا جیب میں ڈال دیے، اب ان کا استعمال کرنا جبکہ یہ پتا بھی نہیں کہ یہ کہاں سے آئے ہیں؟ کیونکر جائز ہوگا؟ اور جاہل اسے اپنی کرامت سمجھ کر عجب اور خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

باب دوازدہم

عوام پر تلبیس:

اکثر عامی انسان ذاتِ الٰہی اور صفاتِ حق میں غور کرنے سے گمراہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ غور کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کو ایک صورتِ مصورہ سے متصف، مثلاً: ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان اور ناک رکھنے کا محتاج سمجھ بیٹھتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ وہم، فکر اور خیال سے اونچی ذات ہے:

تواں در بلاغت بسحبان رسید
نہ در کنہ بیچون سبحان رسید

کبھی شیطان، عوام کو مذہبی تعصب کی رو سے بہکاتا ہے، جس کی وہ حقیقت بھی نہیں جانتا، مگر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے، چنانچہ بعض لوگ حضرت ابوبکر کو اور

بعض حضرت علی رضی اللہ عنہا کو خدا کہتے ہیں، بعض تقدیر کے انکار، بعض قیامت کے انکار، بعض برادری کے رسم و رواج کی وجہ سے، اور بعض اپنی عقل کو روشن سمجھنے کی وجہ سے قرآن و حدیث کا انکار کرتے ہیں، اور بعض، علماء پر رد و نکیر اور ان سے نفرت کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں، جبکہ بعض لوگ خلاف سنت پیروں کی سخت محبت رکھنے کی وجہ سے دوزخ میں گرتے ہیں، اور بعض جاہل نوافل میں شب و روز تندہی کرتے ہیں، مگر فرائض میں غفلت کرتے ہیں، بعض رات دن ذکر کریں گے، مگر باجماعت نماز میں شریک نہ ہوں گے، یہ عجب دھوکا ہے۔

بعض جاہل مال داروں کو شیطان مال کے حصول و وصول میں گمراہ کرتا ہے، حلال طریقے سے مال آئے یا حرام راستے سے، لے لیتے ہیں۔

بعض مال دار، زکوٰۃ نہیں دیتے یا کچھ ادا کرتے ہیں، مگر پوری زکوٰۃ دینے سے جی چراتے ہیں، تاکہ بخیل بھی مشہور نہ ہوں اور شہرت بھی ہو جائے، اور بعض زکوٰۃ دینے میں حیلہ کرتے ہیں، چنانچہ اپنا سارا مال بیوی کی ملک کر دیا، اور برس گزرنے سے پہلے بیوی نے میاں کی ملک کر دیا، نہ برس پورا ہوا اور نہ زکوٰۃ واجب ہوئی۔

بعض زکوٰۃ تو نہیں دیتے مگر مساجد، سڑکوں اور پلوں پر مال خرچ کرتے ہیں، فرض سے کنارہ کشی اور مستحب و مباح میں تندہی: یہ بھی دھوکا ہے، اور بعض لوگ صرف رمضان میں مسجدوں کے لئے چراغ بھیجتے ہیں، حالانکہ سارا سال مسجدوں میں اندھیرا رہتا ہے، یہ سب کچھ شہرت کے ارادے یا کسی دوسری نیت سے ہوتا ہے۔

بعض مال دار خیرات کر کے فقیر سے اپنی مدح و دعا چاہتے ہیں، مال دار کو چاہئے کہ مال اللہ تعالیٰ کے لئے دے، فقیر مدح کرے یا نہ کرے، دعا کرے یا نہ کرے، اس کو اس کی توقع نہ کرنی چاہئے، ہاں! فقیر کو چاہئے کہ محسن کے لئے دعا

کر دے، مال دار پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دے اور بس! بعض مال دار، فقیروں کو خوب کھلاتے ہیں مگر گھر والوں اور بال بچوں کو تنگ رکھتے ہیں، اور فقیر اکثر غنی ہوتے ہیں، مگر فقیرانہ لباس پہن کر، زبان سے یا اپنے لباس کے انداز سے سوالی بنتے ہیں، نیز بعض فقیر اپنے آپ کو مال داروں سے اچھا سمجھتے ہیں۔

اکثر جاہل، کاہن، نجومی اور رمال (فال نکالنے والے) کی بات پر یقین کرتے ہیں، مگر قرآن و حدیث سے روگردانی کرتے ہیں، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

> "جو شخص نجومی کے پاس آئے اور اس سے کچھ پوچھے
> تو چالیس روز تک اس کی نماز مقبول نہ ہوگی۔"
>
> (مشکوٰۃ ص: ۳۹۲ بحوالہ صحیح مسلم)

عوام کی عادتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ریشم کے لباس اور سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں، اور بُری بات پر نرد و تکبیر کو مہمل جانتے ہیں، اور بازاری حمام میں بغیر تہبند کے داخل ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ بی بی کا پورا حق ادا نہیں کرتے۔ اور یہ بھی ہے کہ میت کو صندوق میں رکھ کر دفن کرتے ہیں اور بیش قیمت کفن بناتے ہیں، اور قبروں کی تعظیم میں حد سے بڑھتے ہیں، اور اپنی حاجتوں میں میت کو خطاب کرتے ہیں، اور اسی مضمون کے رقعے لکھتے ہیں، گویا سماع موتی کے اعتقاد کے بعد انہیں خود مختار یا شفیع مطلق مانتے ہیں، اور تبرکاً قبر کی مٹی لے جاتے ہیں۔

عوام میں سے عورتوں پر شیطان کا فریب زبردست ہے، چنانچہ باوجود قدرت کے فرض نماز بیٹھ کر پڑھتی ہیں، حالانکہ ہر امام کے نزدیک قیام کی قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھنا ناجائز ہے، اس سے فرضیت ادا نہیں ہوتی، نوافل ہو جائیں

ہی۔ معمولی عذر پر نماز چھوڑ دیتی ہیں، اکثر عورتیں واجبات وسنن نماز نہیں جانتیں، بلکہ غسل کے فرائض تک کا ان کو پتہ نہیں، بلکہ جنابت (ناپاکی) میں رہتی ہیں، اور بعض عورتیں حمل ساقط کرنے کو آسان سمجھتی ہیں (حالانکہ چار ماہ بعد حمل ساقط کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے)، اور بعض عورتیں خاوند کے ساتھ رہنے سہنے کو برا سمجھتی ہیں، اور خاوند کا ادب کرنے کی بجائے ان کو برے کلمات سے مخاطب کرتی ہیں، اور قبروں پر اعتکاف بیٹھتی ہیں، اور مرد کے مال میں بلا اجازت تصرف کرتی ہیں، وغیر ذالک، اللہ تعالیٰ ہم سب کو خطاؤں اور لغزشوں سے بچائے اور معاف کرے، اور نیک بات اور نیک کام کی توفیق بخشے، اللّٰھم آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ ونبینا محمد وآلہ اجمعین

ضروری گزارش:

جاننا چاہیے کہ تصوف تعمیر الظاہر والباطن کا نام ہے، ظاہر یعنی جسم کو اور جسم کے متعلقات یعنی عبادت و معاملات کو احکام شریعت سے آباد کرے، اور باطن کو اعتقاد صحیح اور اخلاق حمیدہ سے آباد کرے، یہ نعمت ہے، رحمت ہے، یہی شریعت ہے، اور یہی حقیقت ہے۔

عرض:

یہ رسالہ اس لئے نہیں لکھا کہ لوگوں کی اغلاط بیان کی جائیں، بلکہ اس لئے کہ اپنی اور اپنے احباب کی اصلاح و سدھار ہو جائے، واللہ الہادی، اللہ تعالیٰ قبول

فرمائے اور میرے اور تمام اہلِ اسلام کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔ ومن فضل اللہ لیس ببعید۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام

علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ واتباعہ اجمعین من

الصلوٰۃ والسلام افضلھما واکملھما وادومھما

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

سبحانک اللھم وبحمدک استغفرک واتوب الیک

۱۵ صفر المظفر ۱۳۹۶ھ

چودھویں صدی کے آخر میں روایت بے مثال
اُٹھ گئی وہ شمع بخاری ہے قیل و قال
صد ہزاراں حشر تجھ پر اے صاحب خسان
ہے یہ وقت ہجرتِ شیخ سے ہونے کا حال
(نفیس شاہ آبادی)

مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ کی چند وصیتیں اور مشورے:

۱... شہوت و غضب کے مقتضا پر عمل نہ کریں۔

۲... بخل نہایت بری چیز ہے۔

۳... بے مشورہ کوئی کام نہ کریں۔

۴... غیبت قطعاً چھوڑ دیں۔

۵... بدون پوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھائیں۔

۶... بدون سخت تقاضے کے ہمبستر نہ ہوں۔

۷... بدون سخت حاجت کے قرض نہ لیں۔

۸... فضول خرچی کے پاس نہ جائیں۔

۹... غیر ضروری سامان جمع نہ کریں۔

۱۰... سخت مزاجی و تندخوئی کی عادت نہ ڈالیں۔ رفق، ضبط اور تحمل کو اپنا شعار بنائیں۔

۱۱... زیادہ تکلف سے بہت بچیں۔ اقوال، افعال میں بھی، طعام و لباس میں بھی۔

۱۲... مقتداء کو چاہیے کہ امراء سے بدخلقی نہ کرے، اور نہ زیادہ اختلاط رکھے، اور نہ ان کو کبھی حتی الامکان بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنے کے مقصد کے لیے

۱۳:... معاملات کی صفائی کو دیانت سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھے۔

۱۴:... زبان کی ہر قسم کی معصیت و لایعنی سے غایت درجہ احتیاط کریں۔

۱۵:... حق پرست رہیں۔ اپنے قول پر جمود نہ کریں۔

۱۶:... تعلقات نہ بڑھائیں۔

۱۷:... کسی کے دنیوی معاملے میں دخل نہ دیں۔

۱۸:... روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں۔ اس میں بڑے بڑے دیندار اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں۔ خود گھڑتے ہیں یا نقل کرتے ہیں۔

۱۹:... کثرت کلام اگرچہ مباح کے ساتھ ہو، اور کثرت اختلاط مطلق بلاضرورت شدیدہ و بلا مصلحت مطلوبہ خصوصاً جبکہ ہر کس و ناکس کو دراندازی کا موقع جائے۔ نہایت مضر چیز ہے۔

صبغۃ اللہ طب روحانی

یعنی

خدائی رنگ

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

تصوف کی تعریف:

جاننا چاہئے کہ تصوف تعمیر ظاہر و باطن کا نام ہے۔

یعنی اپنے ظاہر کو ان اعمال سے آراستہ کرے جو شرع کے ظاہری اعضاء سے کئے جاتے ہیں اور ان کا کرنا ضروری ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔

اور باطن کو برے عقیدے اور بری عادتوں جیسے ریا، حسد وغیرہ سے پاک کرے، اس کو تخلیہ کہتے ہیں۔

اور سچے عقیدوں اور نیک عادتوں جیسے اخلاص، شکر، صبر وغیرہ سے آراستہ کرے، اس کو تحلیہ کہتے ہیں۔

ہر دو کے اس مجموعہ کے حاصل کرنے کا نام ولایت عامہ ہے اور ولایت کا یہ درجہ ہر مسلمان متقی کو حاصل ہے اور اس درجے کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ولایت و نسبت:

دوسرا درجہ ولایت کا یہ ہے کہ ان مذکورہ باتوں کے ساتھ ظاہر کو نفلی عبادتوں اور باطن یعنی دل کو ہمیشہ اللہ کی یاد میں مشغول رکھے کہ کسی وقت غافل نہ ہو، اس کو

نسبت کہتے ہیں، اس درجے کا نام ولایت خاصہ ہے، اور ولایت کا یہ درجہ صرف بزرگوں کو حاصل ہے، اس درجے کو حاصل کرنا مستحب ہے، اس درجے کے حاصل کرنے کے لئے بقدر ضرورت علم دین سیکھنا اور سیکھے ہوئے علم پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کرنا ضروری ہے۔

تطہیر الظاہر کے دس اصول:

تطہیر الظاہر کے معنی ہیں: اپنے ظاہر کو پاک کرنا، پھر اس تطہیر الظاہر کے دس اصول ہیں:

۱:... نماز:

اس میں تین باتوں کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے: اول نماز سے پہلے وضو کی نگہداشت کرے، اس کی سنتوں اور مستحبات کا پورا لحاظ رکھے اور ہر عضو کے دھونے پر حدیث میں جو دعا آئی ہے، پڑھے۔

فائدہ:... حق تعالیٰ نے ظاہر اور باطن میں ایک ایسا خاص تعلق رکھا ہے جس کی وجہ سے ظاہری طہارت کا اثر باطنی طہارت تک ضرور پہنچتا ہے۔

دوم:... نماز کے جملہ ارکان خواہ سنتیں ہوں یا مستحب، ذکر ہو یا تسبیح، سب کو سچے اپنے قاعدے پر ادا کرو۔

سوم:... نماز کی روح کا زیادہ لحاظ رکھو، یعنی نماز میں شروع سے اخیر تک خلوص اور حضور قلب قائم رکھو، اور جو الفاظ زبان سے کہتے ہو یا جو کام اعضاء سے کرتے ہو، ان کا اثر دل میں بھی پیدا کرو، اس توجہ کو آہستہ آہستہ بڑھاؤ۔

۲:... زکوٰۃ و خیرات:

عام قاعدہ ہے کہ انسان سچے اس محبوب کے نام پر جس کی محبت قلب میں

زیادہ ہوتی ہے، اپنی تمام محبوب و عزیز چیزیں نثار کیا کرتا ہے، چونکہ مال بھی پیاری چیز کو حق تعالیٰ کے نام پر خرچ کر ڈالنا خدا کے ساتھ محبت کے سچے ہونے کی علامت ہے، اور بخل کرنا خدا کی محبت کے نہ ہونے کی علامت ہے، تو اس زکوٰۃ و خیرات میں محبت کی علامت بھی ہے اور بخل کی بدخصلت کا دور کرنا بھی ہے، اگرچہ کچھ اس میں ریا کے خطرناک مرض کا اندیشہ ہے، اس لئے چھپا کر دینے میں ریا سے نجات ہو جانے کی۔

۲... دوسری شرط اس میں یہ ہے کہ جسے خیرات دیا کرو، اس پر احسان نہ سمجھو اور اس سے شکرگزاری کی توقع بھی نہ رکھو اور اگر صدقہ دینے کے بعد صدقہ لینے والا تمہارے دشمن کے ساتھ محبت کرنے لگے تو تم کو ناگوار نہ ہو، بلکہ تم اس محتاج کو اپنا محسن سمجھو کہ اس نے تم سے صدقہ لے کر تم کو حق خداوندی سے سبکدوش کر دیا۔

۳... تیسری بات یہ ہے کہ عمدہ سے عمدہ اور پاکیزہ مال خیرات کرو۔

۴... چوتھی بات یہ ہے کہ خوشی خوشی بشاش ہو کر دیا کرو۔

۵... پانچویں بات یہ ہے کہ صدقہ کے لئے عمدہ مصرف تلاش کیا کرو، یا تو کسی پرہیزگار عالم کو دیا کرو، یا کسی عیال دار تنگ بخت مسلمان کو۔

۳... روزہ:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ

"حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے
سات سو گنا تک لکھا جاتا ہے، مگر روزہ خاص میرا ہے، اور میں
خود اس کا صلہ ہوں، جو چاہوں گا دوں گا۔"

(مشکوٰۃ ص:۱۷۳ بحوالہ بخاری و مسلم)

روزہ کی تین قسمیں:

خوب سمجھ لو کہ روزہ کی تین قسمیں تو اس کی کیفیت کے اعتبار سے ہیں، اور تین ہی درجے اس کی مقدار کے اعتبار سے ہیں۔

مقدار کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ صرف ہر سال کے رمضان کے فرض روزے رکھ لیا کرے۔

اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام روزے رکھتے تھے، اسی طرح ایک دن روزہ رکھے اور دوسرے دن نہ رکھے، پھر تیسرے دن رکھے اور چوتھے دن نہ رکھے۔

اور متوسط درجہ یہ ہے کہ عمر کا تہائی حصہ روزہ میں صرف ہو جائے، لہٰذا مناسب ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ ہر ہفتے میں دوشنبہ (سوموار) اور پنجشنبہ (جمعرات) کا روزہ رکھ لیا کرے، اس حساب سے سال بھر میں چار ماہ اور چار یوم کے روزے ہو جائیں گے۔

روزہ کی کیفیت کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں یہ ہیں:

۱۔ ایک عوام کا روزہ کہ صرف روزہ توڑنے والی چیزوں سے بچتے ہیں۔

۲۔۔۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ بدن کے کسی عضو سے بھی کوئی کام خلاف شرع نہ ہو، یعنی زبان غیبت سے محفوظ رہے، اور آنکھ نامحرم کو بری نظر سے دیکھنے سے بچی رہے، وغیرہ۔

۳۔۔۔ اور تیسرا روزہ خاص بندوں کا ہے کہ اعضائے بدن کے ساتھ ان کا قلب بھی فکر و وسواس سے محفوظ رہتا ہے، اور سوائے ذکر الٰہی کے کسی چیز کا ان کے دل میں گزر نہیں ہونے پاتا۔

۴... حج:

حج بھی دین کا ستون ہے۔ اس عبادت میں رموز و اسرار تو بہت ہیں، مگر ہم صرف ایک ہی مضمون بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بندے کی غلامی کا اظہار اور ان کی بندگی کا امتحان ہو جائے، اور فرماں بردار غلام اپنے آقا کے در پر، ذوق و شوق سے بامقصد زیارت کرنے اور جوق در جوق ایسی حالت میں آئیں کہ دل بھرے ہوئے ہوں، غبار آلودہ ہوں، شوق بیت اللہ و جلال سے مرعوب و پریشان حال ہوں، کھلے سر، ننگے پاؤں، مسکین و محتاج بنے ہوئے ہوں، چنانچہ اس مصلحت سے اس عبادت میں جس قدر بھی اعمال و ارکان مقرر کئے گئے ہیں وہ سب کے سب بعید از عقل و قیاس ہیں تاکہ ایسے اعمال کا ادا کرنا محض حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی غرض سے ہو اور کسی طبعی خواہش یا عقلی حکمت کی اتباع اس کا سبب اور باعث نہ ہو۔

۵... تلاوت و آداب تلاوت:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"میری امت کے لئے سب سے بہتر عبادت کلام اللہ کی تلاوت ہے۔" (رواہ البیہقی)

تلاوت کے ظاہری آداب:

تلاوت کے ظاہری آداب تین ہیں:

اول:... یہ کہ تلاوت کرتے وقت دل میں بھی کلام اللہ کا احترام ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ باوضو کرکے نہایت سکون کے ساتھ گردن جھکائے ہوئے قبلہ کی طرف منہ کرکے دو زانو اس طرح بیٹھو جس طرح استاد کے سامنے بیٹھتے ہیں، اور تجوید کے موافق حروف قرآن کو پڑھو، اور سمجھ سمجھ کر تلاوت کرو۔

دوم:... کم بھی فضیلت تلاوت کا انتہائی درجہ حاصل کرنا کرو، وہ یہ ہے کہ شب کے وقت بحالت نماز کلام اللہ پڑھو۔

سوم:... یہ کہ تلاوت کی مقدار کا بھی خیال رکھو، ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ مہینے میں ایک ختم کرو، اور افضل درجہ یہ ہے کہ تین دن میں ختم کرو۔

تلاوت کے باطنی آداب:

اوّل:... جس طرح حق تعالیٰ کی عظمت وجلال دل میں ہے، اسی طرح اس کے کلام کی عظمت قلب میں بھی ہونی چاہئے۔

دوم:... یہ کہ اگر قرآن کریم کے معنی سمجھ سکتے ہو تو کوئی آیت بھی بلا سمجھے تلاوت نہ کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اس تلاوت سے کیا نفع جس میں سمجھنے سے واسطہ نہ ہو؟

ایک عارف فرماتے ہیں کہ: میں ہر ہفتے میں ایک ختم کرتا ہوں، اور ایک ہر مہینے میں، اور ایک ختم ایسا ہے کہ جس کو سال بھر میں ختم کرتا ہوں، اور ایک تلاوت ایسی بھی ہے کہ جس کو تیس سال سے شروع کر رکھا ہے، اور اب تک پورا کلام مجید ختم نہیں ہوا۔

سوم:... یہ کہ قرآن مجید کا مطلب سمجھنے میں جو امور مانع ہیں، ان کو جہاں تک ہو سکے دفع کرو۔

۲:... ذکرِ الٰہی:

حق تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے:

"وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔" (الجمعہ:۱۰)

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو، تاکہ فلاح پاؤ۔"

اور حدیث شریف میں ہے کہ:

"اللہ کا ذکر جہاد، صدقات اور خیرات، سب سے افضل ہے۔" (مشکوٰۃ ص ۱۹۸)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے بہتر کوئی عمل نہیں۔

ذکر کے لئے ایک مغز اور تین پوست:

ذکر الٰہی کے لئے ایک مغز اور تین پوست ہیں، مغز تو مقصود بالذات ہے، مگر پوست اس لئے مقصود اور محبوب ہیں کہ وہ مغز تک پہنچنے کے ذرائع اور اسباب ہیں۔

پہلا پوست: صرف زبان سے ذکر کرنا ہے۔

دوسرا پوست: قلب سے ذکر کرنا ہے، جبراً اور بہ تکلف اس کا خوگر ہونا۔

تیسرا پوست: یہ ہے کہ ذکر الٰہی قلب میں جگہ کرلے اور ایسا گڑ (راسخ ہو) جائے کہ اس کا چھڑانا دشوار ہو جائے۔

چوتھا درجہ: جو کہ مغز اور مقصود بالذات ہے، وہ یہ ہے کہ قلب میں ذکر کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے، بلکہ مذکور یعنی حق تعالیٰ کی ذات ہی باقی رہ جائے کہ نہ قلب کی طرف توجہ رہے، نہ ذکر کی جانب التفات، اور نہ ہی اپنی خبر ہو، نہ کسی دوسرے کی، بغرض ذاتِ پاک کی محبت میں استغراق ہو جائے، اسی حالت کا نام فنا ہے، اور اس حالت پر پہنچ کر بندہ کو نہ اپنی حس و حرکت کا علم ہوتا ہے اور نہ باطنی عوارض کا، یہاں تک کہ اپنے فنا ہو جانے کا بھی علم باقی نہیں رہتا، جیسے دفعتاً کوئی شاہی دربار میں آ جائے تو مارے ہیبت کے اس کو نہ اپنی خبر رہتی ہے، نہ دوسرے کی۔

۷:... طلب حلال:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا"

(المؤمنون: ۵۱)

یعنی پاک چیز کھایا کرو اور نیک کام کیا کرو۔

یاد رکھو کہ رزق حلال کو قلب کی نورانیت میں بڑا دخل ہے، مشتبہ مال حرام سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔

تقویٰ کے چار درجے:

۱... پہلا درجہ: جن چیزوں یا جس مال کی حرمت پر فقہائے شریعت کا فتویٰ ہے ان کا استعمال نہ کرنا۔

۲... دوسرا درجہ صلحاء کا تقویٰ ہے یعنی مشتبہ چیز سے پرہیز کرنا۔

۳... تیسرا درجہ اتقیاء کا تقویٰ ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"لا يبلغ العبد أن يكون من المتقين حتى يدع ما لا بأس به حذرا لما به بأس." (مشکوٰۃ ص ۲۴۲ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ... "مسلمان جب تک خطرے والی چیزوں میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے بے خطر چیزوں کو بھی ترک نہ کرے گا، اس وقت تک اتقیاء کے درجے کو ہرگز نہ پہنچے گا۔"

کیونکہ اگر آج حلال کا مزہ پڑا ہے تو کل کو حرام کی لذت حاصل کرنے کا شوق ہو جائے گا۔

۴... چوتھا درجہ صدیقین کا تقویٰ ہے: یعنی جس چیز کے کھانے سے عبادت اور اطاعت پر قوت حاصل نہ ہو اس سے پرہیز کرنا، اگر یہ درجات حاصل نہ کرو تو

پہنچے درجے کا تقویٰ حاصل کرنا تو بہرحال ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ دو باتوں کا اور بھی خیال رکھو:

ا:... بعض فقہاء نے جو حیلے بیان کئے ہیں، ان کی جانب التفات نہ کرو، مثلاً: سال ختم ہونے سے پہلے اپنا تمام مال بیوی کے نام منتقل کردو تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح بلاضرورتِ شدیدہ کسی سے سوال نہ کرو، نیز اپنے بدن کو ذریعہ کسب نہ بناؤ، مثلاً: اس نیت سے صلحاء و فقراء جیسی صورت نہ بناؤ کہ تمہیں بزرگ سمجھ کر لوگ ہدیہ دیں گے، حالانکہ تم بالکل کورے ہو، اور تمہارا دل گندگی سے آلودہ ہے۔

۲:... دوسری بات یہ ہے کہ صرف علماء کے فتویٰ پر اکتفا نہ کیا کرو، بلکہ اپنے دل سے بھی پوچھ لیا کرو کہ اس معاملے میں دل کیا کہتا ہے؟ کیونکہ تقویٰ کی بات مسلمان کے دل میں ضرور کھٹکتی ہے۔

۸:... مسلمانوں کے حقوق محفوظ رکھو:

جاننا چاہئے کہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے، ہم جنس مسافروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا بھی دین کا ایک رکن ہے، حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے اللہ کی مخلوق محفوظ رہے، حتیٰ ایذا نہ پہنچے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مخلوق کو نفع پہنچاؤ، مخلوق کے حقوق محفوظ رکھنے کے لئے ان باتوں کا لحاظ رکھو:

اول:... جو کچھ اپنے لئے بہتر سمجھو وہی دوسروں کے لئے بہتر سمجھو۔

دوم:... ہر کسی کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

سوم:... بڑوں کی تعظیم کرو اور چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھو۔

چہارم:... ہر شخص کے ساتھ خندہ روئی کے ساتھ پیش آؤ۔

پنجم... مسلمانوں کے عیب ہرگز ظاہر نہ کرو۔

ششم... تہمت کی جگہ سے بچو۔

ہفتم... بات کرتے وقت لوگوں کے مرتبہ کا خیال رکھو۔

ہشتم... مسلمانوں کی حاجت روائی میں کوشش کرو۔

نہم... بیمار مسلمانوں کی عیادت کیا کرو، اور کوئی مسلمان انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ ساتھ جاؤ۔

دہم... شریر لوگوں سے بھی اس نیت سے مدارت کرو کہ اس طرح ان کے شر سے محفوظ رہو گے۔

یازدہم... فقیروں اور مسکینوں کے پاس اٹھو بیٹھو اور امیروں کی صحبت سے پرہیز کرو، وغیرہ ذالک۔

۹... امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

اللہ پاک فرماتا ہے کہ:

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ." (آل عمران:۱۰۴)

ترجمہ... "تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں جو نیکی کی جانب بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برائیوں سے منع کریں، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

اگر تم نے کسی جگہ پر کوئی ناجائز کام ہوتا ہوا دیکھا اور خاموش بیٹھے رہے، تو اس گناہ میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے، کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا گناہ کے

اندر دونوں برابر ہیں۔

اسی طرح ریشمی لباس یا سونے کی انگوٹھی پہننے والے جس قدر گناہگار ہیں، اسی قدر اس کے دو یار دوست، یعنی اس کے پاس بیٹھنے والے مسلمان بھی گناہگار ہیں جو اس کو ریشمی لباس اور طلائی انگشتری پہنتے دیکھتے ہیں مگر منع نہیں کرتے۔

اسی طرح ایسے مکانوں میں بیٹھنا جن کی دیواروں پر تصویریں ہوں، یا بدعت کی مجلس میں شریک ہونا، یا کسی مباحثہ اور مناظرہ کے ایسے جلسے میں جانا جہاں سب وشتم اور لغو شغل ہو، سب گناہ ہے، پس خوب سمجھ لو کہ ان گناہوں کے موقع سے صرف پرہیز ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ جب تک بے تامل نصیحت نہ کرو گے اور گناہ سے ان کو نہ روک دو گے، اس وقت تک ہرگز عہدہ برآ نہ ہوسکو گے، ہاں: اگر اس کو معلوم ہو کہ یہ لوگ میری بات کی بالکل پروا نہیں کریں گے، بلکہ نظرِ حقارت سے دیکھیں گے، یا اس کو کہنے کی قدرت ہی نہیں ہے، تو اس وقت منع نہ کرنے کا گناہ نہیں ہے۔

۱۰:... اتباعِ سنت:

چونکہ اصل سعادت یہی ہے کہ تمام حرکات وسکنات میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے، اس لئے سمجھ لو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال دو قسم پر ہیں:

اوّل:... عبادات، جیسے نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ۔

دوم:... عادات، مثلاً: کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، وغیرہ۔

مسلمان پر لازم ہے کہ دونوں قسم کے افعال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے، کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ، وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ

فَانْتَهُوْا" (الحشر: ۷)

یعنی پیغمبر جو کچھ بھی تم کو دے اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آجاؤ۔

یہ ارشاد عادت اور عبادات دونوں کو شامل ہے، اس آیت میں رمز (اشارہ) یہ ہے کہ انسان، جانوروں کی طرح آزاد و بے کار نہیں پیدا کیا گیا، بلکہ اس کو اشرف المخلوقات اور شریعت کا پابند بنایا گیا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ جو کام کرو سنت کے موافق کرو، تاکہ نفس محکوم و مطیع بنا رہے، اور تم فرشتہ خصلت بن جاؤ۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے، یہ امورِ عادیہ میں اتباعِ سنت کی ترغیب کا بیان ہے تاکہ اتباع کی وجہ سے دین کی عادت بھی عبادت بن جائے، اور قلب کو صلاحیت اور نور حاصل ہو، کیونکہ قلب کو اعضاء سے خاص تعلق ہے، اور اعضائے بدن کے تمام افعال کا اثر دل کے اندر پہنچتا ہے۔ جب دل کے تمام افعال، حرکات اور سکنات میں اتباع ہوگی، اور اتباع عبادت ہے، اور عبادت میں نورانیت ہے، تو قلب بھی نورانی ہو جائے گا۔

جن اعمال کو عبادات سے تعلق ہے اور ان کا اجر و ثواب بھی بیان کیا گیا ہے، ان میں اتباع چھوڑ دینے کی وجہ تو سوائے کفرِ خفی یا منافقتِ جلی کے اور کوئی نظر نہیں آتی۔ مثلاً: حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"جماعت سے نماز پڑھنے کو تنہا نماز پڑھنے پر ستائیس درجے کی فضیلت ہے۔"

اس کے بعد بھی اگر کوئی مسلمان جماعت کی نماز ترک کرے تو اس کا سبب یا تو منافقت ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص دو پیسے چھوڑ کر ایک پیسہ لے تو اس کو احمق کہا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی ستائیس فضیلتیں چھوڑ کر ایک پر اکتفا کرے تو کیا کم

سے جماع کی خواہش بڑھتی ہے، اس پر مال حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے، کیونکہ شہوتیں بغیر مال کے پوری نہیں ہوسکتیں، اس کے بعد طلب جاہ کی خواہش ہوتی ہے، کیونکہ جاہ کے بغیر مال کا حاصل ہونا دشوار ہے، اور جب مال و جاہ کی خواہش پیدا ہوگی تو تکبر، ریاء، حسد، کینہ، عداوت، اور بہت سی دوسری آفتیں پیدا ہوجائیں گی، اور دین کی تباہی کا پورا سامان اکٹھا ہوجائے گا۔

جبکہ کم کھانے میں یہ فوائد ہیں کہ: قلب میں صفائی ہوتی ہے، دل رقیق ہوجاتا ہے، مناجات میں مزہ آتا ہے، سرکش نفس ذلیل و مغلوب ہوجاتا ہے، تمام شہوتیں کمزور پڑجاتی ہیں، نیند زیادہ نہیں آتی، اور عبادت گراں نہیں گزرتی، وغیر ذالک۔

علاج:... چونکہ شکم سیری اور زیادہ کھانے کی لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے، اس لئے یک لخت اس کا چھوڑنا دشوار ہے، لہٰذا اپنی مقررہ خوراک میں سے ایک لقمہ روزانہ کم کرو، تو مہینے بھر میں ایک روٹی کم ہوجائے گی، اور کچھ گراں بھی نہ گزرے گا۔

۲:... کثرتِ کلام و فضول گوئی کی ہوس:

یاد رکھو کہ جب زبان چھوٹی ہوجاتی ہے تو دل میں بھی صورت کاذبہ کی تصویر کھینچتی اور کجی آجایا کرتی ہے، خصوصاً جبکہ فضول اور لغوگوئی بھی ساتھ ہو، زبان کے متعلق گناہوں سے بچنے کے لئے اس آیت پر عمل کرنا کافی ہے: "لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰھُمْ" جس کے منشا کا خلاصہ یہ ہے کہ فضول اور بے ہودہ کلام نہ کرو، صرف ضروری بات کے اظہار پر اکتفا کرو کہ اس میں نجات ہے، زبان کے متعلق بہت سی آفتیں ہیں اور غیبت کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ (رواہ ابن ابی الدنیا) اور غیبت کرنا مردہ مسلمان کا گوشت کھانے کی مانند ہے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مسلمان سے متعلق اس کے پیٹھ پیچھے کوئی ایسی

واقعی بات کرنے کہ اگر ہو سنے تو اس کو ناگوار گزرے، مثلاً: کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا، یا کسی کے حسب ونسب میں نقص نکالنا، یا کسی شخص کی کسی حرکت، مکان، مویشی یا لباس وغیرہ، غرض جس شے سے بھی اس کو تعلق ہو، اس کا کوئی ایسا عیب بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار ہو، خواہ زبان سے یا اشارہ، کنایہ، ہاتھ، آنکھ کے اشارہ، نقل اتارنے یا تعریض سے کیا جائے، یہ سب غیبت میں داخل ہیں۔ ہاں! اگر مظلوم، افسر اعلیٰ تک، ظالم کی شکایت پہنچائے، یا مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے استفتاء میں امر واقعی کا اظہار کرے تو جائز ہے۔

علاج:... اس کا علاج یہ ہے کہ غیبت کے نقصان اور سزا میں غور کرو۔

فضول جھگڑا کرنا:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کی بات پر سوائے دینی فائدے کے اعتراض کرنا اور اس کے لفظ یا معنی میں غلطی اور نقص نکالنا جھگڑا ہے، اور یہ اکثر دو وجہ سے ہوتا ہے:

۱:... یا تو تکبر کی بنا پر، اپنی بڑائی اور تیز زبانی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

۲:... یا دوسرے شخص کو چپ کرانے اور عاجز کردینے کا شوق ہوتا ہے، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ جو بات واقعی اور حق ہو، اس کو تسلیم کرے اور جتنی خلاف واقعہ اور غلط ہو، اس پر سکوت اختیار کرے۔

مزاح و دل لگی کرنے اور زیادہ ہنسنے ہنسانے سے قلب مردہ ہوجاتا ہے اور ہیبت و وقار جاتا رہتا ہے، اور اکثر اوقات اس سے عداوت و کینہ بھی پیدا ہوجاتا ہے، البتہ تھوڑے مزاح میں کچھ مضائقہ نہیں، مگر اس کی عادت ڈالنا اچھا نہیں۔

جھوٹ بولنا، جھوٹ کی بُرائی اور قباحت کون نہیں جانتا؟ ہاں! اصلاح کرانے،

جیسے کسی دشمن کے دھوکے سے بچاؤ اور بیوی کے راضی کرنے کے لئے تعریف کرنا جائز ہے۔ وغیرہ ذالک من الآفات۔

۳:... غصّے کا بیان:

غصہ بڑی بلا ہے، اس سے مار پیٹ، گالی اور زبان درازی کے گناہ کراتا ہے اور اسی سے حسد، کینہ، بدگمانی، الزام لگانے، ایذا اور جذبِ عزت کے جرم کی باتیں مشتق ہوتی ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ بدلہ لینے کے لئے خون جوش میں آتا ہے۔

علاج:... اس کا علاج دو طرح سے ہے، اوّل اس کو ریاضت و مجاہدہ سے توڑنا چاہئے، مگر توڑنے سے مقصود یہ نہیں کہ غصّے کا مادہ ہی باقی نہ رہے، اس لئے کہ اگر مادہ ہی جاتا رہا تو اللہ سے جہاد کیونکر ہوگا؟ اور کفار و مبتدعین کی خلاف شرع باتوں پر ناگواری کس طرح ہوگی؟ تو ریاضت سے مقصود یہ ہو کہ اس کو مہذب اور عقل و شرع کا تابعدار بنالیا جائے، چنانچہ جہاں شریعت حکم دے تو غصہ بھڑک اٹھے اور بجا کام کرے، ورنہ چپ رہے۔

ریاضت کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی غصہ پیدا کرنے والا واقعہ پیش آئے تو نفس پر جبر کیا کرو اور غصّے کو ظاہر کرنے نہ دو، اس سے نفس مطیع بن جائے گا۔ غصّے کا کچھ علاج یہ ہے کہ غصّے کے وقت خدا تعالیٰ کی قدرت کو یاد کرو اور "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھو، کیونکہ غصہ شیطانی اثر ہے، نیز اپنی حالت بدل دو، یعنی اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو وضو کرو اور اپنا رخسار زمین پر رکھو تاکہ تکبر ٹوٹے، اور عزت والا عضو زمین پر جب رکھا جائے تو نفس مرے گا، یاد رکھو! کہ حلم کی بدولت مسلمان شب بیدار، روزہ دار کا مرتبہ پالیتا ہے۔

۳:... حسد کا بیان:

حسد کی حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کو فارغ البالی یا عیش و آرام میں دیکھ کر کڑھے اور اس نعمت کے جاتے رہنے کو پسند کرے، قرآن و حدیث دونوں میں اس کی مذمت آئی ہے، گویا حسد کا باعث یا تو نخوت و غرور ہے یا عداوت و خبثِ نفس، حسد کرنے والا بلاوجہ خدا کی نعمت میں بخل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا، اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے، البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور یہ چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی نعمت حاصل ہوجائے، یہ غبطہ کہلاتا ہے، اور غبطہ شرعاً جائز ہے، جبکہ حسد مہلک مرض اور ناجائز ہے۔

علاج:... اس کا علمی علاج یہ ہے کہ حاسد کو سوچنا چاہئے کہ اس کا حسد اسی کو نقصان پہنچا رہا ہے، اس محسود کا جس پر یہ حسد کر رہا ہے کچھ بھی نہیں بگڑتا، بلکہ اسی کا نفع ہے اس لئے کہ حاسد کی نیکیاں مفت میں اس کے ہاتھ آرہی ہیں، اس کے برخلاف حاسد کے دین کا نقصان یہ ہے کہ اس کے نیک عمل ضائع ہو رہے ہیں، حاسد کا دنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو افلاس اور ذلت نصیب ہو۔

اس کا عملی علاج یہ ہے کہ جس پر حسد کر رہا ہے، اس کی بہ تکلف تعریفیں کیا کرے، اور اس کے سامنے تواضع اور اس نعمت پر مسرت کا اظہار کرے، جب چند روز بہ تکلف ایسا کرے گا، تو محسود کے ساتھ محبت پیدا ہوجائے گی، اور حسد جاتا رہے گا، اور رنج سے نجات مل جائے گی۔

۵:...بخل اور محبتِ مال:

بخل درحقیقت مال کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ مال کی محبت قلب کو دُنیا کی طرف متوجہ کردیتی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا تعلق ضعیف وکمزور ہوجاتا ہے، اور بخیل آدمی مرتے وقت حسرت بھری نظروں سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھ اور جبراً وقہراً آخرت کا سفر کرتا ہے، اس لئے اس کو خالق جل جلالہ کی ملاقات محبوب نہیں ہوتی، اور حدیث میں آیا ہے کہ:

"جو شخص مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہ کرے، وہ جہنمی ہے۔"

اسی لئے بخل کے علاج کے ساتھ حبِ مال کا علاج بھی ہونا چاہئے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔"

(مشکوٰۃ ص:۴۴۴ بحوالہ بیہقی)

مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت ہوتی ہے، اور قدرت ہوتے ہوئے صبر کرنا اور گناہ نہ کرنا دُشوار ہے۔ پھر مال کے ہوتے ہوئے لذتوں کا خوگر ہوجاتا ہے اور لذت کے حاصل کرنے میں مثلاً نفاق، جھوٹ، ریا، عداوت، بغض، حسد، سب گناہ ہوتے ہیں، مال کی تحصیل میں اکثر ذکرِ الٰہی کا وقت نہیں ملتا، پھر روپیہ کی تحصیل، اس کی حفاظت، اس کے نکالنے اور کسی کام میں لگانے میں بھی وقت صرف ہوتا ہے، یہ سب وحشت، قلب کو سیاہ کرنے والے ہیں۔

علاج:...پس اس کا علاج یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال نہ رکھے، پس محنت ومزدوری سے روزانہ اسی قدر مال حاصل کرو جس سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا

روزانہ خرچ پورا ہو، اور باقی خرچ کرو، اور اس کے علاوہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں خرچ کرو۔

بخل اس کو کہتے ہیں کہ جہاں شریعت مال خرچ کرنے کا حکم دے یا مروت تقاضا کرے، وہاں خرچ نہ کرنا، پس جو شخص بلا ضرورت کے مال خرچ نہ کرے، سمجھ لو کہ اس کو مال سے محبت ہے۔

اس کا علمی علاج یہ ہے کہ بخل کے نقصانات معلوم کرو کہ آخرت کی تباہی اور دنیا کی بدنامی دونوں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔

اور اس کا عملی علاج یہ ہے کہ نفس پر جبر کرو، اور خرچ کرنے کی بتکلف عادت ڈالو۔

۶:... رعونت، شہرت اور جاہ کی محبت اور اس کا علاج:

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

"بکریوں کے گلے میں دو بھوکے بھیڑیئے چھوڑ دیں تو وہ اتنا نقصان نہ کریں گے جتنا مال و جاہ کی محبت دین دار اور مسلمان کے دین کا نقصان کرتی ہے۔"

خوب سمجھ لو کہ رعونت اور حب جاہ بڑی بلا ہے، ان سے قلب میں نفاق پیدا ہوتا ہے، حقیقت میں وہ لوگ بڑے آرام میں ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا۔

حب جاہ اس کا نام ہے کہ اپنی شہرت کی خود خواہش کرے، اور ظاہر ہے کہ اس سے رعونت پیدا ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ محفوظ رکھیں، آمین! مال کی محبت اور جاہ و شہرت کی خواہش، دونوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ کوئی ضرورت ادھوری نہ رہے، مگر انسان کو مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت و خواہش اس لئے زیادہ ہوتی ہے کہ جاہ میں

جب کسی کی تعظیم کا اعتقاد لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو لامحالہ لوگ اس کی تعریفیں کرتے ہیں، اور دوسروں کو اس ضمن میں اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں، جس میں بسااوقات کامیاب ہو جاتے ہیں، تو آخرکار مخلوق کے مطیع و فرماں بردار بننے کی وجہ سے بلا مشقت و محنت مال و اسباب کی آمد اور ضروریات پوری ہونا شروع ہو جاتی ہیں، اس کے برعکس مال جمع کرنے میں بیسیوں تدبیریں اور حیلے کرنے پڑتے ہیں، مگر پھر بھی خاطر خواہ مال کا جمع ہونا مشکل ہوتا ہے۔

فائدہ:... ہاں! یہ ضرور ہے کہ انسان مال کی طرح بقدر ضرورت جاہ کا بھی محتاج ہے اتنا کہ اس کی وجہ سے ظلم و تعدی اور ظالم حکام کی دست برد سے بے خوف ہو کر طمینان قلب سے عبادت میں مشغول رہ سکے، لہٰذا اتنی طلب جاہ میں مضائقہ نہیں، مگر اپنی عبادات میں ریا و دکھلاوا کر کے متقی اور صوفی صورت بن کر مخلوق کو دھوکہ دے کر جاہ حاصل نہ کرے۔

علاج:... اس کا یہ ہے کہ سوچو کہ ایک دن موت آنے والی ہے، اگر مثلاً تمام دنیا تم کو سجدہ بھی کرنے لگے تو کتنے دن کے لئے؟ آخر ایک دن وہ ہوگا کہ نہ تم باقی رہو گے اور نہ سجدہ کرنے والے، اکثر و بیشتر حب جاہ کو سبب اپنی مدح و ثنا کی خواہش ہوا کرتی ہے، اسی کی بدولت ریا اور طرح طرح کی معصیتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، لہٰذا سوچو کہ تعریف کرنے والا کس بات کی تعریف کر رہا ہے؟ اگر تمہارے مال و عزت کی تعریف کر رہا ہے تو یہ واہی ہے، کوئی کمال کی چیز نہیں، کمال تو معرفت الٰہی کا نام ہے، اور اگر تمہارے زہد و اتقاء کی تعریف کرتا ہے تو اگر تم فی الحقیقت زاہد و متقی ہو تو یہ سوچو کہ ان باتوں کا اپنے اندر آ جانا اور حق تعالیٰ کا قبول فرما لینا ہی خوشی کی بات ہے، نہ کہ دوسروں کا بیان کرنا، اگر تم متقی و زاہد نہیں ہو تو اس پر خوش ہونا کھلی حماقت ہے۔

۷:...دُنیا کی محبت اور اس کا علاج:

دُنیا صرف مال و جاہ ہی کی محبت کا نام نہیں ہے، بلکہ موت سے پہلے جس حالت میں بھی ہو وہ سب دُنیا ہے، اور دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ دُنیا کے تمام جھگڑوں، بکھیڑوں، تعلقات اور موجودہ چیزوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا نام دُنیا کی محبت ہے۔

یاد رکھو! دُنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے، اسی سے اکثر مہلک باطنی امراض، مثلاً: غرور، نخوت، کینہ، حسد، ریا، تفاخر وغیرہ کی حرص پیدا ہوتی ہے، اور جب انسان کو دُنیاوی حیات کی آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے تو صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ اس کو آگے، پیچھے، مبدا اور معاد کی کچھ خبر نہیں رہتی، اور اس کا ظاہر تو یہ ہیں، اور اس کا باطن محبت میں مشغول و مصروف ہوجاتا ہے، حالانکہ دُنیا توشۂ آخرت ہے، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ مسافرانِ آخرت بآسانی اپنا سفر ختم کرسکیں، اسی لئے چاہئے کہ بقدرِ ضرورت دُنیا پر قناعت کرکے بہ طمینان ہمہ وقت ذاتِ الٰہی کے ذکر اور فکر میں مشغول ہوجائے۔

علاج:...اس کا علاج یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اپنی موت، مال، خویش، اقرباء اور سب کچھ چھوڑ جانے کا تصور کیا کرے۔

۸:...نخوت و تکبر اور اس کا علاج:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"تکبر کرنے والے کا بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ کبریائی خاص میری چادر ہے، پس جو شخص بھی اس میں شریک ہونا چاہے گا، اس کو قتل کردوں گا۔" (مشکوٰۃ ص:۴۳۳ بحوالہ مسلم)

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔" (مشکوٰۃ ص ۴۳۳ بحوالہ مسلم)

تکبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو صفتِ کمال میں دوسروں سے زیادہ سمجھے، اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق یہ خیال ہوتا ہے تو نفس پھول جاتا ہے، اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، مثلاً: راستے میں چلتے وقت دوسروں سے آگے قدم رکھنا، مجلس میں صدر مقام یا عزت کی جگہ بیٹھنا، دوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھنا، اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اس پر غصہ ہونا، اگر کوئی تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا، اگر کوئی نصیحت کرے تو ناک بھوں چڑھانا، حق بات معلوم ہونے پر اس کو نہ ماننا، عوام کو ایسی نگاہ سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں، نعوذ باللہ تعالیٰ! چونکہ تکبر بڑی بڑی خباثتوں کا مجموعہ ہے، اس لئے بڑا جرم کا ذخیرہ ہے، تکبر کرنے والا تواضع سے محروم رہتا ہے، حسد اور غصہ دور کرنے پر قادر نہیں ہوتا، ریاکاری کو ترک اور نرمی کا برتاؤ اس سے دشوار ہوتا ہے، مسلمان بھائی کی خیرخواہی نہیں کرسکتا۔

علاج:... اس کا علاج یہ ہے کہ اپنی حقیقت کو یاد کرے کہ وہ نجس اور ناپاک منی کا قطرہ ہے، اور آخر میں مردار لاشہ اور کیڑے مکوڑوں کی غذا، جبکہ اس وقت نجاست پیٹ میں بھری ہوئی ہے، ہزاروں مصیبتوں، امراض، بھوک پیاس، اور سردی گرمی میں مقید ہے، اور ہر لحظہ موت کا کھٹکا ہے۔

تکبر کے اسباب:

عموماً تکبر کے اسباب پانچ ہیں: علم، تقویٰ، حسب ونسب، مال اور جمال۔

اوّل: علم ... علماء تکبر سے بہت کم خالی ہیں۔ کیونکہ علم کے برابر کسی چیز کی فضیلت نہیں، لہٰذا اس کے حاصل کرنے کے بعد دو خیال پیدا ہو جاتے ہیں:

۱... ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے برابر دوسروں کا رتبہ نہیں۔

۲... دوم یہ کہ لوگوں پر ہماری تعظیم واجب اور ضروری ہے، پس اگر لوگ تواضع سے پیش نہ آئیں تو ان کو تعجب ہوا کرتا ہے، ایسے عالم کو جاہل کہنا چاہئے، کیونکہ علم کا منشا تو یہ تھا کہ انسان اپنے شریر نفس کی حقیقت اور پروردگار کی عظمت و جلال کو معلوم کرتا، اور سمجھتا کہ اعتبار خاتمہ کا ہے، اور خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں، پس جو شخص اپنے آپ کو قابل عظمت سمجھے گویا وہ اپنی اصلیت سے ناواقف اور خاتمہ کے اندیشے سے بے خوف ہے، اور یہ بڑی معصیت ہے۔

یاد رکھو کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو، وہ علم جہل سے بھی بدتر ہے، کیونکہ حقیقی علم جتنا زیادہ ہوگا، اسی قدر اس کا خوف و خشیت بڑھے گی۔

دوم: زہد و تقویٰ... چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ زاہد تکبر زدہ لگتے ہیں اور بعض کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر ان کو کوئی ایذا دے تو طعنًا کہتے ہیں کہ "دیکھتے رہو، اللہ تعالیٰ اس کو کیسی سزا دیتا ہے؟ اس نے ہم پر تو ظلم کیا ہے، مگر عنقریب مزہ بھی ایسا چکھے گا کہ یاد رکھے گا۔" اس کے بعد اگر تقدیر سے وہ ایذا دینے والا بیمار پڑ گیا یا اس کا کوئی نقصان ہو گیا تو اپنے دعوے کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں کہ "دیکھا! خدا نے بندوں کو ایذا دینے کا نتیجہ کیا ہے؟" اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافروں نے انبیاء علیہم السلام کو بڑی بڑی ایذائیں پہنچائیں، مگر کسی نے بھی انتقام کی فکر نہ کی، اگر دشمنوں سے انتقام لینا یا ان کا مر جانا چاہتے تو بھلا خدا کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی؟ کیا کوئی عابد و زاہد نبی سے بڑھ کر ہے؟

سوم: نسب... تیسرا سبب نسب ہے کہ اپنے کو شریف اور عالی خاندان سمجھ

کر تکبر کرتے ہیں۔

علاج:... اس کا یہ ہے کہ ہر شخص کا نسب اس کے باپ کا ناپاک نطفہ اور ذلیل مٹی ہے، پھر ان کے باپ دادا اگر دنیادار تھے، تب تو فخر و تکبر کرنا محض حماقت ہے، کیا خبر کہ وہ نسب والے کہاں گئے؟ ممکن ہے کہ جہنم کا کوئلہ بن گئے ہوں، اور اگر دین داروں کے نسب پر فخر ہے، تو یہ بھی حماقت ہے، کیونکہ ان کو جو کچھ عزت، آبرو اور شرف حاصل ہوا تھا، وہ ان کی دین داری اور تواضع کی بدولت تھا، جب وہ اپنے دین دار ہونے پر فخر نہیں کرتے تھے، تو اولاد کو فخر کرنا کیسے زیبا ہے؟

چہارم، پنجم: مال و جمال:... اگر اپنے مال دار یا حسین ہونے پر فخر کرتا ہے، تو یہ بھی حماقت ہے، کیونکہ اگر مال پر ڈاکا پڑ جائے تو سب جاتا رہے، حسین اگر بیمار ہو جائے یا اس کے چیچک نکل آئے تو صورت کا روپ ہی بدل جائے گا، اور ویسے بھی اگر ہفتہ بھر طہارت، آرائش اور غسل نہ کرے تو دیکھو کہ بدن کے رنگ اور بو کا کیا حال ہوتا ہے؟ اس پر نازاں ہونا بڑی حماقت ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ اٰمِیْن بِرَحْمَتِکَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْن!

۹:... خود پسندی کا علاج:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"فَلَا تُزَکُّوْآ اَنْفُسَکُمْ" (النجم:۳۲)

"اپنے آپ کو پاک و صاف اور اچھا نہ سمجھا کرو۔"

یہ کافروں کی شان ہے کہ اپنے اعمال اور اپنے آپ کو اچھا سمجھیں، خود پسندی تباہ کر دیتی ہے، کیونکہ آدمی جب اپنے آپ کو نیکوکار سمجھنے لگتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے اور سعادتِ اُخروی سے محروم ہو جاتا ہے، خود پسندی بھی تکبر کی ایک شاخ

ہے، فرق صرف یہ ہے کہ تکبر میں اپنے نفس کو دوسرے لوگوں سے بڑا سمجھتے ہیں، اور خود پسندی میں دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں، بلکہ اپنے آپ کو اپنے خیال میں کامل سمجھ بیٹھنا، اور حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق خیال کرنا، یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ سمجھنا اور ان کے زوال سے بے خوف ہو جانا، خود پسندی و عجب کہلاتا ہے، اور اگر یہاں تک نوبت پہنچے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے آپ کو کوئی مرتبہ اور بااوقعت سمجھنے لگے تو یہ ”ناز“ کہلاتا ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی دعا کے قبول نہ ہونے سے تعجب اور اپنے موذی دشمن کو سزا و عذاب نہ ملنے پر حیرت ہوتی ہے کہ ہم جیسوں کی دعا قبول نہ ہو اور ہمارے دشمن پامال نہ ہوں، البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہو اور اس کے چھن جانے کا خوف دل میں ہو تو یہ خود پسندی نہیں ہے، کیونکہ خود پسند شخص نعمت کو منعم حقیقی کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور ہر نعمت کو اپنا حق سمجھتا ہے۔

علاج… اس کا یہ ہے کہ اگر غیر اختیاری نعمتوں مثلاً قوت و طاقت یا حسن و جمال پر عجب ہو تو یوں سوچو کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے میں میرا دخل ہی کیا ہے کہ ناز کروں؟ یہ اس کا فضل و احسان ہے کہ اس نے بلا استحقاق یہ خوبیاں مجھے عطا کر دیں، علاوہ ازیں یہ سب خوبیاں معرض زوال میں ہیں کہ بیماری و ضعف سے سب جاتی رہیں گی، ناپائیدار پر عجب کیسا؟ اور اگر افعال اختیاریہ مثلاً: علم، زہد، تقویٰ اور عبادت پر ناز ہو تو اس پر غور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ ذہن رسا، طاقت، ہمت، دماغ، بینائی، ہاتھ پاؤں، قصد اور ارادہ عطا نہ فرماتا تو کسی کو کمال کیونکر حاصل ہوتا؟ تعجب تو اس پر ہے کہ عاقل سمجھ دار جب کسی جاہل بیوقوف کو مال دار پاتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا کہ ہم عاقل ہو کر مال سے محروم ہیں اور یہ جاہل متمول بن بیٹھے؟ بھلا کوئی پوچھے کہ عقل، علم تم کو نصیب ہوا اور جاہل اس نعمت علم و عقل سے محروم رہا،

دیا کیوں؟ پس سمجھو کہ حق تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے بلا استحقاق تم پر کرم فرمایا اور عقل و علم جیسی نعمت بخشی، جس کے مقابلے میں مال کی کوئی حقیقت نہیں، اور سوچا کرو کہ جس نے بلا استحقاق یہ چیزیں عطا فرمائیں، اگر بلا قصور چھین بھی لے تو کوئی چوں و چرا نہیں کر سکتا، اور کیا خبر کہ مال کی نعمت اس کے لئے استدراج ہو، وبالِ جان اور سبب عذاب بن جائے؟ اگر بلا استحقاق انعام ہونا بھی سوچتا رہے تو خشیت اور خوف بھی پیدا ہو جائے گا اور عجب سے بھی بآسانی نجات مل جائے گی۔ واللہ اعلم!

۱۱:... ریا کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ۔ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ۔" (الماعون ۴، ۵، ۶)

"افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جو دکھاوا کرتے ہیں۔"

ریا کی مذمت قرآن و حدیث میں بہ کثرت مذکور ہے، ریا کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں اپنی عبادت اور عملِ خیر کے ذریعہ وقعت اور قدر و منزلت کا خواہاں ہو، اور یہ عبادت کے مقصود کے خلاف ہے، کیونکہ عبادات سے مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور ریا میں رضائے خلق اور حصولِ منزلت مقصود ہے، لہٰذا اس کا نام شرکِ اصغر ہے۔

یاد رکھو! ریا بڑا مہلک مرض ہے، اس کا سبب یا تو حبِ مدح یعنی اپنی تعریف کی خواہش اور مذمت کا خوف و اندیشہ ہوتا ہے، یا مالِ دُنیا کی حرص ہوتی ہے، حبِ مدح و مال کی حرص کا علاج گزر چکا اور مذمت کا خوف ریا کا باعث ہو تو یہ بات ذہن

ہو یا محنتی کی علامات اور صوفیوں کی کرامات کا اظہار کرنا تاکہ لوگ تحسین کریں تو یہ
بالکل منافق کا ثبوت ہے۔

پنجم:... عمل میں ریا یعنی قیام و رکوع طویل کرنا، اگر معلوم ہو کہ اس کو کوئی
نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے تو فوراً خشوع و وقار سے پڑھنا تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ اس کی
نماز خشوع سے بھری ہوتی ہے۔

ششم:... مریدوں اور شاگردوں کی کثرت بیان کرنا اور اس کا خواہاں
ہونا کہ کسی طرح صالحین، امراء، علماء و طلباء اس کی زیارت کرنے آئیں تاکہ اس کی
شہرت ہو جائے۔

اسی طرح تین عبادتوں میں ریا ہوتی ہے، وہ بھی مختلف ہیں۔

اصل ایمان میں ریا نفاق کہلاتی ہے۔

افعال عبادت میں ریا مثلاً لوگوں کے سامنے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا وغیرہ،
چنانچہ اگر کوئی پاس نہیں تو نماز نہ پڑھے گا۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ فرائض میں ریا نہ ہو مگر نوافل و مستحبات میں ریا کرے۔
یہ سب اقسام تو نہایت سخت ہیں۔ اس کے سوا تین درجے اور ہیں

اول یہ کہ عبادت سے مقصود تو حق تعالیٰ کی رضا ہو لیکن اگر کوئی اس کو
عبادت کرتے دیکھ لے تو اس کی طبیعت خوش ہو جائے اور اسے ناگوار معلوم نہ ہو، اگر
اتنی سی بات ہے تو امید ہے کہ حق تعالیٰ معاف فرما دے اور عبادت قبول فرما لے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ عبادت کا قصد تو ہو مگر دکھاوے کا خیال غالب ہو یعنی
یہ بات ہو کہ جتنا لوگوں کی موجودگی میں کرتا ہے تنہائی اور خلوت میں اتنا عبادت
نہیں ہوسکتی، ایسی عبادت پر سخت عذاب کا اندیشہ ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ عبادت اور ریا دونوں مساوی ہوں، مثلاً جس قدر

عبادت سے خدا تعالیٰ کی طاعت مقصود ہو، کسی قدر دکھاوا بھی مقصود ہو، چونکہ اس میں نفع اور نقصان برابر ہے، ممکن ہے کہ اس پر نہ عذاب ہو نہ ثواب، مگر حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"جملہ شرکاء میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز

میری ذات ہے"

پس عجب نہیں کہ اس صورت میں بھی عبادت باطل ہو جائے۔

ریا جلی و خفی:

ریا کبھی تو جلی ہوتی ہے، مثلاً: تنہائی کی حالت میں اتنی عبادت نہیں ہوتی جتنی لوگوں کے سامنے ہوتی ہے۔

اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتی ہے، مثلاً: تہجد تو ہمیشہ پڑھتا ہے، مگر مہمان کے سامنے زیادہ نشاط اور مسرت ہوتی ہے، اس میں بھی ریا ہے، مگر پہلے کی نسبت خفی ہے۔

اس سے زیادہ مخفی یہ ہے کہ کسی کے موجود ہونے میں نشاط زیادہ نہ ہو، مگر اثناء عبادت یا بعد میں اگر کوئی مطلع ہو تو اس کے دل میں ایک قسم کی فرحت اور خوشی پیدا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے دل میں ریا چھپی ہوئی ہے۔

اس سے بھی زیادہ خفی یہ ہے کہ اطلاع سے خوشی بھی نہ ہو، لیکن اس کا آرزومند رہے کہ کاش لوگ میری تعریف کریں، اگر کوئی اس کے ساتھ برائی کرے تو اس کو تعجب ہوتا ہے، یہ بھی ریا ہے، کیونکہ لوگوں پر اپنی طاعت وعبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہے، اس قسم کی ریا بھی، جس سے صدیقین ہی خالی ہوتے ہیں، گناہ صغیرہ میں داخل ہے، اور اعمال کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ضرور ہے۔

البتہ اگر عبادت پر مطلع ہونے سے خوشی اور سرور اس بنا پر ہو کہ الحمدللہ! اللہ

تعالی نے عمل نیک کا اظہار فرمایا اور ہمارے فعل قبیح کو پوشیدہ فرمایا، کیونکہ گناہ پر ستاری اور نیکی کا اظہار کرنا قیامت کی رسوائی سے بچاؤ کی نشانی ہے، تو اس قسم کی خوشی میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فائدہ:... ریا، یا تو عبادت کے شروع ہی سے ہو، جیسے: اول سے لے کر آخر تک دکھلاوے کے لئے نماز پڑھے، یہ صورت تو نماز کے لئے مفسد ہے، یعنی موجب ثواب نہیں، بلکہ موجب عذاب ہے، یا عبادت کے درمیان میں ریا پیدا ہوگئی، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عبادت کی اصلی نیت مغلوب ہے تو نماز مقبول نہیں، یا بعد میں ریا پیدا ہوئی، مثلاً: لوگوں کے آگاہ ہونے پر مسرت ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ بعد کی ریا مضر نہیں، ہاں! اس کا اظہار کرنا مستقل اور علیحدہ گناہ ہوگا۔

فائدہ:... گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش ہونا حرام نہیں، البتہ عبادت پر اس نیت سے خوش ہونا کہ لوگ تعریف کریں گے اور متقی اور عابد سمجھیں گے، بے شک حرام ہے، کیونکہ مخلوق کی مدح سے گویا اپنی طاعت کا معاوضہ لینا ہے، ہاں! ریا کے خوف سے طاعت اور عبادت کا چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں، اپنے معمول کو ترک نہ کرے، بلکہ عادتوں کے موافق اپنا کام کیا کرے اور حتی الوسع اس وسوسہ کو علیحدہ کرتا رہے، ریا کا علاج گزر چکا ہے۔

تعمیر الباطن کے دوسرے جزو، اخلاقِ محمودہ کی تفصیل:

حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"طہارت نصف ایمان ہے۔" (مشکوٰۃ ص ۳۸)

ایک جزو یہ ہے کہ قلب کو نجاستوں سے پاک کرے، جس کا بیان مختصراً گزر چکا ہے۔

دُوسرا جزو یہ ہے کہ خوبیوں سے قلب کو آراستہ کرے، اس کی تفصیل مختصراً عرض کی جاتی ہے، اس میں دس اُصول ہیں:

ا:...توبہ کا بیان:

یاد رکھو! غفلت اور ہوائے نفس ایسے مہلک امراض ہیں کہ ان کی وجہ سے انسان خدا کی معصیت اور گناہ کے کام پر اصرار اور مداومت کرنے لگتا ہے، اور یاد رکھو! کہ غفلت کا باطنی مرض جسم کے ظاہری امراض بخار، جاڑا اور پھوڑے پھنسی وغیرہ سے بہت بڑھا ہوا ہے، اور اس کی کئی وجوہ ہیں:

اوّل:... اس وجہ سے کہ بدن کے ظاہری امراض نظر آتے ہیں، اور باطنی امراض نظر نہیں آتے۔

دوم:... اس وجہ سے کہ انسان نے باطنی امراض کا انجام نہیں دیکھا، اسی لئے خدا تعالیٰ کے عفو پر بھروسا کئے بے فکر ہوکر علاج کی طرف مطلقاً متوجہ نہیں ہوتا، بخلاف بدنی امراض کے کہ ان کا نتیجہ تجربے میں آچکا ہے، اسی لئے یہاں خدا تعالیٰ پر بھروسا کرکے نہیں بیٹھ جاتا، بلکہ انتہائی کوشش سے علاج کرتا ہے۔

سوم:... اس وجہ سے کہ ان باطنی امراض کے طبیب مفقود ہیں، کیونکہ اس مرض کے طبیب علمائے شریعت اور عقلائے زمانہ ہوتے ہیں، اور وہ خود باطنی بیماریوں، مثلاً: حبِ دُنیا، حسد اور ریا وغیرہ میں مبتلا ہیں، اور لوگ انہی کو اپنا مقتدا و پیشوا سمجھتے ہیں، جب ان کی اقتدا کریں گے تو پھر اصلاح کی کیا صورت؟ افسوس! کہ جو لوگ مصلح تھے، مفسد بن گئے، اور جو راہبر تھے، گمراہ ہوگئے، تو کس طرح گناہوں پر اصرار نہ ہونے لگے؟

گناہوں پر اصرار ہونے کی اور بھی کئی ایک وجوہ ہیں، اوّل یہ کہ گناہوں کی

توبہ کی حقیقت اور اقسام:

توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہ کو اُخروی زندگی کے لئے سم قاتل سمجھ کر متاسف اور نادم ہو، اور اس کے چھوڑنے کا عزم کرے، اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے گزشتہ تقصیر کا تدارک کرے، مثلاً: نماز فرض کی قضا کرے، اور زکوۃ ادا کرے، اور حقوق العباد معاف کرائے یا ادا کرے۔

یاد رکھو! کہ عام لوگوں کی توبہ ظاہری گناہوں سے ہوا کرتی ہے، صالحین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے، متقین کی توبہ شک وشبہات کے ارتکاب سے، محبین کی توبہ غفلتِ ذکر سے، اور عارفین کی توبہ اس مقام سے جس سے اُوپر پہنچ گئے ہیں۔

۲:...خوفِ الٰہی کا بیان:

خوف کرنے والوں کی شان میں حق تعالیٰ نے ہدایت، رحمت، علم اور رضا کی محمودہ خصلتیں جمع فرمائی ہیں۔

خوف کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ آنے والی تکلیف کے اندیشہ سے دل دُکھے اور سوزش پیدا ہو۔

تحصیلِ خوف کا طریقہ:

ظاہر ہے کہ جب تک حق تعالیٰ کی صفاتِ جلالیہ کی معرفت حاصل نہ ہوگی، اس وقت تک خوف پیدا نہ ہوگا، اور جب یہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے گا کہ خداوند تعالیٰ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز پر ایسا قادر ہے کہ ذرہ میں جو چاہے کرے اور مخلوق میں کوئی شخص چوں بھی نہیں کر سکتا، تو اس وقت خوف و اندیشہ پیدا ہوجائے گا، پس اگر خوف پیدا کرنا چاہتے ہو تو حق تعالیٰ کی صفاتِ جلال اور بے نیازی کو سوچو۔

خوف کی حد:

یاد رکھو! کہ خوف ایک چابک ہے، جو انسان کو سعادت ابدی کی طرف دوڑاتا ہے، اس لئے خوف اسی حد تک پسندیدہ ہے جب تک کہ نکوکاری کا آلہ ہے، پھر اگر خوف اس قدر زیادہ ہو کہ ناامیدی تک نوبت پہنچ جائے، تو بھی شرعاً مذموم ہے، اور اگر اتنا ضعیف ہو کہ ناقص سے فروتر ہو جائے تو بھی مذموم ہے، کیونکہ "الایمان بین الخوف والرجاء" یعنی چاہئے کہ خوف اور امید کے دونوں پلڑے برابر ہوں۔

یاد رکھو! کہ جوانی اور تندرستی میں خوف کو غالب رکھنا چاہئے، مگر بڑھاپے، مصیبت اور موت کے وقت امید کو غالب رکھنا چاہئے۔

رجائے مقبول:

یاد رکھو! کہ رجا اور امید مقبول وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی اطاعت میں پوری مشقت اٹھانے اور مجاہدہ و ریاضت کے بعد ہو اور اگر ایسی نہ ہو تو وہ رجا مقبول نہیں، بلکہ تمنا اور آرزو کہتے ہیں، اور وہ شیطانی دھوکا ہے۔

۳:... زہد کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ" (الانعام:۱۲۵)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دیتا ہے، اس کا شرح صدر کر دیتا ہے۔"

صحابہ رضوان اللہ علیہم نے دریافت کیا کہ: یا رسول اللہ! اس کی شناخت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"دُنیا سے بے رغبتی، دین کی جانب توجہ اور موت
سے پہلے موت کا انتظام کرنا شرحِ صدر ہے۔"

(کذا فی ابن ابی شیبہ وغیرہ)

زُہد کی حقیقت، ثمرہ اور درجات:

حقیقی زُہد یہ ہے کہ انسان دُنیا کے مال و متاع کی جانب التفات نہ کرے، اور تحصیل کی قدرت کے باوجود اس کی جانب متوجہ نہ ہو۔ زُہد کا ثمرہ یہ ہے کہ نفس اگرچہ دُنیا کی طرف مائل ہو، مگر اس کو جبراً بے التفات بنائے، اس حالت کو زُہد سے تزہد کہنا بہتر ہے۔

دُوسرا درجہ: یہ ہے کہ دُنیا سے نفس اتنا متنفر ہو جائے کہ اس کی طرف مائل ہی نہ ہو اور سمجھے کہ دُنیا اور آخرت کی نعمتوں کا یکجا جمع ہونا ناممکن ہے۔

تیسرا درجہ: یہ ہے کہ دُنیا کے مال و متاع کا ہونا نہ ہونا برابر ہو، یعنی اگر مل جائے تو کچھ مسرت نہیں، اور نہ ملے یا آیا ہوا ہاتھوں سے چلا جائے تو کچھ حسرت نہ ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ دُنیا کی وقعت نظر سے اُٹھ جائے۔

اس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ زُہد سے بھی زُہد ہو جائے یعنی دُنیا کی جانب سے بے التفاتی کو بھی وقعت کی نظر سے نہ دیکھے، بلکہ اس کو قابلِ ذکر بھی نہ سمجھے۔

زُہد کے اسباب:

زُہد کے اسباب متعدد ہیں:
خائفین کا زُہد اندیشۂ عذابِ قبر سے ہوتا ہے یہ اولیٰ درجہ ہے۔
کبھی اُخروی نعمتوں اور لذتوں کی رغبت سے ہوتا ہے، اور یہ راجین کا زُہد ہے اور یہ درجہ پہلے درجے سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ اُمید محبت کو مقتضی ہے اور محبت کی

فضیلت تم کو معلوم ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ ماسوا اللہ کی جانب سے بے توجہی اور نفس کے غیر اللہ کی جانب التفات نہ کرنے کو بھی کو فضول سمجھا جائے، کیونکہ وہ کوئی چیز نہیں۔

اگر کوئی شخص دُنیا کو حاصل کرنا چاہے، مگر دُنیا اس کے ہاتھ نہ آئے، تو اس کو زُہد نہیں کہتے، بلکہ اس کا نام فقر ہے، بہرحال فقر کی فضیلت بھی آئی ہے۔

۴:... صبر کا بیان:

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔" (البقرۃ:۱۵۳)

ترجمہ:... "اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"صبر نصف ایمان ہے۔"

(الترغیب والترہیب ج:۴ ص:۲۷۷)

صبر کے حقیقی معنی: ہوائے نفس (خواہشِ نفس) کے مقابلے میں خدا تعالیٰ کے حکم پر ثابت قدم رہنے کے ہیں، مگر یہ صرف انسان کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ بہائم میں صرف خواہشات و شہوات ہی کا مادّہ ہے، ان میں عقل اور دین کا شعور نہیں ہے۔ جبکہ فرشتوں میں صرف خدا تعالیٰ کے قرب کی استعداد پیدا کی گئی ہے، وہ شہوات اور غیظ و غضب سے بالکل منزہ ہیں، وہ جانتے ہی نہیں کہ شہوت کیا چیز ہے؟ لہٰذا صبر کا مرتبہ ان دونوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔

صبر کے درجات:

یاد رکھو! کہ صبر کے تین درجے ہیں:

الف....صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ شہوات اور ہوائے نفس کا دوا اتنا مغلوب ہو جائے کہ اس میں عقل سلیم کے مقابلے کی قدرت ہی نہ رہے۔ جن نفوس کو اس پر ثبات و بقا نصیب ہوا، ان نفوس کو نفس مطمئنہ کا خطاب حاصل ہوتا ہے، اور ان کو رضائے الٰہی کی بشارت ہے۔

ب....صبر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہوائے نفسانی غالب آ جائے، پھر اس کی دو علامتیں ہیں۔

۱....ایک یہ کہ ایسا شخص کہا کرتا ہے کہ مجھے توبہ کا شوق ہے، مگر توبہ اس سے ہو نہیں سکتی۔

۲....دوسری یہ کہ توبہ کا شوق ہی نہ رہے، یا کہے کہ اللہ رحیم و کریم ہے، اسے میری توبہ کی کیا پروا ہے؟

ج....صبر کا متوسط درجہ یہ ہے کہ شیطانی گروہ اور خدائی لشکر میں جنگ و جدال رہے، کبھی یہ غالب اور کبھی وہ غالب، اس کی علامت یہ ہے کہ ضعیف خواہشوں کو چھوڑ سکے اور زور آور شہوات کو نہ چھوڑ سکے، اور برابر اس کوشش میں لگا رہے کہ کسی طرح نفس پر قابو حاصل ہو جائے، اسی کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔

یاد رکھو! کہ انسان ساری عمر اور ہر حالت میں صبر کا محتاج ہے، کیونکہ اسے دو ہی حالتیں پیش آ سکتی ہیں: سب کچھ اس کی مرضی کے موافق ہوگا یا مخالف و ناگوار ہوگا، اگر موافق ہے، جیسے تونگری، اولاد اور عزت وغیرہ، تو اس میں صبر کی نہایت ضرورت ہے، کیونکہ اگر نفس کی باگ ڈھیلی کی تو یہ سرکش شرارت کرے گا، اور اگر

حالت دوم یعنی ناگواری ہو، تو اس کی چار قسمیں ہیں:

صبر طاعت:

اول: طاعات میں صبر کرنا جس سے نفس بھاگتا ہے، جیسے نماز میں سستی نہ کرنا، زکوٰۃ میں بخل نہ کرنا، عبادت میں شروع سے آخر تک اخلاص رکھنا، عبادت کے اندر آداب وسنن پورے طور پر ادا کرنا، اور فراغت کے بعد ریا وسمعہ کے طور پر اس کا اظہار نہ کرنا وغیرہ۔

صبر عن المعصیت:

دوم: معاصی سے صبر کرنا، خاص کر جس کا نفس معاصی کا عادی ہو، جیسے غیبت، جھوٹ اور خودستائی وغیرہ۔

صبر علی المکارہ:

سوم: صبر کی تیسری قسم یہ ہے کہ اختیار ہونے کے باوجود انتقام نہ لینا، یہ کسی وقت واجب اور کسی وقت مستحب ہوتا ہے، چنانچہ اپنے متعلق انتقام نہ لینا اور صبر کرلینا مستحب ہے، اور دوسروں کے متعلق انتقام لے لینا اور ظالموں سے ضعیفوں کو حق دلا دینا واجب ہے۔

چہارم: چوتھی قسم بالکل غیراختیاری ہے، جیسے مرض اور مصیبت میں صبر کرنا، اس کا بہت بڑا درجہ ہے، اس میں صبر یہ ہے کہ شکایت کا کلمہ زبان پر نہ لائے۔

۵:... شکر کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" (ابراہیم ۷)

ترجمہ:... "اگر تم لوگ شکر کرو گے تو ہم تم کو زیادہ دیں گے۔"

واقعی شکر کا مرتبہ نہایت عالی ہے، اور صبر، خوف، زہد اور تمام مذکورہ مقامات سے بلند ہے، کیونکہ جن صفات کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے کوئی بھی مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ مقصود بالغیر ہے، چنانچہ صبر تو اس لئے مقصود ہے کہ ہوائے نفس کا قلع قمع ہوجائے، خوف اس لئے کہ کوڑے کا کام دے کر مقام مقصود تک پہنچا دے، اور زہد اس لئے کہ ماسوا اللہ کے تعلق سے بے خبر ہوجائے، البتہ شکر ایسی صفت ہے جو مقصود بالذات اور فی نفسہ مطلوب ہے، یہی وجہ ہے کہ شکر کا وجود جنت میں ہوگا، مگر توبہ، زہد اور صبر کی وہاں حاجت نہیں۔

شکر کے ارکان:

شکر کے تین رکن ہیں:

اول: علم، یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا اور نیز سمجھنا کہ سب نعمتیں حق تعالیٰ کی ہیں، اور سب وسائط اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں، اس کو سمجھنے سے دو باتیں پیدا ہوں گی، ایک منعم سے خوش ہونا، دوم اس کی خدمت گزاری، اور امتثال امر میں سرگرم ہونا، ان دو حالتوں کا نام حال اور عمل ہے۔

دوسرا رکن: حال ہے، کہ منعم کی نعمت پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ یہ منعم کا عطیہ ہے، اور اس پر خضوع وتذلل ظاہر کرنا، پھر اس کی خوشی بھی تین وجہ سے ہوتی ہے:

ایک یہ کہ میرے کام کی چیز ہاتھ آگئی، مثلاً: گھوڑے کی ضرورت تھی اور گھوڑا ہاتھ آگیا، یہ حالت تو کوئی چیز نہیں، کیونکہ اس میں صرف نعمت پر خوشی ہے، اس میں منعم کی حیثیت ملحوظ نہیں۔

دوم: یہ کہ یہ نعمت، مثلاً گھوڑے پر سوار ہو کر منعم آقا کے حضور حاضر ہو کر شاہی خدمت بجا لائے گا، یہ حالت شکر کا جاری وجود ہے، کیونکہ اس پر اس وجہ سے خوش ہو رہا ہے کہ یہ منعم یعنی حق تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ کسی ایسی نعمت پر خوشی نہ ہو جس کے سبب ذکرِ الٰہی سے غفلت ہو۔

سوم: متوسط درجہ یہ ہے کہ اس نعمت سے خوش ہو کر اسے عطیہ سمجھ رہا ہے جو اس غلام پر منعم کی عنایت ہے، جس سے آئندہ اور بڑی نعمت کے حصول کی امید ہے، یہ حالت شکر میں شمار ہے البتہ ضعیف ہے۔

تیسرا رکن عمل ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اسی کی رضامندی میں استعمال کرے، مثلاً زبان کو یادِ خدا اور تلاوت میں، کان کو ذکرِ الٰہی کے سننے میں، اور قلب کو ذکر، معرفت اور اخلاص میں استعمال کرے، اسی طرح ہر نعمت کو۔

۶:... اِخلاص اور صدق کا بیان:

اخلاص کی جڑ مسلمان کی نیت ہے، کیونکہ نیت ہی میں اخلاص ہوا کرتا ہے، اور اخلاص کا کمال صدق ہے، اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت میں کسی شے کی آمیزش نہ ہو، اس لئے نیت، اخلاص اور صدق کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

رکنِ اوّل، نیت:... حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"اعمال کا مدار نیت پر ہے۔"

(مشکوٰۃ ص:۱۱، بحوالہ بخاری، مسلم)

اور نیت کے معنی قصد اور ارادہ کے ہیں، جس سے کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے۔ پہلے کسی شے کا علم ہوتا ہے، علم کے بعد اس کے عمل میں لانے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے، اس کے بعد اس کام کو کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے، گویا قصد و ارادہ،

قدرت کے خادم ہیں، یس دلی عزم و میلان، جس نے قوت کو ہاتھ پاؤں ہلانے، یعنی کام کرنے پر مستعد کیا ہے، نیت ہے۔

ایک عمل میں کئی نیتیں:

یاد رکھو! ایک عمل میں کئی کئی نیتوں کا جمع ہونا ممکن ہے، مثلاً مسجد کے اندر جانے میں اللہ کی زیارت کی نیت، انتظار صلوٰۃ کی نیت، اعتکاف کی نیت، خلوت کی نیت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ کئی نیتیں جمع ہو سکتی ہیں کہ یہ سب یا بعض نیتیں اس کے مسجد میں جانے کے لئے محرک ہوں۔

اسی طرح معصیت میں بھی کئی کئی فاسد نیتیں جمع ہو سکتی ہیں، مثلاً مسجد میں جانے کا باعث فضول باتیں کرنا، مسلمانوں کی آبرو ریزی، ہنسی مذاق اڑانا، بے ریش لڑکوں کو دیکھنا، تفاخر اور مناظرہ کی نیتیں جمع ہو کر شیطان کے اعمال کے مساوی ہو جانا ممکن ہے، معاذ اللہ!

رکن دوم: اخلاص نیت:... حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين"

(البینۃ:۵)

ترجمہ:... "لوگوں کو اسی کا حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں، مخلص بن کر۔"

اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ صرف ایک نیت ہی عمل کا باعث ہو، خواہ ریا مقصود ہو یا محض حق تعالیٰ کی رضا۔ جس طرح الحاد کے لغوی معنی محض میلان کے ہیں، خواہ حق کی جانب ہو یا باطل کی طرف، مگر شرعاً باطل کی جانب مائل ہونے کا نام الحاد ہے، اسی طرح عبادت میں اگر محض رضائے حق تعالیٰ کا قصد ہو تو وہ خالص ہے، اور

اگر اس میں ریا کی آمیزش یا دنیا کے کسی فائدہ کا ارادہ شامل ہو جیسے: اگر روزہ میں عبادت کے ساتھ ساتھ بیماری سے نفع ہونے کا قصد بھی ہو تو یہ اخلاص نہیں، اسی طرح اگر حج کرنے میں یہ غرض بھی ہو کہ سفر کرنے سے صحت مزاج حاصل ہوگی یا دشمن کی ایذا سے چند روز بچا رہوں گا، تو اخلاص نہ رہا۔ اہل بصیرت کا قول ہے کہ اگر ایک ساعت بھی خلوص حاصل ہو جائے تو نجات مل جائے گی۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مبارک ہو اس کو! جس کا ایک قدم بھی ایسا اٹھا جس سے مقصود خدا تعالیٰ ہے۔“

یاد رکھو! اگر مباح کاموں کے اندر حق تعالیٰ کی رضا کا قصد شامل ہو جائے تو اس کا ثواب بھی ضرور ملے گا۔

تیسرا رکن صدق ہے۔۔۔ اور یہی اخلاص کا کمال ہے، حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندے وہ ہیں جو اپنے عہد میں سچے ثابت ہوئے۔

صدق کے درجات:

صدق کے چھ درجے ہیں:

پہلا درجہ صدق قولی ہے، کہ ہر حالت میں سچ بولے۔ اس کے دو کمال ہیں، اول: تعریض سے بھی پرہیز کرے، دوسرا یہ کہ ان اقوال میں بھی صدق کا لحاظ رکھے، جو حق تعالیٰ کے سامنے عرض کرتا ہے، مثلاً: نماز میں ”اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ“ (تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں) کہتا ہے، پس اگر اس کے اندر زر کی طلب اور مال کی محبت موجود ہے تو یہ بھی کذب ہے، کیونکہ دل میں تو زر کا بندہ بنا ہوا ہے۔ اسی طرح ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ“ کہنے کے وقت ہمہ تن شکر ہو جائے، اگر ایسا

نہ ہو تو یہ بھی کذب ہے، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا!

دوسرا درجہ: نیت میں سچا رہنے کا ہے، یعنی ایسا اخلاص کہ جس میں عبادت کے قصد کے سوا کسی دوسرے قصد کی آمیزش نہ ہو۔

تیسرا درجہ: عزم میں سچا بننے کا ہے، انسان اکثر قصد کرتا ہے کہ اگر مجھے مال ملا تو اتنی خیرات کروں گا، پھر جب مال مل گیا تو بعض حضرات تو عزم میں پختہ رہتے ہیں، مگر بعض متردد ہو جاتے ہیں، سچا وہ ہے جس کے عزم میں تردد نہ آئے۔

چوتھا درجہ: عزم کے پورا کرنے میں سچائی کا ہے، کیونکہ اکثر اوقات انسان عزم میں تو پختہ ہوتا ہے، مگر پورا کرتے وقت کاہل بن جاتا ہے، مثلاً: مال کے ہاتھ آنے کے بعد صدقہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

پانچواں درجہ: یہ ہے کہ ظاہر و باطن یکساں ہوں، یعنی ظاہری حالت وہی ہو جو باطن میں ہے، مثلاً: نرم چال چل کر ظاہر کرے کہ طبیعت میں وقار ہے، جبکہ قلب کے اندر وقار نہ ہو، بلکہ محض لوگوں کے دکھانے کو ہو، تو اس کا نام ریا ہے، اگر دکھاوے کا خیال نہیں تو ریا تو نہیں، مگر صدق بھی نہیں۔

چھٹا درجہ: باطنی معاملات اور مدارج میں سچا ہو، مثلاً: زہد، اخلاص، توکل وغیرہ کا انتہائی مرتبہ حاصل کرے، جو اُسے اسم بامسمّٰی بنا دے، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ." (الحجرات:۱۵)

ترجمہ:... "مؤمن وہی ہے جو اللہ و رسول پر ایمان لائے، پھر اس نے نہ کچھ شبہ کیا اور نہ اللہ کے راستے میں اپنے

مال و جان سے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ سچے ہیں۔"

جس شخص کو ان میں سے جو درجہ حاصل ہوگا، اسی مقدار کے موافق اسے صدق کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

۷:...توکل کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ." (ابراہیم:۱۱)

ترجمہ: "اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسا رکھنا چاہئے۔"

"إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا." (یونس:۸۴)

ترجمہ: "لوگو! اگر ایمان دار ہو تو خدا پر توکل کرو۔"

توکل کے معنی اس حالت کے ہیں، جو حق تعالیٰ کو یکتا، فاعل، مختار، تمام صفاتِ کمالیہ میں مستقل اور لاشریک سمجھنے کے بعد پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد یہ حالت ایسے کام کراتی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد ظاہر ہوا کرتا ہے۔

توکل کے ارکان:

توکل کے تین رکن ہیں: اوّل معرفت، دوم حالت، سوم عمل۔

رکنِ اوّل: معرفت:...یعنی حق تعالیٰ کی توحید، جس کا اقرار کلمہ توحید سے ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کا ملک ہے، وہ یکتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، جب اس کا اعتقاد راسخ ہوجائے گا تو توکل کی حالت ضرور پیدا ہوگی، بشرطیکہ اس صدق اقرار کا معنی قلب پر غالب آجائے۔

دوسرا رکن حال توکل ہے:...اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے تمام کام خدا کے حوالے کردو، قلب کو مطمئن رکھو اور غیر سے نظر اٹھالو کیونکہ جب سب کچھ

اسی کے قبضے میں ہے اور اور تہم و تقدیر بھی ہے، تو پھر اس پر توکل کیوں نہ ہو؟ اگر اتنا جان کر بھی توکل نہ ہو یا پورا یقین نہ ہو، یا یقین تو ہے مگر قلب پر اس یقین کا اثر نہیں، جیسے موت کے آنے کا یقین تو ہے، مگر ایسا غافل ہے کہ گویا مرنا ہی نہیں، یا قلب پیدائشی طور پر ضعیف اور بزدل ہے، جس پر اوہام اور افکار باطلہ غالب ہیں، جیسے مردہ کے پاس لیٹنے سے ڈر معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یقین ہے کہ مردہ کچھ نہیں کر سکتا، تو یہ واقعی توہم ہے۔

تیسرا رکن اعمال ہیں:... جاہلوں کا خیال ہے کہ توکل وہی ہے جو سب کام چھوڑ چھاڑ کر، بے کار محض ہو کر خلوت میں بیٹھ رہے، اگر بیمار ہو جائے تو علاج نہ کرے، کبھی آگ میں گھس جائے، کبھی شیر کے منہ میں ہاتھ دے دے، تب متوکل کہلائے گا۔ حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے، کیونکہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے، جبکہ شرع نے توکل کی ترغیب دی ہے، بھلا جس چیز کو شریعت حرام بتلائے، اس کی ترغیب کیوں دلائے گی...؟

اصل بات یہ ہے کہ انسان کی کوشش چند وجوہ سے ہوا کرتی ہے، مثلاً: نفع بخش چیز کے حاصل کرنے، موجودہ نفع کی حفاظت، آنے والے ضرر کے روکنے یا موجودہ نقصان کے دور کرنے میں ہوا کرتی ہے۔

منفعت اور مضرت کی صورت میں اسباب اختیار کرنے اور کوشش کرنے کی تین صورتیں ہیں: یا تو وہ نفع حاصل کرنے اور مضرت سے بچنے کا یقینی سبب ہوگا۔ یا اس کا غالب گمان ہوگا، یا محض موہوم ہوگا، یقینی سبب کے اختیار کرنے کا حکم شرعاً ضروری ہے، کیونکہ حق تعالیٰ نے قاعدے کے طور پر تجویز فرمایا ہے، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، اس کو ترک کرنا حرام اور گناہ ہے، مثلاً: اولاد ہونے کے لئے نکاح کرنا، اور بھوک پیاس رفع کرنے کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرنا، یا درندہ کو دیکھ کر بھاگے

جانا، یا جنگلی دیوار کے پاس سے ہٹ جانا، اس میں توکل یہ ہے کہ اسباب ضرور اختیار کرے مگر ان سب پر دل سے بھروسا نہ ہو، بلکہ دل سے خالق پر بھروسا ہو۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ سبب پر نتیجہ مرتب ہونے کا غالب گمان ہو، مثلاً جنگل کے سفر کے لئے توشہ لے جانا، اگر توشہ ساتھ نہ لے جائے تو اگرچہ مرجانا تو یقینی نہیں، تاہم غالب گمان ہے کہ مرجائے گا، تو ایسے سبب کا اختیار کرنا بھی خلافِ توکل نہیں، بلکہ سلف کا طریقہ اور صلحاء کا معمول رہا ہے۔

تیسری صورت موہوم کی ہے کہ جیسے مرض کے جاتے رہنے کے لئے منتر پڑھنا، داغنا اور منتر کا ترک کرنا وغیرہ بھی توکل ہے، ہاں! اگر غالب گمان ہو تو اختیار کرنا جائز ہے۔

فائدہ:... متوکل کو اپنے لئے ذخیرہ بنا کر رکھنا خلافِ توکل ہے، اور بال بچوں کے لئے ذخیرہ بنانا خلافِ توکل نہیں، حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہراتؓ کے لئے سال بھر کا نفقہ مرحمت فرمادیتے تھے۔

۸:... محبت کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے، اور نیک بندے اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔"

حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"جب تک تمہارے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہوگا، اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا۔" (مشکوٰۃ ص:۱۲ بحوالہ بخاری و مسلم)

یاد رکھو! محبت کا مدار حسن پر ہے۔ اور حسن دو قسم پر ہے: حسن ظاہری اور حسن معنوی۔

اسبابِ محبت:

حسنِ ظاہری: کی وجہ سے محبت کا ہونا ادنیٰ درجہ ہے۔ کیونکہ حسن ابھی معرضِ زوال میں (زوال پذیر) ہے، اور اس حسن کا ادراک بھی حواسِ خمسہ سے ہوتا ہے، مثلاً آنکھ کو خوبصورت و حسین چیز دیکھنے سے لذت آتی ہے، کان کو موزوں اشعار اور خوش الحانی سے مزہ آتا ہے، زبان کو چکھنے سے، ناک کو سونگھنے سے اور تمام بدن کو نرم چیز کے چھونے سے لذت حاصل ہوتی ہے، اور حواسِ خمسہ کے لذائذ میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہیں۔

حسنِ معنوی: یعنی خوب سیرتی کی وجہ سے محبت کا ہونا اعلیٰ درجہ ہے۔ کیونکہ اس حسن کا ادراک کرنے والا قلب ہے، اور قلب جس کو عقل اور نور بھی کہتے ہیں، انسان کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ اس کا ادراک بصیرت سے ہے، بشرطیکہ بصیرت کے آنکھ، کان روشن ہوں، اور بصیرتِ قلب انسان کے ساتھ خاص ہے۔ جتنے خوبصورتی کے اوصاف کامل ہوں گے اتنی ہی محبت کامل تر ہوگی، مثلاً جتنے بھی مقتدایانِ دین کے کمالات سنے جاتے ہیں، اتنی ہی ان سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ ان کے ساتھ اتنا تعلق ہو جاتا ہے کہ ان کے نام پر جان و مال خرچ کرنے میں مطلق دریغ نہیں ہوتا۔ حالانکہ ان کی صورتِ مبارک بھی آنکھوں سے نہیں دیکھی، جب مقتدایانِ دین کے کمالاتِ عالیہ سن کر ان سے اتنی محبت ہوتی ہے، کہ ان کے نام پر جان و مال قربان کرنے سے دریغ نہیں ہوتا، تو چونکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کمالات بدرجہ اتم موجود ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے

ساتھ محبت و تیرہ کے علاوہ انبیاء سے بڑی ہوتی ہوگی، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جس ذات نے یہ کمالات عطا فرمائے ہیں، اور درحقیقت مخلوق کے تمام کمالات اسی ذات کے اوصاف کے پرتو اور ظل ہیں، تو اس کے ساتھ محبت کیوں نہ ہوگی؟ اس پر بھی اگر تمہاری بصیرت حق تعالیٰ کے جلال و جمال کا ادراک نہ کر سکے اور عشق پیدا نہ ہو، تو تم سے تم اتنا تو کرو کہ اس کے احسانات و انعامات کو یاد کرو، آخر محسن کے ساتھ محبت پیدا ہو جائے گی۔

محبت کی علامات یہ ہیں:

اوّل:... یہ کہ انسان اپنے نفس کی خواہش پر اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیتا ہو۔

دوم:... یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہو، موت سے نہ گھبرائے۔

سوم:... یہ کہ حکم الٰہی اور قضا و قدر پر اس طرح راضی رہے، کہ گوارا اور ناگوار جو کچھ بھی پیش آئے، اس پر زبان یا دل سے شکوہ نہ کرے۔ اللّٰھم ارزقنا حبک وحب من یحبک!

۹:...رضا بر قضا کا بیان:

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی شان میں فرمایا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔"

رضا کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر، باطن، زبان اور دل میں سے کسی سے، اور کسی حالت میں حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے، اس کے ساتھ ہی اس کے حکم کی تعمیل بھی ہو، اسی طرح اس نے عالم کے لئے جو نظام تجویز فرمایا ہے، اس سے بھی باہر نہ نکلے، بلکہ

شرعی احکام کا پورا پابند رہے، اور حق تعالیٰ کی مرضی حاصل کرنے اور ان کو راضی کرنے کے لئے اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد نہ کرے۔ مثلاً: دعا مانگنے اور شر سے بچنے کی تدبیر کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ اسی طرح جس شے کے حاصل ہونے کے لئے جو سبب مقرر فرمائے ہیں، مثلاً: پیاس کے دفع کرنے کے لئے پانی اور بھوک کے لئے روٹی، اولاد حاصل کرنے کے لئے شادی کرنا، ان سب کے اختیار کرنے میں رضا بالقضا ہے، اور ان کے ترک میں اسباب اور عادت جاریہ میں رخنہ ڈالنا یا حدودِ شریعت سے باہر نکلنا ہے، اسی طرح امر بالمعروف نہ کرنا بھی حدودِ شریعت سے نکلنا ہے۔

معصیت و کفر کی دو حیثیتیں:

یاد رکھو! کہ معصیت و کفر میں دو حیثیتیں ہیں:

ایک یہ کہ وہ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہے، کیونکہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی ذرہ بھی نہیں ہل سکتا، پس اس اعتبار سے تو اس کو قضا اور تقدیر کہتے ہیں، اس حیثیت سے اس پر ناگواری نہیں، بلکہ رضا ہونی چاہئے کہ حق تعالیٰ کا جو کام بھی ہے، وہ مصلحت سے خالی نہیں۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ کفر و معصیت، عاصی یا کافر شخص کا عمل اور کسب ہے، جو اس کے حق تعالیٰ کا دشمن اور نافرمان ہونے کی علامت ہے، پس اس اعتبار سے بے شک اس پر ناگواری اور اس سے بغض ہونا چاہئے، اسی اعتبار سے امر بالمعروف ہے، اور یہی تعمیلِ فرمان ہے، اور اسی اعتبار سے مبغوض ہے، خوب سمجھ لو!

۱۰:... فکرِ موت کا بیان:

یاد رکھو! کہ مقاماتِ سالکین سب ایک درجے کے نہیں ہیں، ان میں سے

بعض تو مقصود بالذات ہیں، کہ کسی کی وجہ سے نہیں ہیں، جیسے مقام رضا اور مقام محبت۔ اور بعض مقصود بالغیر ہیں، کہ کسی اور شے کی وجہ سے مقصود ہو گئے ہیں، مثلاً: زہد، توبہ، خوف اور صبر وغیرہ۔ کیونکہ درحقیقت مقصود تو قرب خداوندی ہے، البتہ یہ تمام مقامات خود قرب نہیں، بلکہ راہِ قرب میں معین ہیں، کیونکہ قرب تو معرفت ومحبت سے حاصل ہوتا ہے، اور معرفت ومحبت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ غیر اللہ کی محبت قطع نہ کر دی جائے، اور غیر اللہ کی محبت جیسے خوف خداوندی اور ذکر الٰہی کے ذریعہ قطع ہوتی ہے، اسی طرح موت کی یاد سے بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"اکثروا ذکر هاذم اللذات"

(مشکوٰۃ ص:۱۴۰، بحوالہ ترمذی)

ترجمہ..."لذتوں کے توڑنے والی چیز یعنی موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔"

موت کے یاد کرنے کی صورت یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر دل سے سارے خیالات کو نکال کر توبہ کے ساتھ موت کو یاد کرو کہ ایک دن آئے گا جب مال، اولاد، خویش واقرباء کو چھوڑ کر قبر میں جانا ہے، جیسا کہ میرے فلاں فلاں دوست کیسے عیش وآرام میں تھے، مگر کیا ہوا کہ ان کی سب امیدیں خاک میں مل گئیں، اور ان کے جسم کیڑے مکوڑوں کی غذا بن گئے، وہ پس ماندگان جن کے لئے تکلیف کش تھا، اب وہ ان کو یاد بھی نہیں، اسی طرح فکر کرتا رہے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ طول امل یعنی لمبی امیدیں کم ہو جائیں گی۔ اور نفس کی اصلاح ہو کر ان شاء اللہ تعالیٰ جنت کے حصول کا ذریعہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب پیدا ہو جائے گا، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

خاتمہ در حسنِ خلق:

حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"مومنین میں افضل وہی ہے جس کا خلق سب سے
بہتر ہے۔" (مشکوۃ ص۴۳۲ بحوالہ ابوداؤد، دارمی)

حسنِ خلق کا نام دین ہے، اور اسی کی تکمیل کے لئے جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف لائے، اگرچہ خلقِ حسن کی تحقیق میں محققین کے اقوال مختلف ہیں، مگر ہم اختصار کے ساتھ چند چیزیں بیان کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ خَلق بفتح خ سے مراد صورتِ ظاہری ہے، اور خُلق بضم خ سے مراد صورتِ باطنی ہے، جس طرح خوبصورت، حسین اسی وقت کہا جاسکتا ہے جبکہ ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان اور سارے اعضاء متناسب اور خوبصورت ہوں، اسی طرح حسنِ خلق یعنی خوب سیرتی اس وقت حاصل ہوگی جب اس کی تمام باطنی حالتیں قابلِ تعریف اور پسندیدہ ہوں، پھر باطنی حالت کا حسن اور خوبی ان چار قوتوں کے اعتدال پر موقوف ہے جن کا نام قوتِ علم، قوتِ غضب، قوتِ شہوت اور قوتِ عدل ہے، اگر ان میں سے ایک میں بھی افراط وتفریط ہوگی تو حسنِ خلق نہ ہوگا۔

اوّل: قوتِ علم:... جس کا اعتدال اور حسن یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعہ اقوال میں سچ، جھوٹ، اعتقادات میں حق و باطل، اور اعمال میں حسن و قبح یعنی اچھے اور بُرے کی پہچان اور امتیاز و تفریق کر سکے۔

علامت: جس وقت یہ صلاحیت پیدا ہوجائے گی، تو اس وقت حکمت اور اس کا ثمرہ پیدا ہوجائے گا، جسے اللہ تعالیٰ ان الفاظ ارشاد فرماتا ہے کہ:

"وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا"
(البقرۃ:۲۶۹)

ترجمہ: ''اور جس کو حکمت نصیب ہوئی، اس کو خیر کثیر عطا ہوئی۔''

جو درحقیقت تمام فضیلتوں کی جڑ ہے۔

دوم و سوم: قوت غضب و قوت شہوت: ... ان کا اعتدال اور حسن یہ ہے کہ یہ دونوں قوتیں حکمت و شریعت کے اشارے پر چلتی رہیں، اور مہذب و مطیع شکاری کتے کی طرح شریعت کی فرماں بردار بن جائیں۔

شجاعت:

قوت غضبیہ کے اعتدال کا نام شجاعت ہے، اور یہی عنداللہ تعالیٰ پسندیدہ ہے، اسی سے شجاعت، لطف، کرم، دلیری، جوانمردی، بردباری، استقلال، نرمی، غصے کے ضبط کا مادہ، ہر کام میں غور، تدبر اور وقار پیدا ہوتا ہے، مگر اس میں زیادتی ہوتی ہے تو اس کا نام تہور ہے، اس سے ناعاقبت اندیشی، شیخی بگھارنا، غصے سے بھڑک اٹھنا، تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے، اگر اس میں کمی ہوتی ہے تو بزدلی، ذلت، بے غیرتی، بے حمیتی اور وہ حرکات پیدا ہوتی ہیں جو چھچھورا پن کہلاتی ہیں۔

پارسائی:

شہوت کی حالت کے اعتدال کا نام پارسائی ہے، اسی حالت سے سخاوت، حیا، صبر، قناعت اور اتقا پیدا ہوتے ہیں، اسی سے خوف و خشیت اور دوسرے کی مدد کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے اعتدال سے بڑھنے سے حرص، ہوس، لالچ، خوشامد، تذلل، فقیروں کو بہ نظر حقارت دیکھنا، بے حیائی، فضول خرچی، ریا، تنگ دلی، بزدلی اور حسد وغیرہ خصائل بد پیدا ہوتے ہیں۔

چہارم: قوت عدل: ... اس کا اعتدال یہ ہے کہ قوت غضب اور قوت

شہوت دونوں کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے اور ان کو دین وعقل کے اشارے کا ماتحت بنائے رکھے، گویا عقل حاکم ہے۔ اور یہ قوت عدل اس کی پیش کار ہے۔ جدھر حاکم کا اشارہ ہوتی ہے، اسی جانب کو جھک جاتی ہے، اور اسی کے موافق احکام جاری کرتی ہے۔ پس جس وقت یہ حالت قابلِ اطمینان اور لائقِ تعریف ہو جاتی ہے، تو انسان احسن الخلق اور خوب سیرت کہلائے گا۔

قوت عدل اگر اعتدال میں ہو تو انسان مدبر، منتظم، ذکی اور سمجھ دار ہوتا ہے، اس کی رائے صائب ہوتی ہے، ہر مضمون میں چلتی ہے۔ اور جودت کہلاتی ہے۔ اگر حد اعتدال سے بڑھ جائے تو دھوکا بازی اور مکاری کہلاتی ہے، اگر عقل کی قوت میں کسی قسم کا نقصان اور ضعف ہوگا تو کند ذہنی اور حماقت کہلائے گی، جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا آدمی جلد دوسرے کے دھوکے میں آجائے گا۔

فائدہ:... ان بداخلاقیوں کی اصلاح چونکہ ریاضت و مجاہدہ سے ہوسکتی ہے، لہٰذا اگر کسی میں کوئی بُرا اخلاق ہو تو اس کو چاہئے کہ نفس پر جبر کرے، مثلاً: اگر بخل کی عادت ہو تو جبراً و قہراً اور نفس کو ناراض کرکے خرچ کرنے کی عادت ڈالے، اگر فضول خرچی کا خوگر ہو تو نفس کو فرضی سخاوت سے روکے اور بے جا خرچ کرنا بند کرے، تاکہ کم خرچی کی عادت ہوجائے، رفتہ رفتہ طبیعت حالتِ اعتدال پر آجائے گی، اور خصلتِ محمودہ سے ایسا متصف ہوجائے گا کہ وہ عمدہ خصلت طبیعت بن جائے گی، اسی طرح ہر مرض کا علاج اس کی ضد سے کرے، اُمید ہے کہ وہ مرض کافور ہوجائے گا۔

بداخلاقیوں کا علاج:

کبھی بدخلق شخص بھی اپنے کو خلیق اور خوب سیرت سمجھنے لگتا ہے، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو غصہ آتا ہے، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ کے واسطے ہی غصہ

آیا ہے، جو خوب سیرتی کے لئے ہونا چاہئے، اسی طرح مثلاً اپنی عبادت کو لوگوں پر
ظاہر کرتا ہے اور اس کو نفس یہ دھوکا دے کر مطمئن بنا دیتا ہے کہ تمہاری غرض یہ ہے کہ
لوگ اس نیک کام کی رغبت اور اس میں تمہاری اقتدا کریں۔ لہٰذا مناسب ہے کہ اپنی
حالت اپنے کسی مخلص اور صاف گو دوست سے پوچھو کہ وہ تمہیں کیسا سمجھتا ہے؟ چنانچہ
اگر تمہارے دوست کو تمہاری خیر خواہی منظور ہوگی تو بے تکلف وہ تم کو بتا دے گا کہ
تمہاری فلاں عادت خراب ہے، پس اس کی اصلاح میں تم کو مشغول رہنا چاہئے، اگر
چند عادتیں خراب ہوں تو زیادہ خراب کی فکر پہلے کرو، یا قلوب کے کسی ماہر طبیب کو اپنا
اچھا برا حال سب بیان کرتے رہو، وہ جو فرمائے، اس کا اتباع کرو، ان شاء اللہ
اصلاح ہو جائے گی، اور اگر یہ دونوں مفقود ہوں، تو اپنی حالت کا کتب اخلاق سے
موازنہ کیا کرو، اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو لوگوں سے اختلاط اور تعلقات کو کم کرتے
جاؤ، امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اصلاح ہوتی رہے گی۔

سلسلۂ قادریہ کے اسباق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اَصْحَابِہٖ

وَاٰلِہٖ وَاَتْبَاعِہِ الَّذِیْنَ فَازُوْا بِاتِّبَاعِہِ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰی.

سلسلہ قادریہ کے اسباق خواص وعوام کے لئے مختلف ہیں، کسی کے لئے حسب استعداد مراقبات و اذکار ہیں، کسی کے لئے زبانی وظائف ہیں، کسی کے لئے شغل وتصورات ہیں، اور کسی کے لئے محض ذکر قلبی، روحی، سری وغیرہ ہیں، بندہ متوسط علم و استعداد والے حضرات کے لئے چند اسباق پیش خدمت کرتا ہے، گر قبول افتد زہے عز وشرف!

۱:... ذکر قلبی: دل کے مقام پر "اللہ، اللہ" کی ضرب لگانا اور زبان سے بھی کہنا، قلب بائیں پستان کے نیچے بفاصلہ دو انگشت ہوتا ہے۔

۲:... ذکر روحی: لطیفۂ روح دائیں پستان کے نیچے بفاصلہ دو انگشت۔ بجانب پہلو ہے، اس پر "اللہ، اللہ" کی ضرب لگانا اور زبان سے بھی کہنا۔

۳:... ذکر سری: مذکورہ بالا دونوں لطائف کے درمیان وسط سینہ سے ذرا نیچے "اللہ، اللہ" کی ضرب لگانا، اور زبان سے بھی کہنا۔

۴:... ذکر لطیفہ نفسی: لطیفۂ نفس ناف کے نیچے ہے، اس پر "اللہ، اللہ" کی ضرب لگانا، اور زبان سے بھی کہنا۔

۵... ذکر لطیفہ خفی: یہ ہے کہ پیشانی پر "اللہ اللہ" کی ضرب لگانا اور زبان سے بھی کہنا۔

۶... ذکر لطیفہ اخفیٰ: تالو پر "اللہ اللہ" کی ضرب لگانا اور زبان سے کہنا۔

۷... پاس انفاس: لطیفہ قلبی، روحی اور سری سے اسم ذات "اللہ" کو اٹھا کر (یعنی بذریعہ سانس کھینچ کر) اخفیٰ (تالو) تک لے جانا، پھر ناک کے راستے سے "ہو" کو نکالنا۔

۸... ذکر اثبات: خفی کی تہ سے "یا" کو لطیفہ روحی تک لانا، پھر روحی سے سری تک "اللہ" کہنا اور سری سے قلبی تک "ہو" کہنا۔

۹... ذکر صفات: حی، سمیع، بصیر، کلیم، غنی، قدیر، مرید اور علیم، ان صفات مذکورہ کو لطائف پر اس طرح پڑھنا: اے حی تو ہی ہے، بصیر تو ہی ہے، کلیم تو ہی ہے، غنی تو ہی ہے، قدیر تو ہی ہے، مرید تو ہی ہے، علیم تو ہی ہے۔

۱۰... سلطان الاذکار: اسم ذات "اللہ" کو لطیفہ نفس سے اٹھا کر عرش سے اوپر لے جانا اور تصور کرے کہ تمام فرشتے تسبیح پڑھ رہے ہیں، اور چاروں طرف سے فرشتے زور زور سے تسبیح پڑھ رہے ہیں، پھر وہاں سے "ہو" کو نیچے لانا اور ساتوں زمین کے نیچے تک لے جانا۔

۱۱... نفی اثبات: لطیفہ نفس سے "لا" کو لطیفہ سری تک لانا، پھر سری سے "الہ" کو اخفیٰ تک لے جانا، پھر روحی سے قلبی تک "الا اللہ" پڑھنا۔

۱۲... مراقبہ اسم نورانی: مذکورہ بالا لطائف پر بیک وقت "اللہ" کی ضرب لگانا اور ساتھ ہی ان کو روشن کرنا۔

۱۳... کبھی نفی اثبات اس طور سے کراتے ہیں کہ "لا" کو لطیفہ روحی سے لطیفہ سری تک لانا اور "الا اللہ" کی قلب پر معمولی ضرب لگانا اور کبھی "لا" کو لطیفہ نفس کی

سے کھینچ کر لا نفی تک اور "الا" کو دائیں مونڈھے تک لا کر نفی غیر اللہ کا تصور کرتا اور "الا اللہ" کی ضرب دل پر لگاتا، اور اثبات ذات کا کیا جائے، پھر "الا اللہ، الا اللہ" کی ضرب دل پر لگائے، پھر "اللہ، اللہ" کی ضرب دل پر لگائے، پھر "ہو، ہو" کی ضرب دل پر لگائے، تمام تین، تین سو بار پڑھے، یہ دوازدہ تسبیحات ہیں، مگر زبان سے رونے کی آواز سے آہستہ آہستہ اس قدر کہ ساتھ والا سنے، دور آواز نہ جائے۔

۱۱۔ پھر "اللہ حاضری" دائیں مونڈھے پر اور "اللہ ناظری" بائیں مونڈھے پر "اللہ معی" سینہ پر تین بار کہے، مگر حاضری، ناظری اور معی کا اس قدر فکر کرے کہ ہر وقت اس کا تصور رہے تاکہ غلطیوں سے بچ جائے، اور فرمان کی تعمیل پوری ہوتی رہے۔ اور حاضری، ناظری اور معی میں اللہ تعالیٰ کا استحضار اکثر اوقات رہ جائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ

وصحبہ وسلم ابدا الابید وختم لنا العمل السعید فانہ

بالاجابۃ جدیر وھو علی کل شیء قدیر

ویفعل ما یشاء ویحکم ما یرید

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ

"درحقیقت مقصود تو قربِ خداوندی ہے
قرب تو معرفت و محبت سے حاصل ہوتا ہے، اور
معرفت و محبت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ غیر اللہ
کی محبت قطع نہ کر دی جائے۔"

التجلی

فی الانوار و التجلی

یعنی

انوار و تجلی کی حقیقت

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

عَلٰی مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ!

واضح ہو کہ انوار و اذکار، کشف اور تجلیات کی کیفیات میں بعض احباب کو ورطۂ حیرت میں مضطرب و سرگرداں دیکھا۔ خیال ہوا کہ اگر چند ضروری کتب سابقہ بزرگوں کی اور مسلمہ القدس طیبات اکابر کرام مثلاً حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ وغیرہم سے حوالۂ قلم کردی جائیں تو شاید کسی کو فائدہ ہو اور دعائے مغفرت کرے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مجھے بخشے، وھو غفور رحیم۔ تو یہی میری نجات کے لئے ایک سبب ہے، اس لئے یہ مختصر پیش خدمت ہے، ناظرین کرام قبول فرما کر میرے لئے دعا فرمائیں۔ سبحویہم اللہ تعالیٰ حیبو!

عرض یہ ہے کہ دل کا آئینہ ذکر اللہ سے آہستہ آہستہ صاف ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ"

(مشکوٰۃ ص ۱۹۹)

ترجمہ: "بے شک ہر چیز کو صیقل کرنے والی کوئی

خاص چیز ہوتی ہے، اور دلوں کو صفا کرنے والی چیز ذکر اللہ ہے۔"

ذکر چہ تمام عمر قساوت قلوب میں بسر ہوتی ہے، چند ایام ذکر کرنے سے...

بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک غالب ہے... سیاہی آہستہ آہستہ دور ہونے لگتی

ہے، ذکر سے صفائی ہوتی ہے، اور صفائی پر گاہے انوار رو ہونے لگتے ہیں (ہر کسی کو

انوار معلوم نہیں ہوتے، کسی کسی کو ہوتے ہیں) اور وہ انوار تین قسم پر منقسم ہیں:

۱... بروق، ۲... بوامع ۳... لوائح۔

بروق: برق کی طرح جلدی آتے اور جاتے ہیں، جیسے روشنی و چمک ظاہر

ہوئی اور پھر نہیں ہوئی۔

لوامع: چمک پے در پے ہوتی ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی بس (ختم)

ہو جاتی ہے، لیکن ان کی روشنی پہلی قسم سے زیادہ ہوتی ہے، کبھی چراغ، مشعل کی طرح

ہوتی ہے۔

لوائح: میں روشنی دیر تک رہتی ہے، اکثر آفتاب، چاند اور ستارے کی طرح

منعکس ہوتی ہے، پھر وہ روشنی کبھی جسم کے باہر اور کبھی اندر ظاہر ہوتی ہے۔ مع ہذا اگر

کسی رنگ، شکل، صورت اور کیفیت میں ظاہر ہو تو صفات بشری کی آلائش سے خالی نہ

ہوگی، حواس باطنہ، ظاہرہ، عناصر یا کسی خارجی چیز کی لطافت کی آمیزش ہوگی، وہ نور

مقید کے نام سے موسوم ہے، اگر وہ بے رنگ و کیف ہے تو وہ وجدان قلبی سے معلوم

ہوتی ہے، اس کو نور مطلق کہتے ہیں۔

انوار کس کس چیز سے پیدا ہوتے ہیں؟

کبھی یہ انوار اعتقادات صحیحہ کا پرتو، کبھی اعمال صالحہ کی تجلی، کبھی اخلاق

ناخنوں کی روشنی، کبھی یہ نور مشکوٰۃ نبوت سے مستفاد، کبھی ولایت شیخ و مرشد اور کبھی مکان مقدس، مزار متبرک اور زمان مبارک کا نور ہوتا ہے۔ انوار کے امتیاز کے لئے شیخ صاحب بصیرت کی ضرورت ہے۔

جاننا چاہئے کہ انوار میں تمائز (امتیاز) اور پہچاننا کہ کس چیز سے پیدا ہوا؟ اور اس کا دوسرے نور سے کیا فرق ہے؟ اور چند چیزوں کے انوار مجتمع ہونے کے وقت غالب و مغلوب میں فرق کرنا بغیر طبیب حاذق یعنی شیخ واثق کے مشکل ہے۔ نیز لطافت باری سے نور کا جدا کرنا اور حواس باطنہ کی تجلی کو عبادت کی تجلی سے علیحدہ کرنا بھی سوائے ماہر، باریک بین کے عسیر (مشکل) ہے۔ اور بعض وقت مجاہدۂ شاقہ، کم خوروئی اور صوت کے سبب سے بھی کسی قسم کا نور نمودار ہوتا ہے، اور کبھی جن و شیطان، بدعتی اور مشرک پر اپنی لطافت باری کا پرتو ڈالتا ہے، جس کو وہ نور سریانی یا طریقی سمجھتا ہے، اس کا فرق بھی محقق کرسکتا ہے، اس کے لئے مرشد بصیر کی ضرورت ہے۔

انوار کا اعلیٰ درجہ:

جاننا چاہئے کہ کبھی سالک پر افعال الٰہی تعالیٰ اور صفات الٰہی تعالیٰ کے انوار کا پرتو ہوتا ہے۔ پھر صفات الٰہی دو قسم کی ہیں: ۱... جمالی ۲... جلالی۔ (یہ پرتو بلاواسطہ ہوگا یا بالواسطہ)۔

اگر صفات جمالی مثل علیم، حلیم، رحمٰن، رحیم وغیرہ کا پرتو وارد ہو اور بالواسطہ ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوا: "مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰى" (القصص:۳۰) اور بلاواسطہ ہو جیسے: "وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا" (النساء:۱۶۴) تو وہ نور بے کیفیت، بے حد اور بے مثل ہوتا ہے، تمکین اور تمکن اس کے لوازمات میں سے ہے، یہاں پر نہ طلوع رہتا ہے، نہ غروب، نہ دایاں، نہ بایاں، نہ قریب، نہ بعید:

"سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ" (حٰمٓ السجدة:۵۳) اگر اپنے تئیں دیکھتا ہے تو حق دیکھتا ہے، اور موجودات کو دیکھتا ہے تو ہر ذرہ میں حق تعالیٰ ہی دکھائی دیتا ہے، "اَنَا الْحَقُّ" اور "مَا رَاَيْتُ الْاَشْيَاءَ اِلَّا وَرَاَيْتُ اللّٰهَ فِيْهِ" اسی مقام کے آثار ہیں:

عمریست کہ در راہ تو باشیعہ سپرم

خاک در تو بدیدہ گاں می سپرم

زاں روئے کنوں کاینہ روئے تو ام

از دیدہ تو بروئے تو می نگرم

ترجمہ:... "ایک عمر ہے جو تیری راہ میں سپرد کرتا ہوں
میں، تیرے در کی خاک کو آنکھوں کے سپرد کرتا ہوں میں، میں
اب اس چہرے سے جو تیرے چہرے کا آئینہ ہے، تیری آنکھ
سے تیرے چہرے میں دیکھتا ہوں میں۔"

اور کبھی افعالِ الٰہی کے انوار سالک پر وارد ہوتے ہیں، تو افعالِ مخلوق بالواسطہ یا بلاواسطہ افعالِ الٰہی معلوم ہوتے ہیں:

اگر دیدہ منکشف خداوند امر

نہ بینی دگر صورت زید و عمرو

یاد رکھنا چاہیے! کہ دونوں عالمِ وجودی میں جو چیز ہے یا انوارِ لطف کا پرتو ہے یا قہر کی صفات کا، کسی چیز کا وجودِ حقیقی قائم بالذات سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں، باقی جو کچھ ہے وہ اسی سے ہے، یا وہی ہے:

دل جزو حقیقت است تن پوست ببیں

در کسوت روح صورت دوست ببیں

ہر چیز کہ نشان ہستی دارد

یا سایہ نور اوست یا اوست بہ تیں

ترجمہ:..."دل جزو حقیقت ہے، بدن کو چھلکا جان،

روح کی لباس میں دوست کی صورت دیکھ، جو چیز کہ اس کی ہستی

کا نشان رکھتی ہے، یا اس کے نور کا سایہ ہے یا خود وہی جان۔"

مکاشفات اور ان کی اقسام کا مختصر نقشہ:

حدیث میں ہے:

"حِجَابُهُ النُّوْرُ .... لَوْ كَشَفَهُ لَاَحْرَقَتْ

سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ" (صحیح مسلم ج:۱ ص:۹۹)

ترجمہ:..."اس کا حجاب اس کا نور ہے، اگر اس حجاب

کو دور کردے تو اس کے چہرے کی تیزی ان سب چیزوں کو

جلادے جن تک اس کی نگاہ کام کرتی ہے۔"

واضح رہے کہ کشف یہ ہے کہ کسی کا حجاب سے اس طرح نکلنا کہ صاحب

کشف اس چیز کا ادراک ایسی صفت سے کرے جس سے اس سے پیشتر نہ کیا ہو،

جیسا کہ:

"فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ

حَدِيْدٌ." (ق:۲۲)

ترجمہ:..."تیری نظر کے سامنے سے ہم نے پردے

ہٹائے، سو تیری نظر آج تیز ہوتی۔"

حجاب سے مراد وہ موانعات ہیں جن کے سبب انسان حضرت حق شانہ کے

کمالات کے مشاہدے سے دور، ممنوع و محجوب رہتا ہے، اور وہ حجاب انسان کی طرف سے ہیں نہ کہ جل و علا کی طرف سے۔

وہ حجاب یا تو ظلمانی ہوں گے، جیسے:

"اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ.... الخ." (الجاثیہ:۲۳)

ترجمہ:... "بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرالیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو اور راہ سے بچلادیا اس کو اللہ نے باوجود یکہ جانتا بوجھتا، اور مہر لگادی اس کے کان اور دل پر۔"

یا وہ حجاب خواہشات نفسانی ہوں گے، خواہ اعتقادی، اخلاقی یا لسانی و جوارح کے افعال ہوں:

ہمہ پاجوا و ہوس ساختی
دے با مصالح نہ پرداختی

پھر وہ شدید تر حجاب نورانی ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کمالات الٰہی کے مشاہدے سے محروم رہتا ہے، اس لئے کہ ظلمانی حجاب کو گناہ سمجھ کر توبہ سے پاک ہوسکتا ہے، اور حجاب نورانی جیسا کہ انوار، کشف، استغراق اور کرامت وغیرہ کو مقصد اصلی سمجھے، تو یہ شخص ان کو کمال سمجھ کر ان میں محو رہے گا، اور کمال صحیح سے بے بہرہ رہے گا۔

جاننا چاہئے کہ مدرکات انسانی یا بواسطہ حواس خمسہ ظاہری، مثلاً: قوت باصرہ، سامعہ، لامسہ، شامہ اور ذائقہ، کے ہیں، یا بواسطہ حواس خمسہ باطنی، مثلاً: حس مشترک، خیال، وہم، قوت متصرفہ اور حافظہ کے ہیں، اور یہ سب بدن سے متعلق ہیں، ان چیزوں سے جو چیز منکشف ہو، وہ اہل سلوک کے نزدیک مکاشفات میں داخل نہیں، اہل سلوک کی اصطلاح میں مکاشفات کا اطلاق ان معنوں پر ہوتا ہے جو بواسطہ حواس

باطنی جو کہ روح کے متعلق ہیں، مثلاً: عقل، دل، سر، روح اور خفی، کے واسطے سے مدرک ہوں، اس کو مکاشفہ کہتے ہیں، اور وہ چند قسم ہیں:

کشفِ نظری:

یاد رکھنا چاہیے کہ اہلِ سلوک کے نزدیک ستر ہزار حجاب فیما بین العبد والرب ہیں، جیسا کہ وارد ہے:

"اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَّ ظُلْمَةٍ۔" (اتحاف ج:۲ ص:۴۷۰)

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ کے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔"

یہ ستر ہزار پردے انسان کے وجود میں ہیں، جب سالکِ صادق اہلِ علیین کی طرف رُخ کرتا ہے اور قانونِ طریقت کے مطابق ریاضت و مجاہدہ سے راہ طے کرنے لگتا ہے، تو اُن حجابوں میں سے جو رفع ہوتا ہے، اس کے مطابق گاہے صفائی عقل سے اس کو معقول معانی دکھائی دیتے ہیں، اور اسرار منکشف ہوتے ہیں، اس کو کشفِ نظری کہتے ہیں۔ اس پر اس قدر بھروسہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ جو چیز دکھائی دے اور طے نہ ہو، وہ قابلِ اعتبار نہیں:

"نے ہر چہ بینی بتو بخشد ای دل"

(اے دل یہ بات نہیں ہے کہ تو جو کچھ دیکھے وہی تجھے عطا کردے)

کشفِ شہودی (قلبی):

اور جب معقولات کے کشف سے عبور کیا تو دل کے مکاشفات ظاہر ہوتے ہیں، جنھیں کشفِ شہودی کہتے ہیں، اس میں مختلف انوار ہوتے ہیں، جیسا کہ کسی قدر

پہلے بیان ہو چکا ہے۔

مکاشفاتِ سِرّی:

اس کے بعد الہامی کشف وارد ہوتے ہیں، یہاں پہنچ کر اکثر چیزوں کے وجود کی حقیقت اور اس کی پیدائش کے بعض اسرار مکشوف ہوتے ہیں، ان کو مکاشفاتِ سرّی کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ دل عالمِ جسمانی اور عالمِ ملکوت کا وسیلہ ہے، اس کا ایک رخ عالمِ ملکوت میں ہے اور دوسرا عالمِ جسمانی کی طرف۔ تاکہ عالمِ ملکوت کی طرف سے روحانیت کے انوار کے ذریعہ بدن اور نفس دونوں کو پہنچائے۔

مکاشفاتِ نظری سے خداوندی کے عالمِ پاک تک راہ ملتی ہے، اور مکاشفاتِ شہودی سے عالمِ ملکوت کے انوار وارد ہوتے ہیں، اور مکاشفاتِ سرّی سے حقائقِ اشیاء کے فیوض دل کو پہنچتے ہیں۔ پس جیسے دل عالمِ جسمانی اور عالمِ ملکوت کا وسیلہ ہے، ویسے ہی سر عالمِ دل اور عالمِ روح کا وسیلہ ہے، عالمِ روح سے بواسطہ سر فیض عالمِ دل پر پہنچتے ہیں:

ای کرده غمت غارت هوش دل ما
درد تو زده خیمه در آغوش دل ما
سریست مقدس از آن محرم نه
عشق تو فرو گفته بگوش دل ما

مکاشفاتِ روحی:

اس کے بعد مکاشفاتِ روحی وارد ہوتے ہیں۔ جسے روحانی کشف کہتے ہیں، اس مقام میں بعض کو صفائی کے مطابق مختلف عروج اور مختلف عوالم (عالم کی جمع)

کے کشف وارد ہوتے ہیں، پھر کسی کو زمان و مکان سے بعض حجاب کا بے مرتفع ہو جاتے ہیں، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر دوزخ و بہشت کا بے منکشف ہونا، غالباً ان ہی آثار سے تھا۔

فائدہ... بہت سے خرقِ عادات جنہیں کرامات کہتے ہیں، اسی مقام میں بعض کو ملتے ہیں، پانی یا آگ پر چلنا اور زمین وغیرہ کا طے ہونا اسی مقام پر ظاہر ہوتے ہیں، مگر ان کرامتوں کا چنداں اعتبار نہیں، کیونکہ یہ چیزیں مومن و کافر دونوں میں مشترک ہیں، جیسے حدیث میں ابن صیاد کے بعض کشف مذکور ہیں اور دجال کے سینکڑوں خارقِ عادات حدیث میں وارد ہیں، کرامت اور استدراج میں تشابہ ہے، سنت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صحیح عمل کرامت اور استدراج میں فرق کرنے والی ہے۔

مکاشفاتِ خفی:

اس کے بعد مکاشفاتِ خفی ظاہر ہوتے ہیں، وہ مومنوں کے ساتھ خاص ہیں، کفار، فساق کو نہیں ملتے، جیسا کہ فرمایا:

"كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ"

(المجادلہ:۲۲)

ترجمہ... "ان کے دلوں میں ایمان لکھا گیا ہے، یعنی دائم و قائم ہے، اور ان کو اس کی روح سے تائید حاصل ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ"

(المومن:۱۵)

ترجمہ: "اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے

اپنے امر سے روح کا القا فرماتا ہے۔"

پس تجلی صفات خداوندی کے عالم اور روحانیت کے عالم کا وسیلہ ہے، تا کہ انسان صفات حضرت حق کے مکاشفات کے قابل ہو جائے۔

پھر اگر عالمیت کی صفت مکشوف ہو تو اس کو علم لدنی ظاہر ہوتا ہے۔

اور سمعی صفت مکشوف ہو تو کلام اور خطاب شنوائی دیتے ہیں۔

اور بصری صفت کے کشف سے رؤیت اور مشاہدہ ظاہر ہوتا ہے۔

اور اگر جمال کی صفت ظاہر ہو تو شہود حضرت حق کا ذوق حاصل ہوتا ہے۔

اور اگر جلال صفت ظاہر ہو تو فنا تحقیق ظاہر ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

مگر کشف ذاتی کا مرتبہ اور جمیع صفات کا کشف بہت ہی بلند ہے، سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو کم نصیب ہوا ہے:

ایں دولتے است کہ کرا دہند
تا بر سر کوئے عشق تو منزل ما است
ہر دو جہاں تجلہ کشف ما است
وآنجا کہ قدمگاہ دل مقبل ما است
مغلوب ہمہ جہانیاں حاصل ما است

تجلی ذات وصفاتِ خداوندی:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا:

"فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا" (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ نے جب کوہ طور پر تجلی فرمائی تو

اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر گئے۔"

تجلی کی تحقیق کہ کیا چیز ہے؟ اس کے متعلق مالہ و ماعلیہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم جلد اول صفحہ: ۳۳۵ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے تحقیق فرمائی ہے، جو چاہے وہاں دیکھ لے اس جگہ جو مطلب کتب تصوف سے میری ناقص سمجھ میں آیا ہے، وہ پیش خدمت ہے:

واضح رہے کہ تجلی سے مراد ذات و صفات خداوندی کا ظہور ہے، اور ایک تجلی روح کا بھی ہوتا ہے، اس میں سالک کو تجلی حق کا سا ذوق ہوتا ہے، بعض سالک اس پر فریفتہ ہو کر حق تعالیٰ کی تجلی سمجھتے ہیں، دونوں میں فرق عنقریب پیش خدمت کیا جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

نیز یاد رہے کہ جب دل کا آئینہ ماسوی اللہ کی کدورت سے پاک صاف ہو جاتا ہے تو تجلی حق کے قابل سمجھا جاتا ہے، مگر اس کا یہ معنی نہیں کہ جس کا دل صفا ہو اس کو تجلی کی سعادت بھی حاصل ہو، تجلی کے لئے دل صفا ضروری ہے، لیکن دل صفا پر تجلی ہونا ضروری نہیں:

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تجلی روحانی اور تجلی ربانی میں فرق:

ا:... تجلی روحانی میں صفات بشریہ پورے طور فنا نہیں ہوتیں، جب تجلی حجاب میں ہو، صفات بشری لوٹ آتی ہیں، اور تجلی حق کوہ طور (بدن کی آلائش) کو پاش پاش کر دیتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

"جَـآءَ الْـحَـقُّ وَزَهَـقَ الْـبَاطِلُ إِنَّ الْـبَاطِلَ كَانَ

زَهُوْقًا" (بنی اسرائیل:۸۱)

ترجمہ... "حق آیا، اور جھوٹ زائل ہوا، بے شک
جھوٹ زائل ہونے والی چیز ہے۔"

۲...تجلی روحانی میں پوری تسکین حاصل نہیں ہوتی، اور دل شک و شبہ کے
میل کچیل سے صاف نہیں ہوتا اور تجلی حق اس کے برعکس ہے۔

۳...تجلی روحانی میں غرور، پندار اور خودبینی پیدا ہوتی ہے، اور طلب میں
نقصان آجاتا ہے، کبھی جرأت بڑھ جاتی ہے، لیکن تجلی حق سے ان تمام رذائل کا قلع قمع
ہو جاتا ہے۔

تجلی حضرتِ حق دو قسم پر ہے:

تجلی حضرتِ حق دو قسم پر ہے: ۱...تجلی الوہیت و ۲...تجلی ربوبیت۔
تجلی ربوبیت: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوئی، جیسا کہ ارشاد ہے:
"فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ.... الخ" (الاعراف:۱۴۳)
جب حق تعالیٰ نے اپنی ربوبیت سے تجلی فرمائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام
بیہوش ہو کر گرے، اور پہاڑ کے جس حصے پر تجلی ہوئی، وہ پاش پاش ہو گیا۔
تجلی الوہیت: حضرت پرنور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی، ان کی پاک
ہستی ذات حق کی ہستی میں فنا ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اللہ
تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرنا ہوا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ
اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ" (الفتح:۱۰)، اور ان کا دشمنوں پر کنکر مارنا اللہ تعالیٰ کا کنکر مارنا ہوا:
"وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (الانفال:۱۷)۔

تجلی صفات کی قسمیں:

تجلی صفات کی دو قسمیں ہیں: تجلی صفات جمال اور تجلی صفات جلال۔ پھر ہر ایک کی کئی اقسام ہیں، صفت ربوبیت، الوہیت کے ماسوا صفات کی تجلیات کے حالات و کیفیات مختلف ہیں۔

اگر صفات جمالیہ ہیں تو یا صفت نفسی ہوں گی، یا معنوی۔

صفات نفسی وہ ہیں جو مخبر کی خبر ذات باری تعالیٰ پر دلالت کرے، نہ کہ معنی پر، وہ تین قسم کی ہیں ۱۔ موجودی ۲:... واحدی ۳:... قائم بنفس۔

اگر صفت موجودی سے تجلی کرے تو اس کا اثر یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "مَا فِي الْوُجُوْدِ سِوَى اللّٰهِ" (وجود میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں)۔

اگر واحدی صفت سے تجلی کرے تو اس کا اثر یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے ابوسعید علیہ الرحمۃ نے فرمایا: "مَا فِيْ جُبَّتِيْ" (نہیں میرے جبے میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور)۔

اور اگر نفسی کی صورت سے تجلی ہو تو اس بات کا تقاضا کرتی ہے جو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے: "سُبْحَانِيْ مَا أَعْظَمَ شَأْنِيْ" (پاک ہوں میں، کیا ہی اعلیٰ شان ہے میری)۔

اور صفات معنوی یہ ہیں کہ مخبر کی خبر ذات باری تعالیٰ پر دلالت کرے، کچھ زائد معنی اور حقیقت سے، مثلاً صفات: علم، قدرت، ارادت، سمع، بصر، حیات، بقاء وغیرہ۔

اگر عالم ہونے کی صفت سے تجلی فرمائے تو مختلف علوم کے حقائق بلاواسطہ ظاہر ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو: "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا"

(البقرۃ:۳۱) (آدم علیہ السلام کو سب اسماء (صفات وغیرہ) سکھا دیئے)۔

اور اگر قدرت کی صفت سے تجلی فرمائے تو انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے، اور مٹھی بھر خاک سے سارے لشکر کو شکست دی: "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" (جس وقت تو نے مٹی پھینکی تھی (دراصل) تو نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی)۔

اگر سمیع صفت کی تجلی ہو تو جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے چیونٹی کی بات سن لی۔

جس صفت سے تجلی ہو اسی صفت کے آثار سالک میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جو صفت آئینے سے ظاہر ہوتی ہے، وہ صاحب تجلی کے تصرف سے ہوتی ہے، نہ کہ آئینے سے:

ازاں روئے کہ چوں آئینہ روئے تو ام
از دیدہ تو بروئے تو ہمی نگرم

ترجمہ: "میں اب اس چہرے سے جو تیرے چہرے کا آئینہ ہے، تیری آنکھ سے تیرے چہرے میں دیکھتا ہوں میں۔"

صفت حیات کی تجلی سے حضرت خضر علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام زندہ رہے۔

صفت کلام کی تجلی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا۔

صفت بقا کی تجلی سے انانیت دور ہوتی ہے۔

صفت رزاقی کی تجلی ہوئی تو حضرت مریم علیہا السلام پر بے موسمی میوہ جات نازل ہوتے رہے۔

صفت حیات کی تجلی ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مردہ زندہ ہوئے۔

اور صفت خالقیت کی تجلی ہوئی تو مٹی سے پرندے کی صورت بنا کر اڑا دیا۔

صفاتِ جلال بھی دو قسم کی ہیں:

صفاتِ جلال بھی دو قسم کی ہیں: ۱:...صفاتِ ذات ۲:...صفاتِ فعل۔

پھر صفاتِ ذات بھی دو قسم ہیں: ۱:...صفاتِ جبروت ۲:...صفاتِ عظمت۔

جب صفاتِ جبروت سے تجلی ہو تو لامتناہی نور بہت ہی ہیبت ناک صورت میں نمایاں ہوتا ہے، جس کی نہ کوئی صورت، نہ کوئی کیفیت، نہ کوئی صاف رنگ ہوتا ہے، فوراً صفاتِ انسانیت کی فنا ظاہر ہوتی ہے، بلکہ بھی فنا کا شعور بھی نہیں رہتا، اسی حالت کو (صعقہ) بیہوشی کہتے ہیں:

از اں بادہ نخوردہ ام کہ ہشیار شوم

واں مست نیم کہ باز بیدار شوم

یک جام تجلی جلال تو بخش

تا از عدم و وجود بیزار شوم

تجلی صفاتِ عظمت کی بھی دو قسمیں ہیں: ۱:...حی و قیوم کی صفت ۲:...صفت کبریا، عظمت، قہاری۔

جب قیومی صفت کی تجلی ہو تو فناء الفناء ظاہر ہوتی ہے، اور بقاء البقاء نصیب ہوتی ہے، اور اس نور کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ" (اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے)۔ وہ ایسا ظہور ہے جو کبھی نہیں چھپتا: "اَلْفَانِیْ لَا یُرَدُّ" فانی پھر غیر فانی نہیں ہوتا، جیسے بالغ پھر نابالغ نہیں ہوتا، وہ تمکین کا مقام ہے، وہاں الوہیت کی سلطنت ولایت پر غالب آتی ہے۔

اور اگر کبریائی صفات کی تجلی ہو تو جو کچھ سالک نے حاصل کیا ہوا ہے، سب کا سب گم ہو جاتا ہے، اور حاصل کردہ کی بجائے دہشت اور حیرت ہوتی ہے، اور علم و

معرفت۔ جہالت، بے خبری سے بدل جاتے ہیں۔ اسی مقام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "رَبِّ زِدْنِی عِلْماً" فرمایا۔

اگر کبریائیت، عظمت اور قہاری کی صفات سے تجلی ہو تو اسے روز قیامت کہتے ہیں "کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ" (قصص: ۸۸)، "لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ" (مومن: ۱۶) اسی تجلی سے ہے، نہ قہر!

مکاشفہ اور تجلی میں فرق:

مشاہدہ تجلی کے ساتھ بھی ہوتا ہے، جیسے معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا، اور بغیر تجلی کے بھی۔ جیسے کوئی خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرے۔

تجلی بغیر مشاہدہ بھی ہوتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ" (دکھا مجھے میں دیکھوں تیری طرف) کے وقت، جب صفت جمال سے تجلی ہو تو اکثر بالمشاہدہ ہوتی ہے اور صفت جلال کی تجلی کے وقت بے مشاہدہ ہوتی ہے، اور مکاشفہ بغیر تجلی و مشاہدہ ہو سکتا ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے بہت راستے ہیں "الطُّرُقُ اِلَی اللّٰہِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ" ہندی میں مثل مشہور ہے: جتنے سالک اتنے راہ۔

اکثر سالک انوار، استغراق، کرامات اور کشف وغیرہ کے عاشق ہیں، ان ہی کو مقصد سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ چیزیں احوال ہیں، نہ کہ مقامات اور مقاصد مقامات ہیں، نہ کہ احوال۔

مقامات، مثلاً: توکل، رضا، شکر، قناعت اور تفویض وغیرہ ہیں، یہی مقصود ہیں، اور ان کا اہتمام ضروری ہے۔

اور احوال گو محمود ہیں، مگر مقصود نہیں، ان کے درپے نہ ہونا چاہئے، اگر

چاہیے کہ کار خود کن کہ مجاہدہ و عمل سنت و تقوی و عمل بالقرآن میں زندگی بسر کرے، بکار دیگراں مکن کہ فلاں فلاں مقام، حال پیدا ہو جائے، یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے، بخشے زہے رحمت! اگر نہ تو شکایت کیا؟

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

والصلوة والسلام على خير خلقه محمد وآله واصحابه

وازواجه واوليائه واتباعه اجمعين من الصلوة والسلام

افضلها واكملها وادومها، آمين!

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ

"بے شک ہر چیز کو صیقل کرنے والی کوئی
خاص چیز ہوتی ہے، اور دلوں کو صاف کرنے والی چیز
ذکر اللہ ہے۔" (مشکوٰۃ ص ۱۹۹)

عمدۃ الاذکار فی علاج قلوب الابرار

یعنی

ابرار کے قلوب کا علاج

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ. هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي
الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ "

(الجمعہ: ۱-۲)

اما بعد! بندہ عرض پرداز ہے کہ اس زمانے کے اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام: نماز، روزہ، حج، زکوۃ، نکاح، طلاق اور چند غیبی خبریں مثل احوال قبر اور بہشت و دوزخ کا نام ہے، باقی انسان کے ظاہری حالات، جیسے: معاملات بیع وشراء، اجارہ وغیرہ، اور معاشرت، جیسے: حقوق ہمسایہ و تدبیر منزل، اور حالات باطنی، جیسے: عقائد، تہذیب اخلاق اور تربیت نفس سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں، جیسا چاہو معاملہ کرو، تجارت جس طرح چاہو کرو، لوگوں سے جس طرح چاہو برتاؤ کرو، جو چاہو پہنو، غرض چند امور کے سوا سب آزادی ہے، جس سے مخالفین پر یہ اثر پڑا کہ اسلام پر اس کی تعلیم کے ناکافی ہونے کا دھبہ لگایا گیا، اور نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں پر حقیقت ناشناسی کی وجہ سے یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اپنے کو تہذیب جدید کا محتاج سمجھا، اور عوام پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے چند امور مذکورہ کے سوا اپنے معاملات و معاشرت میں علماء کی طرف رجوع

کر چھوڑ دیا، اور درویشوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ شریعت و طریقت کو جدا جدا سمجھنے لگے، طریقت کو اصل مقصود سمجھ کر اور شریعت کو ظاہری قانون تصور کر کے علماء سے نفور اور شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بے پروا پیش ہونے لگے، عوام، جہلاء اور عوام و خواص میں بھی کچھ نہ کچھ اس باطل خیال کا اثر پہنچا، حالانکہ جس نے ذرا بھی کتاب و سنت پر غور کیا اس نے سب امور کو کھلے کھلے الفاظ میں پایا، اور شریعت مطہرہ کو کافی و وافی اور دوسرے احکام و قوانین سے مستغنی کرنے والا دیکھا، تو اسلامی ہمدردی نے تقاضا کیا کہ اس غلطی کی اصلاح کو بطور نمونہ پیش کیا جائے، بہرحال توفیق ہدایت حق کے قبضے میں ہے، وما توفیقی الا باللہ، چنانچہ یہ نمونہ پانچ حصوں پر منقسم ہے:

۱...عقائد۔ ۲...عبادات۔ ۳...معاملات۔

۴...آدابِ معاشرت۔ ۵...مقاماتِ سلوک۔

اے اللہ! اس نادان کی مدد فرما اور اسے خطا، لغزش اور ریا سے بچا، آمین

وبہ نستعین!

اطلاع:... پیشِ نظر ان مضامین کا اکثر حصہ "تعلیم الدین"، "ترجمہ فروع الایمان" اور "تکملہ" "کیمیائے سعادت" وغیرہ سے لیا گیا ہے، ان پاک کتابوں میں ہر مسئلے پر کتاب و سنت سے دلیل موجود ہے، جس کو زیادہ تفصیل مقصود ہو، وہاں دیکھ لے، ہاں! بعض دلائل بھی بعض جگہ تحریر کئے جائیں گے، وما توفیقی الا باللہ!

عقائد:

اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال اس کی ذات پاک کی طرح بے مثل و بے مثال ہیں، کسی کو کسی امر میں حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ شرکت نہیں کیونکہ "لیس کمثلہ شیء"

لہٰذا صفاتِ سمع، بصر، قدرت، کلام، علم، وجود اور حیات میں کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ مشارکت نہیں ہے، کوئی مجانست و مشارکت نہیں ہے۔ جن صفات میں جیسے: ''استــــــوی'' وغیرہ میں صفتِ مخلوق کا کچھ وہم ہوتا ہے، وہ اس سے پاک ہیں۔ ان صفات میں پڑنے اور قیاس سے کلام کرنا اور ان کی کیفیات و توجیہات بیان کرنا نہایت کم ظرفی ہے، کیونکہ جس کو اپنی صفات کے حقائق پورے طور سے معلوم نہ ہوں، وہ خالق تک کیونکر پہنچ سکتا ہے؟

اس کی کسی صفت میں اس کا کوئی ساجھی نہیں اور نہ ہی حفظِ علمی میں، اس لئے کہ

''وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ''

(البقرۃ: ۲۵۵)

ترجمہ: ''اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جس قدر وہی چاہے۔''

نہ استحقاقِ عبادت میں، اس لئے کہ

''لَا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ''

نہ ملک کے تصرف میں، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''قُلْ مَنْۢ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰہِ قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ'' (المؤمنون ۸۸، ۸۹)

ترجمہ: ''تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا، بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ اب کہیں گے اللہ کو، تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے۔''

اسی طرح بول چال، عادات و اطوار میں کیونکہ یہ ریا کی مانند شرک اصغر ہے، بخلاف اولین کے کہ وہ شرک اکبر ہیں، (تحقیقہ فی فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج:۱ ص:۴۵۳) جیسے: "ما شاء اللہ وشئت" (قال لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام رجل: ما شاء اللہ وشئت! فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام: اجعلتنی للہ نداً؟ قل: ما شاء اللہ وحدہٗ." فتح الملہم ھکذا) "انا باللہ وبک وانا متوکل علی اللہ وعلیک" (فتح) وغیرہ میں اس کا کوئی حقیقی اور لفظی شریک نہیں، حضرت حق تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے رسول اور پیغمبر علیہم السلام بھیجے ہیں اور ان کے جو کچھ اعتقاد و احکام وغیرہ اور اخبار غیبی ہیں، جیسے: توحید، تصدیق رُسل و کتب، احوالِ قبر، قیامت، دوزخ، بہشت، نجات اور شفاعت وغیرہ، سب پر ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ حق ہیں، اور ہم نے زبان اور دل سے مان لیا ہے۔

عبادات:

اس کو اکثر لوگ خود جانتے ہیں، اور جو نہیں جانتے وہ پوچھ بھی لیتے ہیں۔

معاملات:

اسی طرح نکاح و طلاق کے مسائل کو کچھ اکثر جانتے ہیں، اور کچھ پوچھ لیتے ہیں، اور باقی کچھ بطور نمونہ پیشِ خدمت ہیں، باقی کثیر در کثیر ہیں، ہر کام کے وقت پہلے شریعت کے مسئلے اور فیصلے کو پوچھ کر کام شروع کیا جائے تو مسائل معلوم ہوجائیں گے، اس عادت پر بے فکر کو بھی فکر پڑ جائے گی۔

معاملہ۱:... سب سے بہتر کسب دستکاری ہے، انبیاء علیہم السلام نے بھی دستکاری کی ہے۔

معاملہ۲:... رنڈیوں کی آمدنی، جھوٹے تعویذوں اور فال کھلائی وغیرہ کو

تعویذ حرام ہے، مگر جو تعویذ شریعت کے موافق ہو، اسی طرح صحیح جھاڑ پھونک پر اُجرت لینا جائز ہے، کذا فی التفسیر فتح العزیز تحت قولہ تعالیٰ: "وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔"

معاملہ۳:... مانگنے کا پیشہ سب سے بدتر اور گناہ ہے، اس سے تو لکڑیاں چن کر، بیچ کر معاش کمانا ہزار درجہ افضل ہے، اگر سخت ضرورت پڑے تو ایسے لوگوں سے مانگے جو نیک بخت، بلند ہمت اور دینے کی استطاعت ہوں۔

معاملہ۴:... جو چیزیں ناپ تول سے بکتی ہوں اور وہ ایک طرح کی ہوں، جیسے: گیہوں، جو اور کھجور وغیرہ، ان کے آپس کے تبادلے میں دو باتیں ضروری ہیں:

ایک یہ کہ برابر سرابر ہوں، اگرچہ ردّی و اعلیٰ کا تفاوت اور فرق ہو۔

۲:... یہ کہ دست بدست ہوں، اگر ایک امر بھی اس کے خلاف ہوا تو سود ہوجائے گا۔

اور اگر وہ چیزیں ناپ تول کر تو بکتی ہوں مگر ان کی جنس الگ الگ ہو، جیسے گیہوں کا جو سے تبادلہ ہو تو اس میں برابر سرابر ہونا ضروری نہیں، مگر دست بدست ہونا ضروری ہے۔

اگر جنس تو ایک ہو مگر ناپ تول کر نہیں بکتی جیسے: بکری، تب ان میں برابر سرابر ہونا تو ضروری نہیں، مگر دست بدست ہونا ضروری ہے۔

اور اگر ان کی نہ جنس ایک ہے اور نہ ہی ناپ تول کر بکتی ہیں، جیسے: گھوڑا، اونٹ، جب ان کا آپس کا تبادلہ ہو مثلاً: گھوڑے کا اونٹ سے تبادلہ ہو تو اس وقت نہ برابر سرابر ہونا ضروری ہے اور نہ دست بدست ہونا ضروری ہے، یہ فقہ حنفی کے موافق سود کی تفصیل ہے۔ (تعلیم الدین)

معاملہ۵:... رہن میں یہ شرط ٹھہرانا کہ اگر اتنی مدت تک زرِ رہن ادا نہ ہو تو

سمجھے کہ حاکم حقیقی کو یہی منظور تھا۔

آدابِ معاشرت:

ادب ا:... بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو، اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے سامنے سے کھاؤ، ہاں! اگر کھانا کئی قسم کا ہو، اور کئی طرح کے پھل ہوں، اس وقت جو مرغوب ہو اور جس طرف سے ہو، اُٹھالو۔

ادب ۲:... اگر ہاتھ سے لقمہ چھوٹ کر گر جائے، اُس کو اُٹھا کر صاف کر کے کھالو، یہ عالی نعمت ہے، ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی!

ادب ۳:... مردوں کو ٹخنے کے نیچے پائجامہ یا چادر پہننا ممنوع ہے۔

ادب ۴:... ایک جوتی پہن کر مت چلو۔

ادب ۵:... دوا دارو کی اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔

ادب ۶:... بدشگونی وغیرہ کا ماننا ایک قسم کا شرک ہے۔

ادب ۷:... باہم سلام کرلیا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے۔

ادب ۸:... مصافحہ کرنے سے دل صاف ہوتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔

ادب ۹:... کسی بزرگ یا معزز آدمی کے آنے کے وقت تعظیماً کھڑا ہونا مضائقہ نہیں۔

ادب ۱۰:... بن ٹھن کر اتراتے ہوئے مت چلو۔

ادب ۱۱:... اُلٹے مت لیٹو، اور کچھ سایہ اور کچھ دھوپ میں مت بیٹھو۔

ادب ۱۲:... مسلمان کے مسلمان پر یہ حقوق ہیں:

جب ملے سلام کرے، پکارے تو جواب دے، دعوت دے تو قبول کرے، چھینکے اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہے تو "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کہے، بیمار ہو جائے تو عیادت کرے،

مرجائے تو اُن کے جنازے کے ہمراہ جائے، اور جو اپنے لئے پسند کرے وہی اس کے لئے پسند کرے۔

ادب ۱۳:... گانے بجانے کا شغل قلب کو اکثر خراب کر دیتا ہے، کیونکہ اکثر نفوس میں خبث غالب ہے، اور گانے بجانے سے کیفیت موجودہ کو حرکت و قوت ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ حرام کا مقدمہ بھی حرام ہے۔

ادب ۱۴:... ماں باپ کی خدمت کرو، گو وہ کافر ہی ہوں، اور ان کی اطاعت بھی کرو، جب تک کہ وہ خدا و رسول کے حکم کے خلاف نہ کہیں۔

ادب ۱۵:... بڑے بھائی، چچا، سسر اور ماموں کا حق مثل باپ کے ہے۔

ادب ۱۶:... اولاد کا یہ حق ہے کہ اس کو علم و لیاقت سکھلاؤ۔

ادب ۱۷:... تواضع، ہمدردی خلق، خوش خلقی، وقار، حلم، دانشمندی، انتظام اور صبر و استقلال سے رہو۔

ولایت اور مقاماتِ سلوک:

اثباتِ رتبۂ ولایت:

بعض خشک مزاج اس طریق کے انکاری ہیں، اس لئے مختصراً عرض کیا جاتا ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا" (الکہف:۶۵)

ترجمہ:... "اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے علم۔"

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم
تکن تراہ فانہ یراک متفق علیہ" (مشکوۃ ص:۱۱)

ترجمہ... "احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح
کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ گمان کرو کہ اللہ
تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

احسان کو ایمان و اسلام کے بعد ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ عقائد
ضروریہ و اعمال ظاہریہ کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہے، جس کا نام اس حدیث میں
"احسان" آیا ہے، اور اس کی حقیقت بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ یہی طریق
باطن ہے، کیونکہ اس طریق کے بغیر ایسی حضوری میسر نہیں ہوتی، اور لاکھوں معتبر
آدمیوں کی شہادت موجود ہے کہ جس کے غلط ہونے کا عقل کو احتمال نہیں ہو سکتا، کہ ہم
کو اہل باطن کے پاس بیٹھنے سے اپنے باطن میں عقائد و اعمال کے علاوہ ایک نئی حالت
محسوس ہوتی ہے جو پہلے نہ تھی، اور اس حالت کا یہ اثر ہے کہ طاعت کی رغبت، معاصی
سے نفرت اور عقائد میں پختگی روز افزوں ہوتی ہے، یہ بھی نہایت قوی دلیل ہے کہ
طریق باطن بھی کوئی چیز ہے، اس کے علاوہ بزرگوں کے کشف و کرامت کے واقعات
اس درجہ منقول ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں، اگرچہ یہ کوئی قوی دلیل نہیں مگر استقامت
شرع کے ساتھ اگر خرق عادات ہوں تو صاحب خوارق کے کامل ہونے پر اطمینان بخش
ضرور ہوتے ہیں، اس کے علاوہ "ارشاد الطالبین" مصنفہ قاضی ثناء اللہ کے ص:۳۰ پر
دوسرے قوی دلائل بھی موجود ہیں، جنہیں دیکھا جا سکتا ہے، بہرحال حق کا مقتضا تو یہ
ہے کہ صاحب ذوق ہو، اگر اتنی توفیق نہ ہو تو خدا کے لئے انکار تو نہ کرو، ماخوذ از "تعلیم
الدین" لمولانا اشرف علی مدظلہ۔

ہو، یا ضروری اعمال کی پابندی سے حاصل ہو، تو وہ ادنیٰ درجے کی ولایت ہوگی، جو ہر مؤمن کو حاصل ہے، کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے: "اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"، اس کو ولایت عامہ کہتے ہیں۔

اور اگر اعلیٰ درجے کا ایمان وتقویٰ ہو جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا: "اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ" (آل عمران:۱۰۲)، "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (التغابن:۱۶) اس کو ولایت خاصہ کہتے ہیں۔ اصطلاحاً ولی یہی شخص کہلاتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں ایمانِ کامل اور تقویٰ کامل نماز، روزہ کی طرح فرض وواجب ہیں، اور دونوں کا محل قلب ہے۔

تحلیہ، تجلیہ اور تخلیہ: گو ظاہری تقویٰ جوارح سے بھی متعلق ہے مگر یہ موقوف ہے اصلاحِ باطن پر اور اصلاحِ باطن کی حقیقت یہ ہے کہ اوصافِ حمیدہ کو پیدا کرے اور مذمومہ کو دور کرے۔ اوّل کو تحلیہ وتجلیہ اور دوسرے کو تخلیہ کہتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

الف:... "التقویٰ ھٰھنا واشار الی الصدر۔" (رواہ مسلم)

ترجمہ:... "تقویٰ یہاں ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔"

ب:... "قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ، واذا فسدت فسد الجسد کلہ، الا وھی القلب۔" (متفق علیہ)

ترجمہ:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جسم کے اندر ایک ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک ہوتا ہے، اور جب وہ خراب ہوجائے تو پورا جسم خراب

ہو جاتا ہے، [illegible]"

اوصاف حمیدہ کا حاصل کرنا اور ذمیمہ کا دفع کرنا فرض ہے، اور یہی اصلاح باطن ہے، لہذا اصلاح باطن بھی فرض ہے، کما حققہ الغزالی فی الاحیاء، و کیمیائے سعادت، اور درمختار ص ۱۴۲ جلد اول میں بھی اس کو فرض عین فرمایا گیا ہے، اسی طریق تحصیل ولایت کے جاننے کا نام عرف میں "تصوف" ہے۔

اس قدر کہ جس سے اصلاح باطن ہو جائے فرض ہے، اس سے زائد، جس سے مثلاً: ظاہر کو طاعات غیر ضروریہ سے اور باطن کو دوام ذکر سے معمور کیا جا سکے، مستحب ہے، آج کل اسی کو "درویشی" کہتے ہیں۔

تصوف کی تعریف، موضوع اور غایت:

تصوف کی تعریف یہ ہے "تعمیر الظاہر والباطن"۔

اس کا موضوع تزکیہ و تصفیہ ہے۔

غایت: اس کی غایت اور فائدہ سعادت ابدیہ کا حصول ہے، پھر یہ اصلاح باطن درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہے

تا کنی در آئینہ دل نگہ
صفائی بتدریج حاصل کنی

اگر وہ صفات حمیدہ راسخ ہو جائیں اور اس سے ایک طرح کے افعال صادر ہوں، تو اصطلاح میں انہیں مقامات کہا جاتا ہے۔

(کذا فی "[illegible]" جلد [illegible] "تعلیم الدین")

اور اگر وہ صفات پورے طور پر مستقر نہیں ہوئے بلکہ کبھی غالب اور کبھی مغلوب ہوں، تو اس کو اصطلاح تصوف میں احوال اور اوقات کہتے ہیں، اور کبھی

احوال کا اطلاق تجلی ذات و صفات وغیر ذالک پر بھی کیا کرتے ہیں، اس فن کے اصل مقاصد یہی مقامات ہیں۔

(اگر اس مرتبہ کو حاصل کرنے سے کسی طاعت ضروریہ میں خلل پڑے یا وہ فوت ہو جائے جیسے جماعت نماز کا ترک ہونا، یا بال بچوں کا بھوکے مرنا وغیرہ تو اس میں مشغول ہونا ممنوع ہو جائے گا، اس وقت فقط فرض پر اکتفا کرے۔ نصر امین)

فصل:

تحصیلِ نسبت اور ضرورتِ شیخ و مرشد

عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ کوئی کمال مقصودی بغیر استاذ کے حاصل نہیں ہوتا، جب اس راہ میں آنے کی توفیق ہو تو استاذ طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہئے، جس کے فیضِ تعلیم اور برکتِ صحبت سے مقصود تک پہنچے:

گر ہوائے ایں سفر داری دلا
دامنِ رہبر بگیر و پس بیا
بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

علاماتِ شیخِ کامل:

سب سے پہلے شیخ کی جو تلاش کرے، جس کی علامات یہ ہیں:

۱۔۔۔ علم شریعت سے بقدر ضرورت واقف ہو۔
۲۔۔۔ ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر سے بچتا ہو۔
۳۔۔۔ ظاہری و باطنی طاعت پر مداومت رکھتا ہو۔

سالک، مرد اور محبوب کہتے ہیں۔

پھر تحصیل نسبت کے بعد اگر شیخ چاہے تو خلافت دے دے اور اگر چاہے تو حقائق و معارف کا منتظر رہے، اگر قسمت میں ہوگا تو یہ علوم و آثار قلب پر نزول کریں گے جن کے غلبہ کے نام عروج، اور تجلی کا نام تجلی بے کیف ہے۔

پھر بعض سالک تو اس میں مستغرق رہ جاتے ہیں اور بعض کو افاقہ ہو جاتا ہے، اس افاقہ کو نزول کہتے ہیں، چنانچہ خلافت کاملہ اور منصب علیا اس مقام پر حاصل ہوتی ہے۔ (تعلیم الدین ص ۱۰۰)

حصول نسبت کے بعد مبدأ فیاض سے قلب کو تعلق ہو جاتا ہے، اور صفائی قلب کی وجہ سے اس پر کچھ علوم و اسرار اور کبھی حالات و اسرار نازل ہوتے ہیں، ان علوم کو حقائق و معارف اور ان آثار کو احوال کہتے ہیں۔ رسالہ قشیریہ ص: ۳۰ میں ہے کہ:

"الحقیقۃ شہود لما قضی و قدر واخفی واظہر والحال عندھم معنی یرد علی القلب من غیر تعمد منھم والاجتلاب والاکتساب فھم من طرب وحزن وبسط وقبض وشوق وانزعاج وھیبۃ وغیر ذلک فالاحوال مواھب والمقامات مکاسب۔"

فصل:

ریاضت و مجاہدہ

واضح ہو کہ نفس کے مطالبات دو قسم کے ہیں ۱:۔ حقوق ۲:۔ حظوظ۔

۱:۔ حقوق وہ ہیں کہ جس سے قوام بدن و بقائے حیات ہے۔

۲:۔ حظوظ وہ ہیں جو اس سے زائد ہے، حقوق کو باقی اور حظوظ کو فانی کرنے

کا نام ریاضت و مجاہدہ ہے۔ اور یہ دو قسم پر ہے۔ اجمالی و تفصیلی۔

مجاہدۂ اجمالی:

اس کے اصول چار امر ہیں: ۱... قلت کلام ۲... قلت طعام ۳... قلت منام ۴... قلت اختلاط مع الانام۔ ان سب امور میں میانہ روی حسب تعلیم شیخ کامل ملحوظ رکھے، نہ اس قدر تقلیل کرے کہ جس سے صحت و قوت زائل ہو جائے اور نہ اس قدر قلت جس سے غفلت، قساوت اور کاہلی پیدا ہو۔ (از الامداد ملفوظات)

فائدہ... سالکان طریقت نے حزن و غم کو اعلیٰ درجے کا مجاہدہ قرار دیا ہے کہ اس سے نفس کو پختگی و تشحیح حاصل ہوتی ہے، جو کہ آثار عبودیت میں سے ہے۔ اور سالک کو جو قبض پیش آتا ہے وہ بُعد کی علامت نہیں بلکہ یہ سبب ہے اس کا تنقیہ مقصود ہوتا ہے اس کی شکایت میں نہ رہے بلکہ اس پر شکر کرکے کام میں لگا رہے۔
(تعلیم الدین)

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"صاحب الحزن يقطع من طريق الله ما لا يقطعه من فقد حزنه"

ترجمہ... "غم میں مبتلا سالک جس قدر طریق الٰہی کو تیزی سے طے کرتا ہے، بے غم اتنا تیزی سے یہ سفر طے نہیں کر سکتا۔"

البتہ لاحق فکر قلب کا خیال کر لیتی ہے۔

مجاہدۂ تفصیلی:

اس میں دو حصے ہیں

۱:۔۔۔اخلاقِ حمیدہ: اور اس کے چند مقامات ہیں، مثلاً: توبہ، صبر، شکر، خوف، رجاء، زہد، توحید، توکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ اور تفکر۔

۲:۔۔۔اور اخلاقِ ذمیمہ: اور وہ بھی چند چیزیں ہیں، مثلاً: شہوت، آفاتِ لسان، غضب، حقد، حسد، حبِ دُنیا، حرص، جاہ، ریا، عُجب اور غرور وغیرہ۔

کسی بزرگ نے ان اوصاف کو دو رُباعیوں میں اختصار و اجمال کے ساتھ جمع فرمایا ہے، دو رُباعیاں یاد رکھنے کے قابل ہیں:

خواہی کہ شوی بمنزلِ قرب مقیم
دہ چیز بہ نفسِ خویش کن تعلیم
صبر و شکر و قناعت و علم و یقین
تفویض و توکل و رضا و تسلیم
خواہی کہ شود دلِ تو چوں آئینہ
دہ چیز بروں کن از درونِ سینہ
حرص و امل و غضب و دروغ و غیبت
بخل و حسد و کبر و ریا و کینہ

توبہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا" (التحریم:۸)

ترجمہ:۔۔۔"اور توبہ کرو اللہ کے آگے تم سب مل کر۔"

اور توبہ دل کے دُکھ جانے کو کہتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

"هُوَ أَنْ تَحْرُقَ الْحَشَاءُ عَلَى الْخَطَاءِ"

یعنی خدا کو یاد کر کے دل دکھی ہو، اور توبہ کرنے والے پر لازم ہے کہ اس گناہ کو ترک کر دے، اور آئندہ پختہ ارادہ کر لے کہ اب نہ کروں گا، اور خوشی کے وقت نفس کو ڈرائے۔

فائدہ... عام لوگوں کی توبہ گناہوں سے ہوا کرتی ہے، سالکین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے، اور متقین کی توبہ شبہ و شبہات سے، اور محبین کی توبہ غفلت سے، اور عارفین کی توبہ اس مقام سے جس سے مافوق کو پہنچ گئے۔

طریق تحصیل:

قرآن و حدیث میں گناہوں پر جو وعیدیں آئی ہیں، ان کو یاد کرے، اور دل میں سوچے، تو ندامت کی حالت پیدا ہو جائے گی۔

احکام:

اگر نماز، روزہ قضا ہوا ہو، اس کی قضا کرے، اور اگر بندوں کے حقوق تلف ہوئے ہوں، ان سے معاف کرائے یا ادا کرے۔

تنبیہ... جہاں تک ہو سکے گزشتہ تقصیر کا تدارک کرے، مثلاً نماز فرض کی قضا کرے، زکوٰۃ نہ دی ہو تو اس کو ادا کرے، اور حقوق العباد بھی ادا کرے، یا معاف کرائے تب توبہ تمام ہوگی۔

صبر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا" (آل عمران: ۲۰۰)

ترجمہ... "اے ایمان والو صبر کرو"

انسان میں دو قوتیں ہوتی ہیں، ایک اسے دین پر ابھارتی ہے، اور دوسری ہوائے نفس پر، سو قوت دینی کو قوت ہوائی پر غالب کر دینا، یہ صبر ہے۔

فائدہ:... صبر چند قسم پر ہے:

۱... ایک طاعت پر کہ طاعت کرے، اور سستی نہ کرے۔

۲... مصیبت پر، کہ شکایت کا کلمہ زبان پر نہ لائے۔

۳... صبر معصیت پر کہ گناہ ظاہری، مثلاً: غیبت، زنا وغیرہ، اور باطنی، جیسے: ریا، حسد وغیرہ، سے نفس کو روکے۔

علاج:... اس قوت ہوائی کو ضعیف اور کمزور کرنا چاہئے۔

شکر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ“ (البقرۃ:۱۷۲)

ترجمہ:... ”اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو۔“

نعمت کو منعم حقیقی سے سمجھنا، پھر اس سے دو باتیں ضرور پیدا ہوں گی، ایک منعم سے خوش ہونا، دوسرے اس کی خدمت گزاری اور فرماں برداری میں سرگرمی کرنا، یہ شکر ہے۔

فائدہ:... شکر کے تین رکن ہیں:

اوّل:... علم یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا، اور نیز سمجھنا کہ سب نعمتیں حق تعالیٰ کی جانب سے ہیں، اس سے دو باتیں پیدا ہوں گی، ایک منعم سے خوش ہونا، دوم: اس کی فرماں برداری میں سرگرم ہونا۔ ان دونوں حالتوں کا نام عمل ہے۔

دوسرا رکن:... حال ہے کہ منعم کی نعمت پر خوش ہونا کہ یہ اس کا عطیہ ہے۔

اس وجہ سے خوش نہ ہو کہ میرا مطلب پورا ہو گیا، مثلاً گھوڑے کی ضرورت تھی، ہاتھ آ گیا، بلکہ نعمت پر خوشی ہے۔ شکر یہ ہے کہ اس میں منعم کی حیثیت ملحوظ ہو کہ منعم نے دیا ہے اور وہ بڑا محسن ہے۔

تیسرا رکن:... یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اس کی رضامندی میں استعمال کرے، مثلاً زبان کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں استعمال کرے اور غیبت و دروغ میں استعمال نہ کرے۔

طریق تحصیل:... اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرے اور یاد کیا کرے۔

خوف:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فلا تخشوھم واخشونی" (البقرۃ: ۱۵۰)

ترجمہ:... "سو ان سے یعنی ان کے اعتراضوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔"

کسی چیز کے خیال سے دل کا دردناک ہونا جو ناگوار طبع ہو، اور اس کے آئندہ واقع ہونے کا اندیشہ ہونا۔

طریق تحصیل:... اللہ تعالیٰ کے قہر و عتاب کو یاد کرے اور سوچا کرے۔

رجا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اولئک یرجون رحمت اللہ" (البقرۃ: ۲۱۸)

ترجمہ:... "وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے۔"

محبوب چیزوں یعنی فضل، مغفرت اور جنت وغیرہ کے انتظار میں قلب میں

راحت پیدا ہونا اور اس کے حاصل کرنے میں تدبیر و کوشش کرنا رَجاء و اُمید ہے، اور اس کے حاصل کرنے کے اسباب یعنی عملِ صالح اور توبہ وغیرہ کو اختیار کرنا، اور پھر اُمیدوار ہونا۔

"تمنّی" خالی اُمید کا نام ہے، جو کہ مفید نہیں بلکہ مذموم ہے۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام:

"العاجز من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ۔"

(مشکوٰۃ ص:۴۵۱)

پھر وہ اعتقاد اگر خواہشِ نفسانی کے موافق ہو اور شیطان کے دھوکے سے اس پر نفس کو اطمینان ہو تو وہ غرور ہے۔ (جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: "وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ")۔

طریقِ تحصیل:... اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کو یاد کرے اور سوچے، تو رَجاء پیدا ہوجائے گی، اور اُمید کے اسباب میں لگ جانا تمنّی کا علاج ہے، اور اپنے اعمال و احوال کو قرآن و حدیث، بزرگانِ دین کے اقوال و افعال سے ملاتے رہنا غرور کا علاج ہے۔

زُہد:

اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اوّل صلاح ھذہ الأمۃ الیقین والزھد۔"

(رواہ البیہقی)

ترجمہ:... "اس اُمت کی پہلی صلاحیت زُہد و یقین ہے۔"

کسی چیز (مثلاً: دُنیا) کی رغبت چھوڑ کر بہتر چیز (مثلاً: آخرت) کی طرف

مائل ہو جانے کا نام زہد ہے۔

فائدہ:... زہد کے تین درجے ہیں۔

اول:... یہ کہ نفس اگرچہ دنیا کی طرف مائل ہو مگر اس کو جبراً روکے اس کو "تزہد" کہتے ہیں۔

دوم:... یہ کہ اس سے تنفر ہو کر اس کی طرف مائل نہ ہو اور سمجھے کہ دنیا و آخرت کی نعمتوں کا یکجا جمع ہونا ممکن نہیں۔

سوم:... یہ کہ دنیا کے مال و متاع کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے، نہ ملنے پر مسرت ہو اور نہ ہاتھ سے چلے جانے پر کچھ حسرت ہو۔

طریق تحصیل:... دنیا کے عیوب اور مضرتوں اور فنا ہونے اور آخرت کے منافع کو یاد کرے اور سوچ کرے تو زہد حاصل ہو جائے گا۔

توحید:

اس سلسلے میں قرآن مجید میں ہے

"واللہ خلقکم وما تعملون" (الصافات ۹۶)

ترجمہ: "اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو"

یہاں توحید سے توحید افعالی مراد ہے، یعنی سب کچھ کرنے والا وہی ہے نفع ہو یا نقصان، منع ہو یا منع، جو کچھ ہوا وہ خدا تعالیٰ کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ توحید افعالی ہے۔

طریق تحصیل:... مخلوق کے عجز اور خالق کی قدرت کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے۔

توکل:

ارشادِ الٰہی ہے:

"وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ." (الطلاق ۳)

ترجمہ... "اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے پس وہ اس کو کافی ہے۔"

فائدہ... متوکل میں اولاً... معرفتِ توحید ہو کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں، سب چیزیں اُسی کی ملک ہیں، وہی قادر اور دینے والا ہے۔

ثانیاً... اس یقین پر اپنے تمام کام خدا تعالیٰ کے سپرد کر کے قلب کو مطمئن رکھے اور غیر سے نظر اٹھالے۔

ثالثاً... جن اسباب پر منفعت کا حاصل ہونا یا دفع مضرت کا یقین ہو، جیسے: اولاد کے لئے بیوی کرنا، یا بھوک کے لئے طعام یا پیاس کے لئے پانی، اور درندہ دیکھ کر بھاگنا وغیرہ کو ضرور اختیار کرے، مگر اس سبب پر دل سے بھروسہ نہ ہو، بلکہ دل میں خالق پر بھروسہ ہو۔

اسی طرح جن اسباب پر اکثر و بیشتر مسبب مرتب ہو جاتا ہو، مثلاً سفر کے لئے توشہ لے جانا، کہ اگر توشہ نہ لے جائے تو مرجانا یقینی تو نہ ہو، تاہم مرجانے کا غالب گمان ہو، ایسے اسباب کا اختیار کرنا سلف صالحین کا معمول ہے۔

اور جن اسباب پر مسبب کا مرتب ہونا، نہ ظنی ہو اور نہ یقینی، بلکہ موہومی ہو، اُن کا اختیار کرنا خلافِ توکل ہے، جیسے۔ مرض کے لئے منتر پڑھانا یا داغنا وغیرہ، لہٰذا ایسے اسباب کا ترک کرنا توکل ہے، اور اوّل و دوم میں اسباب اختیار نہ کرنا تعطل اور سبب اختیار کر کے اس پر نظر نہ کرنا توکل ہے، فافہم!

صرف وکیل یعنی کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا توکل ہے۔

طریقِ تحصیل:... اس کی عنایتوں اور وعدوں اور گزشتہ کامیابیوں کو یاد کرنا اور سوچنا۔

محبت:

محبت کے سلسلے میں ارشادِ الٰہی ہے:

"یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ" (المائدۃ:۵۴)

ترجمہ:... "اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں۔"

خدا تعالیٰ کی محبت کی علامات یہ ہیں:

۱:... نفس کی خواہش پر اپنے محبوبِ حقیقی یعنی حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دے۔

۲:... یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہو، اور موت سے نہ گھبرائے۔

۳:... یہ کہ حکمِ الٰہی اور قضا و قدر پر زبان و دل سے شکوہ نہ کرے، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّکَ وَحُبَّ حَبِیْبِکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ، آمین!

طبیعت کا کسی ایسی چیز کی طرف مائل ہونا کہ جس سے لذت حاصل ہو، محبت ہے، اور یہی میلان اگر قوی ہوجائے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔

طریقِ تحصیل:... دنیا کے علائق کو قطع (ختم) کرے، یعنی غیراللہ کی محبت کو دل سے نکالے، کیونکہ دو محبتیں ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں، وہ اس طرح سے کہ شریعت کے احکام کو سب پر ترجیح دے، اور اللہ تعالیٰ کے کمالات، احسانات اور انعام کو یاد کرے اور سوچے۔

شوق:

شوق کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اسألک اللذۃ الی وجھک والشوق الی لقائک۔" (رواہ نسائی)

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ سے آپ کے دیدار اور آپ کی ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔"

جس چیز کا من وجہ (کچھ) علم ہو اور من وجہ (کچھ) علم نہ ہو اس کو مکمل طور پر جاننے اور دیکھنے کی طبعی خواہش کا ہونا شوق کہلاتا ہے۔

طریق تحصیل:... محبت کا پیدا کرلینا کیونکہ محبت کے لئے شوق لازم ہے۔

انس:

انس کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:

"ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین۔" (الفتح ۴)

ترجمہ: "وہ وہی ہے جس نے اتارا اطمینان دل میں ایمان والوں کے۔"

جو چیزیں من وجہ (کچھ) مخفی اور من وجہ (کچھ) معلوم ہوں، اگر اس نامعلوم چیز کے مخفی گوشوں کے ادراک کی خواہش کرے تو اس کو شوق کہتے ہیں۔

اور معلوم گوشوں پر نگاہ پڑنے پر فرحت وسرور کا ہونا اس کو انس کہتے ہیں۔

اگر اس فرحت کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ مطلوب کی صفت جلال پیش نظر نہ رہیں اور اسی وجہ سے اس کے اقوال وافعال میں کسی قدر بے تکلفی ہو جائے تو اس کو انبساط و دلال کہتے ہیں، اس کی تحصیل کا طریقہ وہی ہے جو تحصیل محبت کا ہے۔

رضا:

جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

"رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" (المجادلۃ: ۲۲)

ترجمہ: "اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔"

تقدیر کے حکم پر زبان و دل سے اعتراض نہ کرنا، رضا ہے، بعض اوقات رضا بالقضا کا یہاں تک غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی، یہ بھی آثارِ محبت سے ہے، اس کی تحصیل کا طریقہ بھی وہی ہے جو تحصیلِ محبت کا ہے۔

فائدہ:... رضا کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل کرے، اور اس جہان کے لئے جو انتظام تجویز فرمایا گیا ہے، اس سے باہر نہ نکلے، مثلاً: پیاس کے لئے پانی اور اولاد کے لئے نکاح کرنا وغیرہ، بلکہ احکامِ شرعی کا پابند رہے۔

یاد رکھو! کہ معصیت و کفر میں دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ حق تعالیٰ کے ارادہ و مشیت سے ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کے حکم کے سوا ذرّہ بھی نہیں ہل سکتا، اس اعتبار سے اس کو قضا و قدر کہتے ہیں، اور اس حیثیت سے اس پر ناگواری نہیں ہونی چاہئے، بلکہ اس پر رضا ہونی چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ کا کوئی کام بغیر مصلحت کے نہیں ہوتا۔ اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ عاصی آدمی کا عمل اور کسب ہے، جو حق تعالیٰ کے دشمن اور نافرمان ہونے کی علامت ہے، پس اس اعتبار سے یہ ناگوار ہے، اور اس پر امر بالمعروف ہے اور یہی تعمیلِ فرمان ہے، خوب سمجھ لو!

نیت و ارادہ:

نیت و ارادہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ." (مشکوٰۃ ص:۱۱)

ترجمہ: ”بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔“

نیت یہ ہے کہ دل کو کسی چیز کی طرف اٹھانا جس کو اپنی غرض اور نفع کے موافق سمجھتا ہے۔

طریق تحصیل: ... اس چیز کے منافع و مصالح کی معرفت حاصل کرے اور ان میں غور و فکر کرے، مثلاً اعمال صالحہ اور طریق آخرت کے منافع و مصالح کی معرفت حاصل کرے، ان میں غور کرے تو دل کو حرکت پیدا ہوگی۔

اخلاص:

اخلاص کے بارے میں ارشاد باری ہے:

”الا للہ الدین الخالص...“ (الزمر:۳)

ترجمہ: ”خبردار! اللہ ہی کے لئے ہے بندگی خالص۔“

اور

”فاعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین...“ (الزمر:۱۴)

ترجمہ: ”سو تم پوجو اللہ کو خالص کر کر اس کے واسطے بندگی۔“

اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی طاعت و بندگی میں صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب اور رضا کا قصد کرے، مخلوق کی خوشنودی، رضامندی یا کسی نفسانی خواہش کے قصد کو اس میں شامل نہ ہونے دے۔

طریق تحصیل: ... ریا کا دفع کرنا عین اخلاص کا حاصل کرنا ہے، اور وہ ریا کے علاج کے بیان میں معلوم ہوگا۔

صدق:

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ
يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ،
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" (الحجرات:١٥)

ترجمہ: "ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے
اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ
میں اپنے مال اور اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے۔"

صدق یہ ہے کہ جس مقام کو حاصل کرے اس کو کمال تک پہنچائے، اور اس میں سرگرم رہے۔

فائدہ: صدق کے کئی درجے ہیں:

اول: صدق قولی: وہ یہ کہ ہر حالت میں سچ بولے، حتی الوسع تعریض سے بھی پرہیز کرے، صدق قولی کا اعلیٰ و اکمل درجہ یہ ہے کہ جو اقوال اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کرتا ہے ان میں صدق پیدا کرے، مثلاً "الحمد للّٰه" پر مجسم شکر ہو جائے، اور "ایاک نعبد" پر اخلاص، اور "ایاک نستعین" پر غیر سے ٹوٹ جائے۔

دوم: نیت میں سچا ہو چنانچہ عبادت کے قصد میں کسی دوسرے قصد کی آمیزش نہ ہو۔

سوم: یہ کہ عزم میں سچا ہو، کیونکہ اکثر اوقات انسان قصد کرتا ہے کہ اگر اسے کچھ مال مل گیا تو خیرات کروں گا لیکن پھر مال ملنے پر اپنے اس عزم پر پختگی نہیں دکھاتا، لہٰذا سچا وہ ہے کہ اپنے عزم میں مستحکم رہے۔

چہارم ... یہ کہ عزم میں پختہ ہو، مگر پورا کرتے وقت کامل ہو جاتا ہے۔
پنجم ... یہ کہ ظاہر و باطن یکساں ہوں۔
ششم ... یہ کہ مقامات زہد و توکل میں سچا ہو۔ اللّٰھم ارزقنا بفضلک آمین!
طریق تحصیل: ... اس کی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے صدق کا نگران رہے، اگر کبھی کچھ کمی ہو جائے تو اس کا تدارک کرے، اسی طرح چند روز میں کمال حاصل ہو جائے گا۔

مراقبہ:

جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

"حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا" الحدیث۔

ترجمہ: ... "اپنا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔"

محاسبہ کا معنی یہ ہے کہ دل سے اس شخص کا دھیان رکھے جو اس کو دیکھ رہا ہے۔

طریق تحصیل: ... مراقبہ کی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ میرے ظاہر و باطن پر مطلع ہے، اور کوئی بات کسی وقت اس سے پوشیدہ نہیں، اس کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت، قدرت، جلال اور اس کے عذاب و عقوبت کو بھی یاد کرے، اس کی مواظبت سے وہ دھیان بندھنے لگے گا، پھر اس سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام سرزد نہ ہوگا۔

ایک مراقبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیض، رحمت عامہ یا ایک خاص قسم کی معیت، اقربیت یا تجلیات و تصرفات کے انتظار میں بیٹھ جائے اور ہمہ تن اس میں منہمک

جائے، اس میں ایک خاص کیفیت نازل ہونے لگ جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اول مراقبہ کے لئے دو چیزیں اور بھی ہیں۔ ایک مشارطہ: جو کہ مراقبہ سے پہلے ہوتا ہے، اور دوسرے محاسبہ۔ جو مراقبہ کے بعد ہوتا ہے۔ مشارطہ یہ ہے کہ روزانہ صبح کو اٹھ کر تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے نفس کو خوب سمجھائے کہ: "دیکھو! فلاں فلاں کام کیجیو، اور فلاں فلاں مت کیجیو"، اس کے بعد مراقبہ میں اس معاہدے کی نگہداشت رکھنا چاہئے، جب دن ختم ہو جائے تو سوتے وقت پھر محاسبہ کرے یعنی اس نے صبح سے شام تک جو اعمال کئے ہوں اُن کو تفصیلاً یاد کرے، چنانچہ جو نیک کام ہوں اُن پر شکر الٰہی بجالائے، اور جو بُرائیاں کی ہوں یا نیک کاموں میں کوئی آمیزش ہوگئی ہو، اس پر اپنے نفس کو ملامت کرے، اگر خالی زجر و توبیخ کافی نہ ہو تو اس پر کوئی مناسب سزا تجویز کر کے اس پر عمل درآمد کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" (الحشر ۱۸) (اور چاہئے کہ دیکھ لے ہر ایک جی کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے؟) (احیاء العلوم، تعلیم الدین)

اخلاق ذمیمہ

شہوت:

خلاف شرع یا مباح میں زیادہ مشغول کی خواہش کا نام شہوت ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا" (النساء: ۲۷)

ترجمہ:... "اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے کہ تم پھر جاؤ راہ سے بہت دور۔"

علاج:... اس کا علاج مجاہدہ کے بیان میں گزر چکا ہے کہ نفس کو حقوق دلائے اور حظوظ سے روکے۔

آفاتِ لسانی:

چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ" (ق.۱۸)

ترجمہ:... "نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اس کے پاس ایک راہ دیکھنے والا تیار۔"

آفاتِ لسانی یہ ہیں: فضول باتیں، بحث مباحثہ، ناحق کا تکرار، کلام میں بناوٹ وتکلف، گالی گلوچ، دو رویہ باتیں کرنا، عمدہ سے فضول باتیں پوچھنا، وغیر ذالک مما لا تعد ولا تحصی!

پھر ناحق کا تکرار اکثر دو وجہ سے ہوتا ہے، یا تو تکبر کی بناء پر یا اپنی بڑائی اور زبان و بیان کی تیزی کا اظہار مقصود ہوتا ہے، یا دوسرے شخص کو چپ کرانے اور عاجز بنانے کا شوق ہوتا ہے۔

علاج:... آفاتِ لسانیہ کا علاج یہ ہے کہ جو بات کہنا ہو اس سے تھوڑی دیر پہلے غور کرے کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ، جو کہ سمیع و بصیر ہیں، ناخوش تو نہیں ہوں گے؟ اس طرح عمل کرنے سے ان شاء اللہ گناہ کی کوئی بات منہ سے نہ نکلے گی۔

غضب:

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: "لا تغضب"۔

الحدیث۔ (مشکوٰۃ ص ۴۳۳ بحوالہ بخاری)

ترجمہ:... "غصہ نہ کر!"

غضب کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ خون قلب کا بدلہ لینے کے لئے جوش مارنا۔

علاج:... اس کا علاج یہ ہے کہ اس کا استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر زیادہ قوت و قدرت ہے، اور میں اس کی نافرمانی کیا کرتا ہوں، اگر وہ بھی مجھ سے یہ معاملہ کرے تو کیا ہوگا؟ اور یہ سوچے کہ میں کیا چیز ہوں؟ جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ ارادۂ خداوندی کے بغیر واقع نہیں ہوسکتا، اس کے ساتھ ساتھ زبان سے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھ کر تین بار بائیں طرف تھوک مارے، اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرے، اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو جس شخص پر غصہ ہے اس سے علیحدہ ہوجائے، یا اس کو علیحدہ کردے۔

غضب کے علاج کا یہ مقصد نہیں کہ غصے کا مادہ ہی نہ رہے، کیونکہ اگر غصے کا مادہ ہی ختم ہوگیا تو کفار سے جہاد کیونکر کرے گا؟ اور مبتدعین اور فساق کی خلاف شرع باتوں پر ناگواری کیسے ہوگی؟ اس ریاضت کا مقصد یہ ہے کہ اس کو مہذب اور عقل و شرع کا تابعدار بنائے، اگر شریعت حکم دے تو غصہ کرے ورنہ تھمے اور اپنا کام کرے ورنہ چپ رہے۔

حقد:

قال علیہ الصلوٰة والسلام: "لا تباغضوا!"

(متفق علیہ مشکوٰة ص ۴۲۷)

ترجمہ: "آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو!"

یعنی جب غصے سے بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو غصے کے دبا کرنے سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی ہوجاتی ہے، اس کو حقد یعنی کینہ کہتے ہیں۔

علاج:... حقد کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کا قصور معاف کرکے اس شخص سے میل جول شروع کردے، گو بہ تکلف ہی سہی، چند روز میں دل سے کینہ نکل جائے گا۔

حسد:

حسد یہ ہے کہ کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گزرنا اور یہ آرزو کرنا کہ اس کی یہ اچھی حالت زائل ہو جائے۔

جیسا کہ ارشاد الٰہی "ومن شر حاسد اذا حسد" میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ حسد عموماً یا تو نخوت اور غرور سے ہوتا ہے یا عداوت و خباثت نفس کی وجہ سے بلاوجہ خدا تعالیٰ کی نعمت میں بخل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا، اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے۔ البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر تمنا کرنا اور چاہنا کہ اس کے پاس بھی نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی نعمت حاصل ہو جائے، یہ غبطہ اور رشک کہلاتا ہے اور یہ جائز ہے۔

علاج:... گو بہ تکلف ہی سہی، مگر اس شخص کی خوب تعریف کرے اور اس کے ساتھ احسان، سلوک اور تواضع سے پیش آئے، ان معاملات سے اس شخص کے قلب میں تمہاری محبت پیدا ہو جائے گی، پھر وہ بھی تم سے اسی طور سے پیش آنے لگا تو اس سے تمہارے دل میں بھی اس کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

حبِ دُنیا:

ارشاد الٰہی ہے:

"وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ"

(آل عمران ۱۸۵)

ترجمہ: "اور نہیں زندگانی دنیا کی مگر پونجی دھوکے کی۔"

جس چیز میں فی الحال حظِ نفس ہو اور آخرت میں اس کا کوئی نیک ثمرہ مرتب نہ ہو وہ دنیا ہے۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"حب الدنیا رأس کل خطیئة" (مشکوٰۃ ص ۴۴۴)

ترجمہ... "دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔"

مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت ہوتی ہے، اور قدرت ہوتے ہوئے برداشت کرنا اور گناہ نہ کرنا بہت ہی دشوار ہے۔

اسی طرح مال کے ہوتے ہوئے انسان لذتوں کا خوگر ہو جاتا ہے، پھر لذت کی تحصیل میں اکثر و بیشتر عداوت، ریا اور نفاق وغیرہ سب ہی قسم کے گناہ ہوتے ہیں،

نیز مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں دنیا کی لاجواب تعریف کی ہے:

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

علاج:... حبِ دنیا کا علاج یہ ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرے، اور لمبے عرصے کے لئے سامان نہ کرے، اور نہ سوچے۔

بخل:

قولہ تعالیٰ: "وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ .... الخ" (محمد ۳۸)

ترجمہ... "اور جو کوئی نہ دے گا سو نہ دے گا آپ کو۔"

یعنی جس چیز کو خرچ کرنا شرعاً یا مروۃً ضروری ہو، اس میں تنگ دلی کرنا بخل ہے۔

علاج:... بخل کا علاج یہ ہے کہ مال کی محبت کو دل سے نکالے اور حب مال کے نکالنے کا وہی طریقہ ہے جو اوپر ذکر ہوا ہے۔

حرص:

قولہ تعالیٰ: "وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ .... الخ" (طٰہٰ،۱۳۱)

ترجمہ... "اور مت پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو فائدہ اٹھانے کو دی ہم نے۔"

(حرص کا معنی) قلب کا مال وغیرہ کے ساتھ مشغول ہونا۔

علاج:... اس کا علاج یہ ہے کہ خرچ گھٹائے تاکہ زیادہ آمدنی کی فکر نہ ہو، اور آئندہ کی فکر نہ کرے کہ کیا ہوگا؟ اور یہ سوچے کہ حریص اور طمع کرنے والا ہمیشہ ذلیل وخوار رہتا ہے۔

حب جاہ:

قولہ تعالیٰ: "لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ .... الخ" (القصص،۸۳)

ترجمہ... "نہیں چاہتے اپنی بڑائی ملک میں۔"

لوگوں کے دلوں کے مسخر ہو جانے کا خواہش مند ہونا، جس سے لوگ اس کی تعظیم واطاعت کریں۔

حب مال اور حب جاہ کا مقصد ایک ہی ہے، کہ میری کوئی ضرورت تشنۂ تکمیل نہ رہے، جیسے مال سے ضروریات پوری ہوتی ہیں، ایسے ہی بلا تکلیف لوگوں کے تعظیم کرنے سے بھی مقاصد سرانجام پاتے ہیں، حب جاہ بڑی بلا ہے، ہاں! البتہ

انسان مال کی طرح بقدرِ ضرورت جاہ کا بھی محتاج ہے، تاکہ اس کی وجہ سے ظالموں کے ظلم و تعدی اور ظالم حاکموں سے بے خوف ہو کر باطمینانِ قلب عبادت میں مشغول ہو سکے۔ اتنی جاہ میں مضائقہ نہیں، مگر بقدرِ ضرورت جاہ حاصل کرنے کے لئے اپنی عبادتوں میں ریا کرے اور متقیوں اور صوفیوں کی شکل و صورت بنا کر مخلوق کو دھوکہ دے کر جاہ حاصل نہ کرے۔

علاج:... یوں سوچے کہ جو لوگ میری تعظیم و اطاعت کر رہے ہیں یا کریں گے، نہ وہ رہیں گے، اور نہ میں رہوں گا، تو پھر ایسی موہوم اور فانی چیز پر خوش ہونا نادانی ہی ہے۔

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جو شرع کے خلاف تو نہ ہو مگر عرفاً اس شخص کی شان کے خلاف ہو، اس سے وہ لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو جائے گا، تو حبِ جاہ خود بخود دور ہو جائے گی، مگر مقتدا کو ایسا کرنا زیب نہیں، کیونکہ اس سے دین میں فتور پڑ جائے گا۔

ریا:

ریا کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یہ قصد کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری قدر ہو جائے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "یراءون الناس... الخ" پھر ریا کبھی تو جلی ہوتا ہے، یعنی تنہائی کی حالت میں اتنی عبادت نہیں ہوتی جتنی لوگوں کے سامنے کرتا ہے، اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتا ہے، مثلاً تہجد تو ہمیشہ پڑھتا ہے، مگر مہمان کے سامنے زیادہ نشاط اور مسرت ہوتی ہے، اور اس میں بھی ریا ہے۔

اسی طرح اگر اطلاع سے خوشی نہ بھی ہو لیکن وہ اس کا آرزومند ہے کہ

کاش لوگ میری تعریف کریں، اسی طرح اگر اس نے ساتھ والوں میں نماز کا معرف کرے، تو اس کو تعجب ہوتا ہے تو یہ بھی ریا خفی ہے۔ کیونکہ لوگوں پر اپنی عبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہے۔

فائدہ... اگر عبادت میں ریا ابتداء سے ہو اور غرض دکھلاوے کے لئے پڑھی تو یہ نماز اس کے لئے موجب ثواب نہیں، بلکہ موجب عقاب ہے، اور اگر درمیان میں پیدا ہوگیا ہو مگر اگر نیت اصل عبادت کی مغلوب ہوئی تو عبادت مقبول نہیں، اور اگر بعد عبادت پیدا ہوگئی، مثلاً لوگوں کے آگاہ کرنے پر مسرت ہوتی ہے تو یہ ریا مضر نہیں۔ ہاں! اس کا اظہار ضرور مکروہ ہے۔ اور گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش ہونا حرام نہیں ہے۔

علاج:... حب جاہ کو دل سے نکالے، کیونکہ ریا اسی کا شعبہ ہے۔ اور جو عبادت جماعت سے نہیں ہے اس کو پوشیدہ کیا کرے، اور جس عبادت کا اظہار ضروری ہے اس کے لئے صرف ازالہ حب جاہ کافی ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس عبادت میں ریا ہو اس کو کثرت سے کیا کرے۔ پھر نہ لوگوں کی طرف التفات کرے گا، اور نہ ہی اس کو اپنی عبادت کا خیال رہے گا، چنانچہ چند روز میں ریا سے عادت اور عادت سے عبادت اور اخلاص ہو جائے گا۔ قالہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

تکبر:

تکبر یہ ہے کہ اپنے کو صفات کمال میں دوسروں سے بڑھ کر سمجھے، اور یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: "انہ لا یحب المستکبرین"

ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق یہ خیال ہو کہ وہ دوسروں سے صفات

کہ اپنے میں نہ ہو۔ تو آدمی ... وہ پھول جاتا ہے، پھر اس سے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں مثلاً راستے میں چلتے وقت دوسروں سے آگے قدم رکھنا، مجلس میں صدر مقام یا فوقیت کی جگہ تلاش کرنا، دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنا، اگر کوئی نصیحت کرے تو ناک بھوں چڑھانا، حق بات معلوم ہوتے ہوئے عمل کرنے سے شرمانا، اگر کوئی تعظیم نہ کرے تو غصہ ہونا، عوام کو گدھوں کی طرح دیکھنا وغیرہ ذالک۔ نعوذ باللہ تعالیٰ منہا

پھر تکبر کبھی تو علم سے پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے برابر کوئی نہیں، یا اس طور کہ لوگوں پر میری تعظیم واجب ہے، اگر کوئی تعظیم نہ کرے تو اس پر تعجب ہونا، اور کبھی زہد و تقویٰ سے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد تکبر کرنے لگتا ہے کہ اگر اسے کوئی ایذا دے تو تحمل نہ کرتا ہے کہ: "عنقریب دیکھ لے گا کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے!" اور اگر ایذا دینے والا اتفاقاً بیمار پڑ گیا یا اس کا کوئی نقصان ہو گیا تو اعلان کرتا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ستانے کا یہ نتیجہ نکلتا ہے!"

کبھی شرافت نسب سے اور کبھی مال و جمال سے مفتخر و متکبر ہوتا ہے۔

اللّٰھم احفظنا من کل سوء آمین یا رب العلمین، برب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (احیاء العلوم)

علاج: ... اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کرے، کیونکہ اس کے مقابلے میں اپنے کمالات کو ہیچ پائے گا، اور جس شخص سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، اس کے ساتھ تعظیم و تواضع سے پیش آئے، یہاں تک کہ اس کا خوگر ہو جائے۔

عُجب:

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"اذ اعجبتکم کثرتکم" الخ (التوبہ: ۲۵)

ترجمہ: "جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت سے۔"

عجب کا حکم یہ ہے کہ اپنے کمال کی اپنی طرف نسبت کرنا اور اس کا خوف نہ ہونا کہ سلب بھی ہوسکتا ہے۔

علاج:... اس کمال کو عطائے خداوندی سمجھے اور اس کے استغناء و قدرت کو یاد کرکے ڈرے کہ شاید سلب ہوجائے، اس کو بطور نمونہ اکثر "تعلیم الدین" مولانا اشرف علی صاحب اور قلیل "فروع الایمان" وغیرہ سے نقل کرکے پیش خدمت کیا ہے، اگر زائد کی ضرورت ہو تو "احیاء العلوم" وغیرہ سے تحقیق فرمائیں۔

فصل:

آداب استاذ و پیر:

مجاہدات سابقہ اور باقی تمام کمالات خواہ دنیوی ہوں یا اخروی، سب بغیر استاذ و پیر کے کام نہیں چلتا، کیونکہ: "بے مدد پیر نہ امکان رسد" اور جب تک استاذ و پیر کی مہربانی نہ ہو، اس وقت تک ان کمالات کا حاصل ہونا دشوار ہے، بالفرض اگر کچھ حاصل بھی ہوجائیں تو تجربہ شاہد ہے کہ بے برکت ہوں گے، اور استاذ و پیر کی مہربانی سوائے ادب اور خدمت کے متعذر ہے، اس لئے ان کے کچھ آداب تحریر کئے جاتے ہیں، جو سب کے سب کتاب "فروع الایمان" مولانا اشرف علی صاحب سے ماخوذ ہیں۔

حقوق استاذ:

ا:... مسواک کرکے، بدن صاف کرکے اور صاف کپڑے پہن کر اس کے پاس جائے۔

۱... یہ اعتقاد رکھے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے ہی حاصل ہوگا اور اگر دوسری طرف توجہ کروں گا تو مرشد کے فیض و برکات سے محروم رہوں گا۔

۲... ہر طرح مرشد کا مطیع رہے اور جان و مال سے اس کی خدمت کرے، کیونکہ بغیر محبت کے کچھ نہیں ہوتا اور محبت کی پہچان یہی ہے۔

۳... مرشد جو کچھ کہے اس کو فوراً بجا لائے، اور مرشد کی اجازت کے بغیر اس کے کسی فعل کی اقتدا نہ کرے، کیونکہ بعض اوقات پیر اپنے حال اور مقام کے مناسب ایک کام کرتا ہے جو مرید کے لئے زہر قاتل ہوتا ہے۔

۴... مرشد جو ورد، ذکر، وظیفہ تعلیم کرے، اسی کو پڑھے دوسرے تمام وظیفے چھوڑ دے، خواہ اس نے اپنی طرف سے پڑھنا شروع کئے ہوں یا کسی دوسرے نے بتائے ہوں۔

۵... مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ رہنا چاہئے، یہاں تک کہ سوائے فرض و سنت کے نماز نفل اور کوئی وظیفہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ پڑھے۔

۶... حتی الامکان ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ مرشد کے سایہ پر یا اس کے کپڑے پر پڑے۔

۷... اس کے مصلے پر پیر نہ رکھے۔

۸... اس کی طہارت یا وضو کی جگہ طہارت یا وضو نہ کرے۔

۹... مرشد کے برتنوں کو استعمال میں نہ لائے۔

۱۰... اس کے سامنے نہ کھانا کھائے، نہ پانی پیئے اور نہ کسی سے بات کرے، بلکہ کسی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔

۱۱... جس جگہ مرشد بیٹھا ہو اس طرف پیر نہ پھیلائے، گرچہ سامنے نہ ہو۔

۱۲... نہ اس طرف تھوکے۔

۱۳:... جو کچھ مرشد کہے یا کرے، اس پر اعتراض نہ کرے، کیونکہ وہ جو کچھ کرتا یا کہتا ہے الہام سے کرتا اور کہتا ہے، یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ کو یاد کرے۔

۱۴:... اپنے مرشد سے کرامت کی خواہش نہ کرے۔

۱۵:... اگر دل میں کوئی شبہ گزرے تو فوراً عرض کرے اور اگر وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنے فہم کا نقصان سمجھے، اور اگر مرشد اس کا جواب نہ دے تو جان لے کہ میں اس کے جواب کے لائق نہ تھا۔

۱۶:... خواب و مراقبہ میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد سے عرض کر دے، اگر اس کی کوئی تعبیر ذہن میں آئے تو وہ بھی عرض کر دے۔

۱۷:... بلا اجازت و بلا ضرورت مرشد سے علیحدہ نہ ہو۔

۱۸:... مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے، بآواز بلند اس سے بات نہ کرے، بقدر ضرورت مختصر کلام کرے اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے۔

۱۹:... مرشد کے کلام کو دوسروں سے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں، اور جس بات کے بارے میں یہ سمجھے کہ لوگ اسے نہ سمجھیں گے تو اسے بیان نہ کرے۔

۲۰:... اور مرشد کے کلام کو رد نہ کرے، اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو، بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے۔

۲۱:... جو کچھ اس کا حال ہو خواہ اچھا یا برا، اسے مرشد سے عرض کرے، کیونکہ مرشد طبیب قلبی ہے، اطلاع کے بعد اس کی اصلاح کرے گا، مرشد کے کشف پر اعتماد کرکے سکوت نہ کرے۔

کہ ناجنس مصاحب سے پرہیز کرے۔"

(آداب کاملہ تعلیم سیر و دائرہ و ہیرو)

اطلاع:... پیر و مرشد اگر کسی بات کا حکم فرمائیں اور وہ ظاہر میں صریح بے ادبی ہو تو اس کی تعمیل سے انکار نہ کرے بلکہ اسے بجا لائے، مثلاً اگر وہ خاص کر اپنے مصلے پر بٹھائیں یا نماز میں امام بنائیں یا اپنے سے آگے چلنے کا حکم دیں یا وہ کفش بچھا کر سیدھے کریں تو بے تکلف قبول کرے، یا اسی طرح کوئی دوسرا حکم فرمائیں تو مان لے، اس لئے کہ کمال ادب یہی ہے کہ مرشد کا فرمان مان لے۔ اور اگر اس میں کچھ نقصان یا عذر دیکھے تو بے شک عرض کرے تاکہ وہ اس حال سے آگاہ ہو جائیں، لیکن اگر آگاہی کے بعد پھر بھی حکم دیں تو اس حکم کا بجا لانا ضروریات میں سے ہے۔ غرض ان کی رضا کو حصول مقصد کا بہترین ذریعہ اور سعادت دو جہان کا سبب جانے اور ان کی تکلیف و آزار کو بدترین بدبختی کا سبب سمجھے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں قاضی حمید الدین بنگالی کو لکھا ہے، جس میں یہ فرمایا ہے:

"ہر مرضے را علاجے ہست، اما آزردگی شیخ را هیچ علاجے نیست۔"

ترجمہ:... "ہر مرض کا علاج ہے، مگر شیخ کی ناراضگی کا کوئی علاج نہیں، (پس مرید کو چاہئے کہ شیخ کو راضی رکھے)۔"

اور اسی مکتوب میں بہت سے آداب تحریر فرمائے ہیں، جس کو "ہدایت الطالب" نے نقل کیا ہے، ان میں سے بعض نقل کئے جاتے ہیں:

اوّل: بیعت سے پہلے امتحان کرے، یعنی اپنا اطمینان درست کر لے کہ اس میں علامت ولایت جو تقویٰ وغیرہ کی ہیں، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے، موجود ہیں یا

نہیں؟ جب علامت پالیوے اور بیعت ہوجاوے تو بعد بیعت کے تمام جہان سے منہ پھیر کر دل و جان سے اُن کی طرف رجوع کرے، کلی اور جزوی کاموں میں پیر کی اقتدا کرے، کھانے پینے، چلنے پھرنے، بات چیت، خو خصلت، چال ڈھال، عادات، عبادت سب ان کے سے پیدا کرے، اور خدمت میں حاضر ہو، بطریق سنت سلام کرے اور پاؤں اور زمین بوس اور کفش بوس نہ ہووے، مگر دل سے ہاں؛ اگر غلبہ محبت میں مضطر ہوجاوے تو یہ باتیں معاف ہیں؛ ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراوے کہ کفر و شرک ہے، غائب میں یوں نہ کہے کہ "یا پیر! فلاں کام کردے" بلکہ وسیلہ کے طور پر یوں کہہ سکتا ہے کہ: "یا خدا! میرا فلاں کام بطفیل میرے پیر کے کردے" نذر و نیاز بھی خدا تعالیٰ کے لئے مانے، اُن کی خدمت اور کام کاج کو اپنی ریاضات سے بہتر جانے، اور خدمت سے پہلوتہی نہ کرے۔

طفیل کا مطلب یہ ہے کہ "اے اللہ تعالیٰ! میرے اعتقاد میں میرا پیر تیرا اور تیرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب تابعدار ہے اس لئے میری اس کے ساتھ محبت و اعتقاد و اتباع ہے، تو اپنے فضل سے میرا فلاں کام کردے۔"

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی

منت ازو شناس کہ بخدمت گزاشتت

ترجمہ.... "احسان مت جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے، بادشاہ کا احسان جان کہ وہ تجھ سے خدمت لے رہا ہے۔"

اُن کی خدمت گزاری سے بعد فرائض و واجبات و سنن کے کوئی زیادہ عبادت و ریاضت نہیں، وغیر ذالک۔ فی الجملہ کوئی بے ادب اور بداعتقاد نہ خدا تک پہنچا ہے، نہ پہنچے گا۔

یہی ماں باپ کے بھی آداب ہیں۔

۱۳: اور اپنے آپ کو خادم تصور کرے۔

یہ سب "ارشاد الطالبین" سے ماخوذ ہیں۔

فصل:

طریقِ تربیت:

واضح ہو کہ بعض کاملِ مکمل پہلے طالب کو تزکیۂ نفس، عناصر اور تصفیہ لطائف کے لئے، جو کہ مصاحبتِ خلق سے ظلمانی ہو گئے ہیں، ذکر، شغل اور مراقبہ تعلیم فرماتے ہیں، تصفیہ اور اخلاقِ مرضیہ کے حصول کے بعد القائے نسبت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس سالک کو سالک مجذوب اور اس سیر کو سیر آفاقی کہتے ہیں۔ سیر آفاقی، انفسی اور سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، بقا باللہ اور سیر عن اللہ باللہ کے سلسلے میں جاننا چاہئے کہ جب سالک نیت کو درست کرکے ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہے اور مجاہدے کرتا ہے تو اس کے اوصافِ رذیلہ اخلاقِ حسنہ سے بدل جاتے ہیں: دُنیا کی محبت کا غلبہ نہیں رہتا، صبر، توکل اور رضا حاصل ہو جاتی ہے، تو اپنے تزکیہ کو درجہ بدرجہ ترتیب وار عالمِ مثال میں مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ اس کو عالمِ مثال میں ہر لطیفہ کے مناسب انوار مثلاً لطیفۂ قلب میں زرد نور اور لطیفۂ روح میں سنہری وغیرہ نظر آنے لگتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لطیفہ کی صفائی ہو گئی ہے، تو سالک اپنی کدورتوں اور ظلمتوں کے دور ہونے اور اپنی صفائی و تزکیہ کے یقین کو جو عالمِ مثال میں من جملہ آفاق کے ہے دیکھتا ہے، تو گویا یہ آفاق میں سیر کر رہا ہے، اگرچہ درحقیقت یہ سیر سالک کے اپنے نفس کی سیر ہے، اور اس کے اپنے اوصاف و اخلاق میں حرکت کی گئی ہے، مگر چونکہ آفاق کے آئینے میں دیکھ رہا ہے، اس لئے آفاق کی طرف منسوب کی گئی اور کہا گیا کہ سیر آفاقی

ہے۔ اس کو سیر الی اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس سیر میں رذائل یعنی بری خصلتوں سے تخلیہ
حاصل ہوتا ہے، گویا فنا فی اللہ ہو گیا ہے کہ تمام ماسویٰ سے خالی و فارغ ہے۔ اس لئے
کہ سالک ترکیب عناصر اور انوار لطائف کو اپنے نفس سے خارج عالم مثال میں ملاحظہ
کرتا ہے۔ چونکہ یہ سیر بہت دراز اور با مشقت ہوتی ہے، اور اس میں مقصود تک نا کام
رہنے کا خوف بھی رہتا ہے، اس لئے بعض مقربین کامل و اکمل جیسے حضرت خواجہ نقشبند
رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ابتداء جذب کو سلوک پر مقدم فرماتے ہیں، چنانچہ وہ پہلے سالک کے
لطائف عالم امر میں توجہ سے القائے ذکر فرماتے ہیں، تاکہ قلب، روح، سر، خفی اور
اخفیٰ اپنے اصول میں فانی اور مستہلک ہو جاتے ہیں، اس سیر کو سیر انفسی کہتے ہیں،
اس لئے کہ سالک انوار لطائف و ترکیب عناصر کو اپنے اندر ملاحظہ کرتا ہے، اس سیر میں
اکثر سیر آفاقی بھی حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے کہ کدورت رفع ہونے کے باوجود
قرب بھی حاصل ہو جاتا ہے، اس سالک کو مجذوب سالک اور اس سیر کو اندراج النہایۃ
فی البدایۃ کہتے ہیں، اس لئے کہ جذب جو آخر میں تھی وہ ابتدا میں ہوتی، ایسا شخص اگر
کمال سے پہلے مر جائے تو مقصود سے مطلق محروم نہ رہا، کیونکہ ذوق الٰہی سے بکلی صحبت
میں ہی فیض یاب ہو گیا۔ (ارشاد الطالبین)

اس کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے، وہ سیر انفسی ہے، جس کو سیر فی اللہ اور با
باللہ فرماتے ہیں۔ اس کو سیر انفسی اس لئے کہتے ہیں کہ انفس اسماء کے ظلال و صور
کو کہتے ہیں، نہ یہ کہ سالک کا سیر نفس میں ہے، اس سیر میں درحقیقت انفس کے
آئینے میں اسماء کے ظلال کا سیر ہے، اسی لئے اس کو سیر معشوق فی العاشق کہتے ہیں،
اور اس سیر کو سیر فی اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ سالک اس سیر میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق
سے موصوف و متخلق ہو جاتا ہے، گویا کہ اسے ذات میں سیر متحقق ہوئی، اس سیر کو سیر
فی اللہ اور باللہ بھی کہتے ہیں۔ اس سیر میں سالک اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو جا

ہے، گویا تجلیہ سیر آفاقی میں ہوا اور تجلیہ اس سیر انفسی میں ہوا، پھر اس سیر کی انتہاء نہیں، اس کے حاصل ہونے کو ولایت کہتے ہیں، اس کے بعد جو سیر ہوتی ہے وہ سیر عن اللہ باللہ کہلاتی ہے، اسی طرح سیر چہارم سیر فی الاشیاء و باللہ ہر دو کو سیر نزولی و نزولی کے ساتھ متعلق کہتے ہیں (یہ ہے ارباب ولایت کے سیر سلوک کا حاصل اور ان کے کمالات کا نسخۂ جامعہ) مگر اس پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ راضی نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہیں، اس لئے کہ جب انفس بھی آفاق کی طرح دائرۂ امکان میں داخل ہے تو اس صورت میں دائرۂ امکان کا قطع کرنا ناممکن ہوگا، پس اس سے دائمی مایوسی اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، نہ کبھی فنا متحقق ہوگی، نہ بقا متصور ہوگا، پھر وصال و اتصال کیسے ہوگا؟ اور قرب کمال کیا ہوگا؟ جیسے حق تعالیٰ وراء الورا ہے، اس کی صفات بھی وراء الورا ہیں، دائرۂ امکان میں نہ ذات کی گنجائش ہے، نہ صفات کی، سیر انفسی میں تو اسماء وصفات کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہے، نہ کہ عین اسماء وصفات کا ظہور، بلکہ اسماء وصفات کی ظلیت اور مثالیت بھی آفاق وانفس سے باہر ہے، جب تک انفس و آفاق سے باہر نہ نکلیں، حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی ظلیت کے معنی سمجھ میں نہیں آتے، پھر اسماء وصفات تک وصول کیسے؟

اصل بات یہ ہے کہ سیر آفاقی و سیر انفسی میں ظلماتی پردے دور ہوتے ہیں، جس سے امکان کے تمام مراتب طے ہوتے ہیں، اور نورانی پردوں کا طے ہونا حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی سیر پر موقوف ہے، حتیٰ کہ نظر میں نہ اسم رہے، نہ صفت، اور نہ شان رہے، نہ اعتبار، اس وقت تمام نورانی پردے دور ہوتے ہیں اور وصل عریانی حاصل ہوتا ہے، یہ وصل بہت کم حاصل ہوتا ہے۔

ہمہ چشمم تا برون آئی
ہمہ گوشم تا چہ فرمائی

اس میں ذکر و رابطہ شیخ کا واسطہ بھی نہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

میں نے مراقبہ گربہ بلی سے سیکھا ہے کہ وہ کیسے مطلوب کے انتظار میں ہمہ تن مصروف ہے، اور مراقبہ کا دوسرا معنی بھی ہے کہ بندہ آگاہ و خبردار رہے کہ ہر دم حق سبحانہ میرے ساتھ حاضر اور میری ہر حالت پر مطلع ہیں، مراقبہ کا یہ طریق نفی و اثبات کے طریق سے اعلیٰ، جذب کے حصول میں اقرب اور باطن کی تنویر میں تمام موثر ہے۔

فائدہ:... خطرات قلبی کے بالکل زائل ہو جانے یا کم ہو جانے کا نام جمعیت ہے، اور طالب کے قلب میں توجہ الی اللہ پیدا ہو جانے کا نام حضور ہے۔

فائدہ:... سالک جس لطیفہ پر فیض و رحمت کا منتظر ہوگا، اس کو مورد فیض کہتے ہیں، اور مراقبہ پر جو اثر و فائدہ مرتب ہو، اس کو فیض مراقبہ کہتے ہیں، اور یہ اثر اسباب و آلات کے بغیر سیدا فیض یعنی فیاض سے آتا ہے۔

فائدہ:... سالکین فرماتے ہیں کہ انسان دس لطائف سے مرکب ہے، ان میں سے پانچ عالم امر سے ہیں، جیسے: ۱:...قلب، ۲:...روح، ۳:...سر، ۴:...خفی، ۵:...اخفیٰ، ان کو عالم امر سے اس لئے کہتے ہیں کہ یہ محض حکم الٰہی "کن" سے ظاہر ہوئے ہیں۔ اور پانچ عالم خلق سے ہیں، جیسے: عناصر اربعہ، نفس۔ ان کو عالم خلق سے اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بتدریج پیدا کئے گئے ہیں، "الا لہ الخلق والامر" چنانچہ ولایت صغریٰ میں مورد فیض لطائف عالم امر ہیں، اور ولایت کبریٰ و علیا میں مورد فیض لطیفہ نفس و عناصر اربعہ ہیں۔

مراقبہ احدیت:

"فیضی می آید از ذاتیکہ مستجمع جمیع صفات کمال است و منزہ از ہر نقصان و زوال مورد فیض لطیفۂ قلب من است۔"

ترجمہ... "اس ذات سے فیض آرہا ہے جو کل صفات کمال کی جامع، ہر نقصان اور زوال سے پاک اور میرے لطیفۂ قلب کے فیض کا مورد ہے۔"

اس مراقبہ میں احد کے مفہوم کو، جو جامع ہے جمیع صفات کمالیہ کا اور ہر نقصان سے منزہ ہے، ذہن میں رکھ کر متوجہ الی اللہ تعالیٰ رہے، اسی لئے اس مراقبے کا نام "احدیت" ہے۔

مراقبات مشارب:

مراقبہ لطیفۂ قلب، مشرب آدم:

"لطیفۂ قلب خود را مقابل لطیفۂ قلب مبارک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبان خیال التجا کند کہ: الٰہی! فیض تجلیات افعالیہ کہ از لطیفۂ قلب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بر لطیفۂ قلب آدم علیہ السلام رسانیدہ ای، بحرمت پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ در قلب من القا فرما۔"

ترجمہ... "اپنے لطیفۂ قلب کو جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ قلب کے مقابل رکھ کر زبان حال سے التجا کرے کہ: الٰہی! فیض تجلیات افعالیہ لطیفۂ قلب سرور عالم صلی اللہ

نصیب قلب کا ان سب مراتب سے کم درجے کا ہے، وہ افعال الہیہ ہیں جو کہ اثر ہے صفات کا، جس میں سالک کی نظر میں اپنے اور مخلوقات کے افعال چھپ جاتے ہیں اور بجز فعل حق سبحانہ کے اس کی نظر میں نہیں رہتا۔

اگر دیدہ منعقد خداوند ترا

نہ بینی دگر صورت زید را

اس ولایت کو ولایت ابوالبشر آدم علیہ السلام کہتے ہیں، اور سالک کو آدمی المشرب کہتے ہیں۔

مراقبہ لطیفۂ روح مشرب ابراہیم ونوح:

"لطیفۂ روح خود را مقابل لطیفۂ روح مبارک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبان خیال عرض کند: الٰہی! فیض صفات ثبوتیہ کہ از لطیفۂ روح مبارک آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم در لطیفۂ روح حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام افاضہ فرمودہ بحرمت پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفۂ روح من القا فرما۔"

ترجمہ... "اپنے لطیفۂ روح کو مقابل لطیفۂ روح مبارک آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رکھ کر زبان حال سے عرض کرے کہ الٰہی! وہ فیض تجلیات صفات ثبوتیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ روح مبارک سے لطیفۂ روح حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام میں تو نے بخشے ہیں، بحرمت پیران عظام رحمہم اللہ تعالیٰ میرے لطیفۂ روح میں القا فرما۔"

مشرب ابراہیمی لطیفۂ روح میں خدا تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ میں جذب ہوتا

ہے۔ اس میں سالک کی نظر میں مخلوق کی صفات مظہر صفات حق سبحانہ ہو جاتی ہیں گویا اس کی صفات نظر آتی ہیں، اس ولایت کا نام ولایت ابراہیم علیہ السلام ہے۔ اور سالک کو ابراہیمی المشرب کہتے ہیں۔

فائدہ... لطیفہ قلب میں جو توحید ظاہر و واضح ہوئی تھی، وہ یہ تھی کہ مخلوقات کے وجود کو تبعیہ محبت حق سبحانہ سے وجود حق سبحانہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔ اور لطیفہ روح میں بجز حق سبحانہ کے وجود ثابت نہیں کرتا، اور ممکنات کو عدم پاتا ہے، اور یہ حالت بسبب غلبہ سکر کے ہے۔ ورنہ:

نہ آں ایں گردد نہ ایں شود آں
ہمہ اشکال بر تو گردد آساں

مراقبہ لطیفہ سر مشرب موسوی:

"لطیفہ سر خود را مقابل لطیفہ سر مبارک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبان خیال عرض کند: الٰہی! فیض تجلیات شیون ذاتیہ کہ از لطیفہ سر مبارک آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم در سر مبارک حضرت موسیٰ علیہ السلام القا فرمودہ بحرمت پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفہ سر من القا فرما۔"

ترجمہ... "اپنے لطیفہ سر کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفہ سر کے بالمقابل رکھ کر زبان خیال سے التجا کرے کہ الٰہی! شیون ذاتیہ کی تجلیات کا وہ فیض جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفہ سر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لطیفہ سر میں ڈالا ہے پیران عظام کے وسیلے سے میرے لطیفہ سر میں ڈال دے۔"

مشربِ موسوی میں سالک اپنے آپ کو حق سبحانہٗ میں ہالک اور مضمحل پاتا ہے، سوائے ذات کے اس کی نظر میں اور کچھ نہیں ہوتا (کذا فی ہدایۃ الطالبین)۔ اس ولایت کو ولایتِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں اور سالک کو موسوی المشرب کہتے ہیں۔

شیون جمع ہے شان کی، اس سے اللہ تعالیٰ کی وہ شان مراد ہے کہ جس سے وہ صفاتِ ثبوتیہ کے ساتھ موصوف ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: "کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡنٍ" (الرحمٰن۔۲۹) (ہر روز ایک شان میں ہے)۔ سالک اس مقام میں اپنی ذات کو حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات میں مٹا ہوا پاتا ہے، اور سوائے ذاتِ حق کے اُسے کوئی ذات نظر نہیں آتی، جب سالک ذات و صفات میں فانی ہو جاتا ہے تو طعن و ملامت کی پروا نہیں کرتا اور نہ کسی تعریف و توصیف کا خواہش مند رہتا ہے، اور ذاتِ حق تعالیٰ میں گُم رہتا ہے۔

مراقبۂ لطیفۂ خفی مشربِ عیسوی:

"لطیفۂ خفی خود را مقابلِ لطیفۂ خفی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبانِ خیال عرض کند: الٰہی! فیضِ تجلیاتِ صفاتِ سلبیہ کہ از لطیفۂ خفی مبارک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم در لطیفۂ خفی عیسیٰ علیہ السلام افاضہ فرمودہ بحرمتِ پیرانِ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفۂ خفی من القا فرما۔"

ترجمہ...."اپنے لطیفۂ خفی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ خفی کے مقابل رکھ کر خیال کی زبان سے التجا کرے کہ: الٰہی! صفاتِ سلبیہ کی تجلیات کا وہ فیض جو تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ خفی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لطیفۂ خفی

میں القا فرمایا ہے، پیران کبار کے طفیل سے میرے لطیفۂ خفی میں
القا فرمادیجئے۔"

مشرب عیسوی میں سالک حق سبحانہ کو کائنات وظاہر سے منزہ پاتا ہے۔ اس
ولایت کو ولایت عیسیٰ علیہ السلام اور سالک کو عیسوی المشرب کہتے ہیں۔

فائدہ... لطیفۂ سر وخفی میں سالک ملامت کی پرواہ نہیں کرتا، اور نہ کسی کی
توصیف وتعریف کا خواہش مند ہوتا ہے۔ صفات سلبیہ کا مطلب یہ ہے کہ سالک
اپنے خیال میں لائے کہ حق تعالیٰ جسم وجسمانی نہیں، عرض وجوہر نہیں، مکانی وزمانی،
حال ومحل، محدود ومحتاج نہیں ہے، بے جہت، بے کیف، بے صورت اور بے مثل ہے۔

مراقبہ لطیفۂ اخفیٰ مشرب محمدی:

"لطیفۂ اخفیٰ خود را مقابل لطیفۂ اخفیٰ مبارک سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبان خیال عرض نماید کہ الٰہی! فیض
تجلیات شان جامع کہ در لطیفۂ اخفیٰ حضرت سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم القا فرمودہ بحرمت پیران کرام رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفۂ
اخفیٰ من القا فرما۔"

ترجمہ... "اپنے لطیفۂ اخفیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے لطیفۂ اخفیٰ کے مقابل رکھ کر خیال کی زبان سے التجا
کرے کہ الٰہی! تجلیات شان جامع کا وہ فیض جو آپ نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ اخفیٰ میں القا فرمایا ہے
پیران کبار کی برکت سے میرے لطیفۂ اخفیٰ میں القا فرما۔"

باید دانست کہ در مراقبہ لطیفہ ہا کہ مورد تجلیات ملحوظ داشتہ آمد لطیفہ را

طائف ہر یک از حضرات مشائخ کرام سلسلہ علیہم الرحمۃ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مثل آئینہ ہائے متقابلہ فرض کردہ بطریق قواسی فیضِ مخصوص را بر لطیفۂ مخصوصہ خود منعکس انگارد، سمجھا ہے: "انا عند ظن عبدی بی" ماحول مخصوص انجام دو ما ذٰلک علی اللہ بعزیز!"

مشربِ محمدی تمام مراتب کا جامع ہے، اس میں سالک متخلق باخلاقِ الٰہی ہو جاتا ہے، اس ولایت کو ولایتِ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، اور سالک کو محمدی المشرب کہتے ہیں۔

فائدہ... اس کے بعد مرشد سالک کو مراقبۂ معیت تلقین فرماتے ہیں۔

نیت مراقبۂ معیت:

"مضمون آیت کریمہ "وھو معکم اینما کنتم" را ملحوظ داشتہ از لطیفۂ قلب راہ کہ فیض می آید از ذاتے کہ با من است و با ہر ذرہ از ذرات کائنات بہمان شان کہ مراد و مقصود حق تعالیٰ است، فیض را بردہ ولایت صغریٰ است کہ ولایت اولیائے مقام ظل و اسماء و صفات مقدسہ است مورد لطیفۂ قلب من۔"

چونکہ یہ نص قرآنی "وھو معکم این ما کنتم" (الحدید ۴) حق کی معیت پر دال ہے، اس کی مثال روح ہے کہ جو ہمارے جسم میں قائم ہے اور ساتھ ہے، مگر ظاہری آنکھ اس کے دیکھنے سے قاصر ہے، جب روح نظر نہیں آتی تو معیتِ حق جل شانہ کا، جو کہ بے چون و بے چگون ہے، کیونکر ادراک ہو سکتا ہے؟ پس اس یقین پر کہ اللہ تعالیٰ ذات ممکنات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ ہے، ہر شے کی جہت موجود ہے اور اپنے تئیں اس تصور کو دائم کرے تا کہ توجہ و حضور سالک اس میں گم ہو جائے۔

فائدہ:... قطب کے دائرۂ ولایت صغریٰ پر پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ مافوق سے جدا شدہ توجہ شش جہت کا احاطہ کرے گی، اور وہ بلا کیف معیت کو اپنا اور تمام جہان کا احاطہ کرنے والا پائے گا، اس وقت بعض حضرات کو اسرارِ توحید وجودی ظاہر ہوتے ہیں۔

توحید وجودی اس کو کہتے ہیں کہ تمام ممکنات کے وجود کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کی لہریں اور موجیں سمجھے اور ممکنات کا علیحدہ کوئی وجود نہ دیکھے، کما قیل:

ہم ہیں دریا سے، یہ دریا ہم سے
یہ سخن وہ جانے جو ہے آشنا
زساز و مطرب پُر سوز ایں رسید بگوش
کہ چوب و تار صدا آ تن تن ہمہ اوست

ترجمہ:... "پُرسوز مطرب کے ساز سے یہ بات کان میں پڑی کہ چوب اور تار صدا تمام اس کی صدا ریاں ہیں۔"

توحید وجودی کی تشریح:

اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ حضرت شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے اسماء وصفات حق تعالیٰ کی عین ذات ہیں، نیز یہ کہ یہ ایک دوسرے کے بھی عین ہیں، مثلاً: علم وقدرت جس طرح حق تعالیٰ کی ذات کے عین ہیں، اسی طرح ایک دوسرے کے بھی عین ہیں، اس مقام میں تعدد وتکثر کا کوئی نام ونشان نہیں، نہ ہی کسی قسم کا تمایز وتباین ہے، حاصل کلام یہ ہوا کہ ان اسماء وصفات اور شیون واعتبارات نے علم الٰہی کی نسبت سے علم اجمالی اور تفصیلی کے طور پر تمایز وتباین پیدا کیا ہے، اگر تمیز اجمالی ہے، اس کو تعین اول کہتے ہیں، اگر تمیز تفصیلی ہے تو اس کو

تعین ثانی کہتے ہیں۔ تعین اول کو وحدت اور حقیقت محمدی کہتے ہیں، اور تعین ثانی کو واحدیت کہتے ہیں، اور اس کو تمام ممکنات کے حقائق سمجھتے ہیں اور ان حقائق ممکنات کو اعیان ثابتہ جانتے ہیں، یہ دونوں تعین، وحدت و واحدیت مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان اعیان نے وجود خارجی کی بو نہیں پائی اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں، یہ کثرت جو دکھائی دیتی ہے، ان اعیان ثابتہ کا عکس ہے جو ظاہر وجود کے آئینے میں منعکس ہوا، جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں، اور اس انعکاس نے وجود تخیلی پیدا کیا ہے۔ جس طرح کہ آئینے میں کسی شخص کی صورت منعکس ہو کر آئینے میں وجود تخیلی پیدا کر لے، تو اس عکس کا وجود سوائے خیال کے کچھ نہیں ہوتا اور نہ ہی آئینے میں کسی شے نے حلول کیا ہے، اور نہ ہی اس آئینے پر کوئی چیز منقش ہوتی ہے، اگر کچھ منقش ہے تو وہ تخیل میں ہے، جو صرف آئینے میں وہمی طور پر ظاہر ہے، یہ تخیل اور توہم چونکہ صنعت خداوندی ہے، اس لئے اتنا استحکام و ثبات رکھتا ہے کہ وہم و تخیل کے اٹھنے سے اٹھ نہیں سکتا، اور ثواب و عذاب ابدی اس پر مرتب ہے، چونکہ حق تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء و صفات جو عین ذات ہیں ان کے نزدیک خارج کا علم ثابت نہیں ہو، اور انہوں نے صورت علمیہ کو اس صورت کا عین سمجھا ہے، نہ کہ اس کی شبیہ و مثال۔ اور ایسے ہی اعیان کو (یعنی وجود) ثابتہ کی صورت منعکسہ جو ظاہر وجود کے آئینے میں نمودار ہوتی ہے۔ ان اعیان ثابتہ کا عین تصور کیا ہے، نہ کہ اس کی شبیہ و مانند، اس لئے اتحاد کا حکم کیا ہے، اور ہمہ وست فرمایا ہے۔ پس حضرت شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب کے سب عالم سے مراد یہ اسماء و صفات ہیں جنہوں نے خانۂ علم میں تمیز پیدا کر کے ظاہر وجود کے آئینے میں نمود و نمائش حاصل کی ہے، اور اسماء و صفات عین ذات ہیں، پس خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں۔ فافہم! جب یہ فرق تمام و کمال منقح ہے اور

اپنے آپ کو تمام میں اور تمام کو اپنے میں مشاہدہ کرتا ہے اور عالم کو اپنے جمال کا آئینہ دیکھے گا:

چوں بنگرم در آئینہ عکس جمال خویش

گردد ہمہ جہاں بحقیقت مصورم!

خورشید آسماں ظہورم عجب مدار

ذرات جہاں اگرچہ گشت مظہرم

ترجمہ... "جب دیکھتا ہوں میں آئینہ عکس میں اپنا جمال، تو درحقیقت تمام جہان میرا مصور ہو جاتا ہے، میرے آسمانِ ظہور کے سورج، تعجب مت کر، ذرات جہاں اگرچہ ہو گئے میرے مظہر۔"

اس ولایت صغریٰ میں جو کہ تو حید وجودی کا دائرہ امکان ہے کمازح، اور ذوق وشوق وغیرہ بھی ظاہر ہوتے ہیں، تو اسی میں حضور، جمیعت، واردات کشف کونی، کشف ارواح و عالم مثال اور سیر عالم ملک وملکوت وغیرہ ظاہر ہوتے ہیں، اس کو سیر آفاقی کہتے ہیں، جس کی وجہ تسمیہ و تعریف گزر چکی ہے۔ اسی ولایت صغریٰ میں تجلیات افعالیہ و ظلال اسماء وصفات کی سیر حاصل ہوتی ہیں۔

فائدہ... جب سالک کمالات اپنے وجود میں دیکھتا ہے، تو اس کو بھی سیر انفسی کہتے ہیں اور اسی معنی میں کہا گیا ہے:

ہم چوں نابینا مبر ہر سوے دست

با تو زیر گلیم است ہر چہ ہست

ترجمہ... "مثل نابینا کے ہر طرف ہاتھ مت مار، تیرے پاس کمبل کے نیچے ہے جو کچھ بھی ہے۔"

فائدہ... جس کو سیر انفسی نصیب ہوا اس واسطہ سیر کے ضمن میں سیر آفاقی بھی حاصل ہو جاتی ہے، سیر انفسی میں اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہوتا ہے، اور اس کو تجلیہ کہتے ہیں، اسی طرح سیر آفاقی میں اخلاق رذیلہ رفع ہوتے ہیں اور اس کو تخلیہ کہتے ہیں۔

مراقبات ولایت کبریٰ:

وآں مشتمل است بر سہ دائرہ و یک قوس (اور وہ تین دائروں اور ایک قوس پر مشتمل ہے)۔

فائدہ... ہر شخص پر جناب الٰہی تعالیٰ سے تواتر اور تسلسل سے تازہ فیوضات وارد ہوتے رہتے ہیں، ان نعمتوں کے انواع کی حد و احاطہ بشری سے خارج ہے، وہ فیوض اور نعمتیں بواسطہ صفات و ظلال مخلوق پر وارد ہوتی ہیں، اگر خالق و مخلوق کے درمیان یہ واسطے نہ ہوتے تو یہاں تو معدوم محض تھا، حق اور وجود سے خالی ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ "غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ" ہے، ان واسطوں کو جو کہ سایہ و پرتو کی مانند ہیں حق تعالیٰ کے ظلال کہا کرتے ہیں، یہ ظلال شخص اور صفات حق کے درمیان کچھ برزخ ہیں، ہر ظل دوسرے ظل مافوق کا پرتو ہے، تا کہ وہ صفات تک پہنچتے ہیں، سالک پہلے اپنے ظل مافوق سے ترقی کرکے اس سے اوپر والے ظل پر پہنچتا ہے، اسی طرح تمام ظلال کو طے کرکے اپنے مبدأ تعین صفت تک پہنچتا ہے، پھر کسی کو ایک صفت سے فیض پہنچتا ہے، کسی کو دو صفات سے، اور کسی کو چند صفات سے اور کسی کامل اکمل کو بواسطہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات سے۔

(مذاق مکتوب حضرت محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۲۱)

اپنے مبدأ تعین صفت تک پہنچنے کو شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ

نے نقل کیا ہے کہ: "تا بہ بادہ ہر خود جنقت نہ شوی مسلمان نشوی، یعنی تا باقی کہ مبدأ تعین سالک است بحصول نشود یعنی تیغ اسلام و انقیاد میسر نشود۔" سالک اکمل کو تمام صفات میں بواسطہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیر حاصل ہو جاتی ہے، مگر تبع سنت اس عالی شخص کو سیر نظری ہوتی ہے، اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے مراتب طے کرنے میں سیر قدمی کی ہے۔ پس یہ سالک حضرت روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی نہیں ہو سکتے۔ فافہم!

حاصل یہ ہے کہ ولایت صغریٰ میں ظلال اسماء وصفات کا دائرہ طے ہوتا ہے اور ولایت کبریٰ میں ظلال سے بڑھ کر دائرۂ اسماء، صفات اور شیونات حق تعالیٰ میں سیر ہوتی ہے، اس میں تین دائرے اور ایک قوس ہوتا ہے۔ ولایت کبریٰ میں دائرۂ اولیٰ کو اقربیت، توحید شہودی کہتے ہیں، اس میں اشیاء کے وجود کو وجود الٰہی تعالیٰ کا پرتو اور صفات اشیاء کو صفات حق سبحانہ کا پرتو دیکھنا، اس کا عین جس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ و رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واجب الوجود جل شانہ کی صفات ثمانیہ جو اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے نزدیک خارج میں موجود ہیں، حق تعالیٰ کی ذات سے خارج میں متمیز ہیں، اور وہ تمیز بھی ذات وصفات کی طرح بے چون و بے چگون ہے، اسی طرح صفات بھی بلا کیف ایک دوسرے سے متمیز ہیں، جس کی کیفیت ذات کی طرح ہمارے احاطہ ادراک سے بالاتر ہے: "لیس کمثلہ شیٔ فی الذات ولا فی الصفات ولا فی الافعال"۔ باوجود بلا کیف تمیز کے اسماء وصفات نے خانۂ علم میں بھی تفصیل وتمیز پیدا کی ہے، اور منعکس ہوئے ہیں، اور ہر صفت واسم متمیزہ کے لئے مرتبہ علم میں ایک مقابل ونقیض ہے، مثلاً مرتبہ علم میں صفت علم کا مقابل ونقیض عدم علم ہے جس کو جہل سے تعبیر کرتے ہیں، اور صفت قدرت کے مقابل عجز ہے، جس کو عدم قدرت کہتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس ان عدمات

مقابلہ نے بھی حق تعالیٰ کے علم میں تفصیل و تمیز پیدا کی ہے اور اپنے مقابلہ اسماء و
صفات کے آئینے اور ان کے عکس کے مظاہر بنے، پس وہ عدمات مع اسماء و صفات کے
عکسوں کے حقائق ممکنات ہیں۔

خلاصہ یہ کہ وہ عدمات ان ماہیات کے اصول و مواد کی طرح ہیں اور وہ
عکوس ان مواد میں حلول کی ہوئی صورتوں کی طرح۔ پس شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ
کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ اسماء و صفات ہیں جو مرتبہ علم میں ایک دوسرے سے
متمیز ہیں اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدمات ہیں
جو اسماء و صفات کی نقیضیں ہیں بمع اسماء و صفات کے عکسوں کے جو خانۂ علم میں ان
عدمات کے آئینوں میں ظاہر ہوئی اور ایک دوسرے سے باہم مل گئی ہے، مثلاً: ممکن کا
علم واجب الوجود کے علم کا پرتو اور ظل ہے، جو اپنے مقابل یعنی جہل میں منعکس ہوا
ہے، اور ممکن کی قدرت بھی ایک ظل ہے، جو اس عجز میں جو کہ اس کے مقابل ہے
منعکس ہوئی ہے۔ اسی طرح ممکن کا وجود حضرت وجود کا ظل ہے جو اس عدم کے آئینے
میں جو کہ اس کے مقابل ہے منعکس ہوا ہے:

نیاوردم از خانہ چیزے نخست
تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

ترجمہ: ”میں گھر سے کوئی چیز پہلے نہیں لایا، تو تمام
چیزیں رکھتا ہے، اور میں بھی تیری چیز ہوں۔“

اور مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شے کا ظل شے کا عین نہیں، بلکہ اس کا
شبہ و مثال ہے، اور ان دونوں کا ایک دوسرے پر حمل کرنا محال ہے، پس ممکن عین
واجب نہ ہوگا، نہ واجب پر محمول ہو سکے گا، کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور وہ عدم
ان اسماء و صفات کا نقیض ہے جو اس عدم میں منعکس ہوا ہے اور وہ خود ان اسماء و صفات

کی شبیہ و مثال ہے، ذات کا عین، پس ہمہ اوست کہنا جائز نہیں، بلکہ ہمہ از وست کہنا درست ہوگا۔

ممکن باعتبار ذات کے عدم ہی ہے جو شرارت، خبث اور نقص کا مبدأ ہے، اور جو کمالات از قسم وجود یا اس کے توابع میں سے ہیں، مثلاً: قدرت وغیرہ جو ممکن میں پائی جاتی ہیں، سب اس کو بارگاہ جل شانہ سے حاصل ہیں، اور حق تعالیٰ کے کمالات ذاتیہ کا پرتو ہیں، پس حق تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا نور ہے، اور اس کے ماسوا ظلمت ہی ظلمت ہے۔ پس حضرت شیخ محی الدین قدس سرہٗ اور مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ہر دو عالم کو حق تعالیٰ کا ظل جانتے ہیں، اور ظل سے وجود اصلی کی نفی کرنے میں بھی ہر دو شریک ہیں، لیکن شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ وجود ظلی کو وہم و تخیل ہی سمجھتے ہیں، اور خارج میں احدیتِ مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں جانتے، اور صفاتِ ثمانیہ جن کا وجود اہل سنت و جماعت کی آراء کے موافق خارج میں ثابت ہوا ہے، ان کو بھی علم کے سوا ثابت نہیں کرتے، اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وجود ظلی خارج میں ثابت ہے، اگر وحدت وجودی والے اس خارج کو اس خارج کا ظل سمجھتے تو عالم کے وجودِ خارجی کا انکار نہ کرتے، اور وہم و تخیل پر کفایت نہ فرماتے، اور واجب الوجود کی صفات کے وجودِ خارجی کا انکار نہ کرتے۔ اور اگر علمائے ظاہر بھی اس سر سے واقف ہوتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجود اصلی ثابت نہ کرتے بلکہ وجود ظلی پر کفایت کرتے۔

حاصل یہ کہ عالم وجود ظلی کے ساتھ خارج میں موجود ہے، جس طرح کہ حق تعالیٰ وجود اصلی کے ساتھ بذات خود خارج میں موجود ہے، اور عالم کی صفات بھی حق تعالیٰ کی صفات کے پرتو ہیں، پس ایک دوسرے پر حمل نہیں کر سکتے، نہ ہی ایک دوسرے کے عین ہیں، اگر کوئی آدمی، کسی شخص کے ظل کو اس شخص کا عین کہے تو یہ اس کا تسامح ہے، جو اس بحث سے خارج ہے، واللہ اعلم!

کی صحبت بعینہٖ صحبتِ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی سی ہوگی، کبھی آپ نے سنا کہ ان بزرگواروں کی صحبت میں کسی کو وجد ہوا؟ یا کسی نے نعرۂ شوق بلند کیا ہو؟ یا کبھی تجلی و شہود میں فنا کیا؟ ایسے کمال والوں کا آرام طاعت ذوالانعام جلّ علاہ میں ہے، اور ان کی فرحت بندگی میں، ان کا دوام نیاز اور راحت ان کی قدر نگہ میں ہے۔ "اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ" کی حدیث ان کے معاملے کی شاہد ہے اور دریافت نسبت کے باوجود حیرت و نادانستگی میں ہیں۔

فائدہ... ہر چند کہ عارف کا معاملہ دراصل اصل الاصل میں بڑھے گا اور اپنے مربی کے اسم کے انداز سے ہوگا، یعنی تمام اسماء و صفات کے اعتبار سے تفصیلاً حصہ وارث ہوگا الا ان یشاء اللہ تعالیٰ! کہ کسی کو اللہ تعالیٰ، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے سب سے ہی فیض یاب فرمائے، وذلک قلیل!

فائدہ... اس ولایت کبریٰ میں شرحِ صدر ہوتا ہے، وہ نفسِ مطمئنہ اور مقامِ رضا پر ارتقا ہوتا ہے، "اللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِكَ" یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین بڑھتا ہے، جملہ تکلیفاتِ شرعیہ میں نظر بدیہی بن جاتی ہے، سالک کی ہستی کا نام و نشان نہیں رہتا، لفظ "انا" کا اطلاق اپنے اوپر متعذر سمجھتا ہے، اس مقام پر تہلیلِ لسانی یعنی "لا الٰہ الا اللہ" بایں معنی ہوتا ہے کہ تیری ذات کے سوا میرا کوئی محبوب اور محب نہیں۔

فائدہ... ولایت صغریٰ کے تمام ہونے کی علامت یہ ہے کہ فیضِ باطنی کا جو معاملہ اصل سے متعلق تھا وہ سینے سے متعلق ہو جائے، اس وقت شرحِ صدر ہوتا ہے۔

فائدہ... دائروں کے مراقبات اس طرح کرے کہ اپنے آپ کو دائرہ میں داخل خیال کر کے یہ تصور کرے کہ فیضِ محبت دائرۂ اصلِ اسماء و صفات سے میرے لطیفۂ انا یعنی نفس پر وارد ہو رہا ہے، اسی طرح دائرۂ اصل، اصل جو دائرۂ ثالثہ ہے،

کے بارے میں خیال کرے کہ فیض محبت میرے لطیفۂ نفس پر وارد ہو رہا ہے، اسی طرح قوس سے متعلق کہ اصل ذات ہے، یہی خیال کرے، واللہ اعلم وعلمہ اتم!

فائدہ:۔۔۔معلوم ہونا چاہئے کہ اسماء وصفات کے ظلال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کے سوا تمام مخلوق کی تعینات کے مبادی ہیں۔ اور اسماء وصفات کے ظلال کی سیر کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور مبادی تعینات انبیاء علیہم السلام اسماء وصفات وشیونات اللہ تعالیٰ ہیں، اس مرتبہ کی سیر کا نام ولایت کبریٰ ہے، ان ہر دو ولایت میں سیر اسم اَلظَّاھِرُ میں تھی، ان میں تجلیات صفاتی بلا مشاہدہ ذات وارد ہوتے ہیں، اور سیر اسم اَلْبَاطِنُ میں اگرچہ تجلیات اسماء وصفات وارد ہوتے ہیں، مگر ذات بھی مشہود سالک ہو جاتی ہے، فافہم یا فہیم!

نیتِ دائرۂ اُولیٰ:

''مضمون آیت کریمہ: ''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ'' (ق:۱۶) را ملحوظ داشتہ از روئے باطن واند کہ فیض کی آید از ذاتیکہ نزدیک تر است بمن از رگ جان من بہمان شان کہ مراد حق است سبحانہ، مورد فیض لطیفۂ نفس ولطائف خمسہ عالم امر من است منشاء فیض دائرہ اُولیٰ ولایت کبریٰ است کہ ولایت انبیاء علیہم السلام واصل دائرۂ ولایت صغریٰ است۔''

ترجمہ:۔۔۔''سالک اس مراقبہ میں آیت: ''اور ہم بندہ کی رگ جان (شہ رگ) سے بھی زیادہ قریب ہیں'' کے مضمون کو دل میں ملحوظ رکھ کر خیال کرے کہ اس ذات سے جو میری رگ جان سے بھی زیادہ میرے قریب ہے، اور اس قرب کی حقیقت

حق تعالیٰ ہی جانتا ہے، میرے لطیفہ نفس اور عالم امر کے پانچوں لطائف پر فیض آ رہا ہے، فیض کا منشا و مبدا ولایت کبریٰ کا دائرہ ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت اور ولایت صغریٰ کے دائرہ کی اصل ہے۔"

دائرۂ ثانیہ:

"مضمون آیت: "یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ" (المائدہ:۵۴) را ملحوظ داشتہ در خاطر بگذارند کہ فیض می آید از ذاتیکہ مرا دوست می دارد ومن اورا دوست می دارم، منشاء فیض دائرۂ ثانیہ ولایت کبریٰ است کہ ولایت انبیاء علیہم السلام واصل دائرۂ اولیٰ است مورد فیض لطیفہ نفس است۔"

ترجمہ... "سالک اس مراقبہ میں آیت کریمہ: "اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں" کے مضمون کو دل میں ملحوظ رکھ کر خیال کرے کہ اس ذات سے جو مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں، میرے لطیفہ نفس پر فیض آ رہا ہے، فیض کا منشا و مبدا ولایت کبریٰ کا دائرہ ثانیہ ہے جو انبیاء کے مقام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دائرۂ اولیٰ کی اصل ہے۔"

دائرۂ ثالثہ:

"مضمون آیت کریمہ: "يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ" (المائدہ:۵۴) را ملحوظ داشتہ در دل گزارد کہ فیض می آید از ذاتیکہ

کی ولایت ہے، (یہ نیت کرکے عناصرِ ثلاثہ پر فیض حاصل کرنے
کا خیال کرے)۔"

اسمِ باطن میں سوائے عنصرِ خاک کے عناصرِ ثلاثہ پر فیض وارد ہوتا ہے، اس میں فیض بے کیف وارد ہوتا ہے، کمال سب بے رنگی میں ہوتے ہیں، لیکن گاہے کسی پر اس دائرہ کے خطوط ظاہر ہوکر پھر روپوش ہوجاتے ہیں۔ یہ ولایتِ علیا مانند مغز اور کبریٰ مانند پوست کے معلوم ہوتی ہے، اس میں اضمحلال و فنا میں کمال ترقی ہوتی ہے، اس ولایت کے اسرار قابلِ اظہار نہیں ہوتے:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفلِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

اس لئے کہ الفاظ ان اسرار کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ اس ولایت میں تمام بدن میں وسعت پیدا ہوتی ہے، احوالِ لطیف تمام قالب پر وارد ہوتے ہیں، اس جگہ تکرارِ کلمہ طیبہ، کثرتِ درود شریف اور نمازِ نفل بطولِ قرات فائدہ بخش ہے۔

وجہ تسمیہ: اس ولایت کو ولایتِ علیا اس لئے کہا جاتا ہے کہ مبادی تعینات ملائکہ عظام، اسم "الباطن" ہے، اور ملائکہ بھی باطن و مستتر ہیں۔ اور چونکہ اس ولایت کے اسرار بھی لائقِ استتار اور عالی ہیں، اسی لئے اس اسم کو علیا اور ولایتِ ملائکہ کہتے ہیں، اس جگہ تک ہر سہ ولایتِ صغریٰ و کبریٰ ختم ہوگئیں۔

مراقبہ کمالاتِ نبوت:

"فیض می آید از ذاتِ بحت کہ منشاء کمالاتِ نبوت
است مورد فیض لطیفۂ عنصرِ خاک من است۔"

ترجمہ... "اس ذاتِ بحت سے جو منشاء کمالاتِ نبوت

ہے، میرے لطیفہ عنصر خاک پر فیض آ رہا ہے۔ (یہ نیت کر کے تجلی ذاتی دائمی کا فیض بے پردہ اسماء و صفات حاصل کرے)۔"

مراقبہ کمالاتِ نبوت: کمالاتِ نبوت میں تجلی ذاتی دائمی ہوتی ہے۔ اس تجلی کا معاملہ بیان سے باہر ہے، کیونکہ یہ ذوقی و وجدانی ہے، نہ کہ بیانی، بس اس قدر ہے کہ جب فضل سے تجلی ذاتی ہوئی، اس کو استتار (پوشیدگی) نہیں ہوتا، اور اس کو تجلی برقی کہتے ہیں، نہ کہ تجلی ذاتی، بلکہ تجلی شانی، اس لئے کہ شیونات الہیہ سے ہے۔ اس مقام کے معارف تمام عرفان سے جدا ہیں۔ اس میں بے رنگی و بے کیفی نقد وقت ہوتی ہے، ایمانیات و اعتقادیات میں قوت ہو جاتی ہے، استدلالات بدیہی ہو جاتے ہیں، تمام ولایات: صغریٰ، کبریٰ اور علیا اس کی نسبت لاشئے محض ہوتے ہیں، لطائف امر، لطائف عالم خلق، نفس اور عناصر ثلاثہ یعنی آتش، باد اور آب کو اس جگہ دخل نہیں، اس میں معاملہ عنصر خاک سے متعلق ہوتا ہے، دیگر عناصر عنصر خاک کے تابع ہو کر فیض یاب ہوتے ہیں، اس میں احکامِ شرعیہ اور معاملاتِ قبر و حشر وغیرہ، جن کی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے گئے ہیں، بدیہی و عین الیقین ہو جاتے ہیں، اس میں تلاوتِ قرآن مجید، ادائے صلوٰۃ بآداب اور وہ اذکار جو احادیث میں ہیں، ترقی بخش ہو جاتے ہیں۔

مراقبہ کمالاتِ رسالت:

"فیض می آید از ذات بحت کہ منشاءِ کمالاتِ رسالت است بورودِ فیض ہیئت وحدانی من است۔"

ترجمہ:... "اس ذاتِ بحت سے جو کمالاتِ خاص رسالت کا منشا ہے، میری ہیئت وحدانی (مجموعہ لطائف عالم امر و خلق) پر فیض آ رہا ہے، (یہ نیت کر کے تجلی ذاتی دائمی کا فیض

حاصل کرتے ہیں۔"

مراقبات کمالات رسالت اولو العزم: جاننا چاہیے کہ تجلی ذاتی دائمی کے تین مرتبے ہیں: مرتبہ اولیٰ کمالات نبوت کو، مرتبہ ثانیہ کمالات رسالت کو اور مرتبہ ثالثہ کمالات اولو العزم کو قرار دیتے ہیں۔ اس مقام میں فیض ہیئت وحدانی پر آتا ہے، ہیئت وحدانی عالم خلق و عالم امر کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں، جو تصفیہ و تزکیہ کے بعد اس میں پیدا ہوگئی ہے۔ مثلاً: ہر دوائی کی شکل و حالت علیحدہ ہوگئی ہے، اسی طرح لطائف عشرہ میں مقامات سابقہ کے طے کرنے سے ایک ہیئت پیدا ہوگئی ہے، وہی مورد فیض ہے۔ اس مقام میں اور فوقانی مقامات میں اس کو عروجات کثیرہ ہوں گے، اس مقام کو سابقہ مقامات سے وہی نسبت حاصل ہے جو مغز کو پوست سے ہے۔

اسی طرح ہر فوقانی مقام کو تحتانی مقام سے نسبت ہوتی جاتی ہے۔ اس مقام میں بعض کو کشف اسرار مقطعات قرآنی اور متشابہات قرآنی حسب استعداد منکشف ہوں گے مگر وہ بیان تحریر و تقریر سے باہر ہوتے ہیں، اس میں تہلیل لسانی مع لفظ "محمد رسول اللہ" کے ساتھ اور اس کے بعد درود شریف کا پڑھنا ترقی بخش ہے۔

فائدہ... کمالات اولوالعزم کے بعد مرشدین سلوک دو طرف سیر کراتے ہیں، یا تو حقائق الٰہیہ کی طرف جو کہ حقیقت قرآن، کعبہ اور صلوٰۃ ہیں، یا حقائق انبیاء علیہم السلام کی طرف یعنی حقیقت ابراہیمی، موسوی، محمدی اور حقیقت احمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام ابتداءً ان کی طرف توجہ کرتے ہیں، اس جگہ حقائق الٰہیہ کا بیان اولاً معروض خدمت ہوتا ہے۔

مراقبہ کمالات اولوالعزم:

"فیض می آید از ذات بیچون کہ منشاء کمالات اولوالعزم

است مورد فیض ہیئت وحدانی من است۔"

ترجمہ... "اس ذات بحت سے جو کمالات اولوالعزم کا منشا ہے، میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔ (اس نیت سے بطریق مذکور تجلی ذاتی دائمی کا فیض اخذ کرے)۔"

مراقبہ حقیقت کعبہ ربانی:

"فیض می آید از ذات بحت کہ مسجود الیہ جمیع ممکنات است و منشا فیض حقیقت کعبہ ربانی است مورد فیض ہیئت وحدانی من است۔"

ترجمہ... "اس ذات واجب الوجود سے جس کو تمام ممکنات سجدہ کرتی ہیں، اور حقیقت کعبہ ربانی کا منشا ہے، میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔ (یہ نیت کرے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور تمام ممکنات کا مسجود ہونے کا مراقبہ کرے)۔"

حقیقت کعبہ میں حق تعالیٰ سبحانہ کی عظمت و کبریائی کے ظہور کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور سالک کی ہستی اور اس کی وسعت باطن بیش از بیش ہو جاتی ہے۔ اس مقام میں عظمت و کبریائی اس حد سے ظاہر ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو اور جمیع کائنات کو اس کے مقابلے میں گم پاتا ہے، اور اس مرتبے میں بے رنگی کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔

مراقبہ حقیقت قرآن مجید:

"فیض می آید از مبدأ وسعت بیچون حضرت ذات است کہ منشا فیض حقیقت قرآن مجید است مورد فیض ہیئت

وحدانی من است۔"

ترجمہ: "اس قدر وسعت والی بے مثل و بے چوں
ذات سے جو منشا حقیقت قرآن مجید ہے میری ہیئت وحدانی پر
فیض آ رہا ہے۔"

مراقبہ حقیقت قرآن مجید: میں حقیقت کعبہ سے وسعت زائد ہو جاتی ہے۔ اس میں حضرت ذات کی وسعت شروع ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ احوال شروع ہو جاتے ہیں جو وسعت کے مشابہ ہیں، ورنہ اس پر لفظ وسعت کا اطلاق بھی میدان عبارت کی تنگی سے ہے۔ یعنی اس مفہوم کی ادائیگی سے قاصر ہے۔ اس میں حسب استعداد سالک کلام اللہ کے باطن کا انکشاف اور ظہور ہوتا ہے۔ اور حروف الٰہی میں سے ہر حرف کو دریا کی مانند پاتا ہے۔ اور ہر حرف میں وہ شان پاتا ہے جو ولہانہ عشاق کو شکار کرتا ہے۔ اور بے انتہا اسرار آیات ظاہر ہوتے ہیں۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

ترجمہ: "نہ اس کا حسن انتہا رکھتا ہے اور نہ سعدی کی
بات کو انتہا۔ مرض جلندر والا پیاسا رہتا ہے۔ اور دریا اسی طرح
باقی ہے۔"

اس حقیقت میں حقیقت کعبہ نظر آتی ہے۔

مراقبہ حقیقت صلوٰۃ:

"فیض می آید از کمال وسعت بے پایاں چوں حضرت
ذات کہ منشاء فیض حقیقت قرآن مجید است مورد فیض ہیئت

مراقبہ معبودیت صرفہ میں نہایت الٰہی تعالیٰ سے سیر نظری سے مرتبت ہوتی ہے۔

"بلا ہووے اگر ایں ہم ہووے"

اس مقام میں نظری سیر ترقی بخش ہوتی ہے۔

تماشہ کناں کوتہ دست

تو درخت بلند و بالائی

ترجمہ... "پست ہاتھ والے تماشا کرنے والے ہیں، تو بلند و بالا درخت ہے۔"

اس مراقبہ میں کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ" میں "لا معبود الا اللہ" جلوہ گر ہوتا ہے، اس میں سالک ثمرات تعین حقیقت سے بالکل ہٹ جاتا ہے، اور "الا الله الذین لا تخاطن" جلوہ گر ہوتا ہے۔

مراقبہ حقیقت ابراہیمی:

"فیض می آید از ذات پاک کہ منشاء حقیقت ابراہیمی است مورد فیض ہیئت وحدانی من۔"

ترجمہ... "اس ذات سے جو حقیقت ابراہیمی کا منشا ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔"

اب حقائق انبیاء علیہم السلام سے متعلق عرض خدمت ہے، جاننا چاہیے کہ جیسے حقائق الٰہیہ میں ترقی نفس اسی پر موقوف ہے، اسی طرح حقائق انبیاء علیہم السلام میں ترقی محبت پر موقوف ہے۔ اس مقام یعنی حقیقت ابراہیمی میں انس خاص و خلت خاص حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے ظاہر ہوتی ہے، اس مقام عالی میں وہ عظمت و

اس میں بہ نسبت حقیقتِ موسوی کے تنزیہ کا پرتو زیادہ پڑتا ہے۔

مراقبہ حقیقتِ محمدیؐ:

"فیض می آید از ذاتیکہ منشاءِ حقیقتِ محمدی است بمورد
فیض ہیئت وحدانی من۔"

ترجمہ:..."اس ذات سے جو خود اپنا ہی محب اور اپنا ہی
محبوب ہے، اور حقیقتِ محمدی کا منشاء ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر
فیض آرہا ہے۔"

حقیقتِ محمدیؐ میں "مراقبہ ذاتیکہ محب خود محبوب خود است" کیا جاتا ہے۔ اس جگہ محبت صرف یا محبوبیت ظاہر ہو جاتی ہے، اور سرورِ دین صلی اللہ علیہ وسلم سے اتحادِ خاص ظاہر ہوتا ہے، اور تمام تجلی وجزئی امور میں حبیب خدا تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت و مناسبت اچھی اور محبوب لگتی ہے۔ اس مقام میں درود شریف "اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوٰتِکَ عَدَدَ مَعْلُوْمَاتِکَ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ" ترقی بخش ہوتا ہے۔

مراقبہ حقیقتِ احمدیؐ:

"فیض می آید از ذاتیکہ منشاءِ حقیقتِ احمدی است بمورد
فیض ہیئت وحدانی من۔"

ترجمہ:..."اس ذات سے جو اپنا ہی محبوب ہے اور
حقیقتِ احمدی کا منشاء ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا
ہے۔"

حقیقتِ احمدی منشاءِ محبوبیتِ ذاتی بکمال ہوتی ہے کہ محبوب کی صفاتِ جمیلہ سے قطعِ نظر کرتے ہوئے محض اس کی ذات کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں محض تعشق (عشقِ) ذات ہوتا ہے۔

شاہد آں نیست کہ موئی و میانے دارد

بندۂ طلعتِ آں باش کہ آنے دارد

اس مقام میں ورودِ شریف سابق ترقی بخش ہوتا ہے۔

مراقبۂ حبِ صرف:

"فیض می آید از ذاتیکہ منشاءِ حبِ صرف است مورد

ہیئتِ وحدانی من۔"

ترجمہ... "اس ذات سے جو حبِ صرف کا منشاء ہے

میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے (اس جگہ حبِ صرفِ ذاتی

کے لحاظ سے مراقبہ کریں)۔"

مراقبۂ حبِ صرف میں کمالِ علو اور باطن میں بے رنگی نسبت ظاہر ہوتی ہے، یہ مرتبہ حضرت اطلاق لاتعین سے قریب تر ہے، یہ مقام مخصوص پیغمبر ما است صلی اللہ علیہ وسلم۔ تعینِ اول کہ حضرت لاتعین کو حاصل ہوتا ہے تعینِ حب ہے، اس تعینِ اول کو حقیقتِ محمدی قرار دیتے ہیں، اس کے بعد لاتعین و حضرت اطلاق ہے۔

مراقبۂ دائرۃ اللاتعین:

"فیض می آید از ذاتِ بحت کہ منشاءِ دائرہ لاتعین

است مورد فیض ہیئتِ احدانی من۔"

فصل:

توجہ معمولہ حضرات نقشبندیہ:

توجہ کے معنی اگرچہ کافی وسیع ہے مگر یہاں توجہ فرمانے کا واقع ہونا آج کل نادرات سے ہے۔

تعریف توجہ:

قلب کو کسی طرف اس حد تک متوجہ اور یکسو کرنا کہ دوسری چیز کا خطرہ بھی نہ آنے، اس کا نام ہمت ہے، اور اس ہمت سے بڑے بڑے کام ہوتے ہیں۔ آج کل اس کا نام توجہ ہے۔

طریق توجہ:

کمال رغبت، محبت، نیاز اور زاری سے اپنے نفس ناطقہ کو طالب کے نفس ناطقہ سے ملا کر جس حالت کا القا کرنا چاہتا ہے اس حالت میں یکسو ہو کر خیال جما کر کچھ دیر تک متوجہ رہے، امید ہے کہ وہ حالت بفضل اللہ تعالیٰ طالب کو اپنی استعداد پر نصیب ہو جائے گی۔

شرائط توجہ:

صاحب توجہ شیخ نے طریقت سے مجاز ہو، متقی ہو، صاحب حقیقت اور تقی قدرت پر قادر ہو۔ خصوصاً تعدی کی فائدہ پہنچانے کا قصد رکھتا ہو، سب طبع تجربہ جانے اور اگر اپنی مشہوری، طمع یا خدمت گزاری کے لئے توجہ کرے گا تو ہرگز فائدہ فریقین کو

پہنچے گا، اگر کچھ فائدہ ہو بھی جائے تو نتیجہ خراب ہوگا، ایسا شخص خائن اور خاسر طریقت کہلائے گا، اور بے اثر استدراج سمجھا جائے گا۔

اور صاحب توجہ شیخ فانی، کمزور اور بے طاقت نہ ہو، اور اپنی بیماری کا مریض نہ ہو جو اس کے ہر رگ و ریشہ میں اثر کرگئی ہو، کیونکہ بسااوقات طالب کو یہ بیماری چمٹ جاتی ہے۔ اسی طرح طالب بھی ایسا بیمار نہ ہو، شیخ طالب سے متنفر نہ ہو، بلکہ اس سے محبت رکھتا ہو، ایسے ہی حالت تشویش اور غصے میں بھی توجہ نہ فرمائے، اسی طرح سیر شکمی یا سخت بھوک کی حالت میں متوجہ نہ ہو، ورنہ فائدہ کم ہوگا، اور ایسے طالب کو بھی توجہ نہ فرمائے جو ایک دو نشست کے لئے حاضر ہوا ہے اور طریقہ عالیہ میں داخل نہیں، کیونکہ اگر فائدہ نہ ہوا تو اس سے وہ بے اعتقاد ہوگا اور طریقے کی بدنامی ہوگی، اور وہ اس سے بے خبر کہ یہ بھی اس کے مرشد ہوگئے، اور اگر فائدہ ہوگیا تو پہلے پیشوا سے بداعتقاد ہو جائے گا، اور سب باتوں سے سلوک میں اعتقاد راسخ رکن اعظم ہے۔

اور طالب کو چاہئے کہ ہمیشہ توجہ لینے کا قصد کرے، فائدہ فوری نظر آئے یا نہ آئے، کم از کم چند روز نشست بلا ناغہ کا قصد کرے۔ اور حلقے میں دوسرے کی طرف نہ دیکھے اور نظر فیض کا منتظر رہے، ذکر نہ کرے اور امتحان کے لئے نہ آئے، کیونکہ بے ادبی والے سے بعض اوقات ایمان رخصت ہوجاتا ہے۔

اور مشائخ اور خدام پر لازم ہے کہ توجہ کی ترکیب اور لوازمات خصوصاً غیر اہل اور صحبت نشینوں کے سامنے بھی بغیر خاص مصلحت کے بیان نہ فرمائیں۔ اس سے یا تو فائدہ میں کمی ہوتی ہے یا پھر نقصان ہوگا، اس راز کو پوشیدگی کی امانت تصور کریں۔

ضرور ہو گئے ہوں، ورنہ اب عمر بھر ان سے معاف نہ کرے گی۔"

لیکن اس کے باوجود بھی شیخ اول سے بد اعتقاد نہ ہو۔ مشکل ہے کہ وہ کامل مکمل ہو، اور اس کا وہی حصہ تھا، اسی طرح اگر حصول مقصود سے پہلے شیخ کا انتقال ہو جائے یا ملاقات کی امید نہ ہو، جب بھی دوسرا شیخ تلاش کرے، اور یہ خیال نہ کرے کہ قبر سے فیض لینا کافی ہے اور دوسرے شیخ کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ قبر سے فیض تعلیم نہیں ہو سکتا، ہاں! البتہ صاحب نسبت کو ان کے احوال میں ترقی ہوتی ہے، جبکہ یہ شخص تو ابھی محتاج تعلیم ہے، پھر اگر محتاج تعلیم کو قبر سے فیض تعلیم ہو سکتا تو کسی کو بھی بیعت کی ضرورت نہ ہوتی، کیونکہ کاملین بلکہ انبیاء علیہم السلام کی لاکھوں قبریں موجود ہیں۔ دوسرا اگر اس شیخ کی صحبت سے قلب میں کچھ تاثیر معلوم ہوتی ہو تو اس کی صحبت کو غنیمت سمجھے اور اس سے تعلق کو دل میں مستحکم و مضبوط کرے، اور اس کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے، اور پوری پوری اس کی اطاعت کرے، ایسی کوئی حرکت نہ کرے جو اس کے تکدر کا باعث ہو، اس لئے کہ اس سے فیض بند ہو جاتے ہیں، اور محض ہوس ناکی کی وجہ سے کئی کئی جگہ بیعت کرنا بہت برا ہے، اس سے بیعت کی برکت جاتی رہتی ہے، اور نسبت کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے، اور اگر کسی کا پیر و مرشد کسی وجہ سے ناراض ہو گیا ہے، مگر اس مرید کی حالت میں پھر بھی کوئی فرق نہیں آیا تو اس میں سخت ترین اندیشہ ہے، کیونکہ یہ استدراج ہے، اور آخر کار اس کا نتیجہ خراب نکلے گا۔

(تمام امور "تعلیم الدین" از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے ماخوذ ہیں)

فصل:

نقشبندیہ کے بعض اصطلاحی کلمات

یہ گیارہ کلمات ہیں:

۱..... ہوش در دم:

عبارت از آں است کہ ہمیشہ ہوشیار و آگاہ بر نفس خود باشد تا دم بغفلت نہ برآید۔ ایں شغل رفع تفرقہ تفرقہ است۔

یعنی دونوں سانسوں کی حفاظت کرے، نہ کوئی سانس غفلت سے اندر داخل ہو اور نہ غفلت سے نکلے۔

۲..... نظر بر قدم:

آں است کہ در آمد و رفت رہ نظر بر پشت پا دارد تا نظر پراگندہ نشود و جمعیت اقرب باشد چہ در ابتدا نقش تاثیر نظر است و پریشانی نظر در دل تاثیر می کند:

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام
دل ترا می طلبد دیدہ ترا مے جوید

ترجمہ: ”میں آنکھ اور دل کو کس چیز میں مشغول کروں، کہ ہمیشہ دل تجھ کو طلب کرتا ہے، آنکھ تجھے ڈھونڈتی ہے۔“

و اشارہ نظر بر قدم بسرعت سیر سالک بود در قطع مسافت ہستی یعنی نظر او بر جائے کہ نظر می شود فی الحال قدم بر آں نہد۔

یعنی چلتے پھرتے میں سالک کی نظر اپنے قدم پر رہے، تاکہ نامناسب پر نظر نہ پڑے، اور منتشر و مختلف خیال نہ آئیں۔ چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا کہ راہ سلوک کے مسافر کا ادب یہ ہے کہ اس کی ہمت کا قدم پیچھے نہ رہے۔

۳:... سفر در وطن:

آن است کہ در طبیعت بشری سفر کند یعنی از صفات ذمیمہ بصفات حمیدہ برآید این معنی "تخلقوا باخلاق اللہ" است۔

یعنی سالک کا سفر وطن میں رہے یعنی صفات ذمیمہ سے نکل کر صفات حمیدہ میں آئے، اور بعض نے فرمایا اپنے بشر میں عیب دیکھنا سفر در وطن ہے۔

۴:... خلوت در انجمن:

آنست کہ بظاہر با خلق و بباطن با حق بود

یعنی سالک کو چاہئے کہ بظاہر خلقت کے ساتھ ہو، مگر باطن میں خالق سے وابستہ ہو۔

از برون میان بازارم
از درون خلوتیست بایارم
از درون شو آشنا وز برون بیگانہ وش
این چنین زیبا روش کم می بود اندر جہان

۵:... یاد کرد:

عبارت از ذکر لسانی و قلبی است یعنی دور کردن غفلت بذکر حق تعالیٰ۔

یعنی ہمیشہ دل یا زبان سے ذکر کیا کرے، اس لئے کہ ذکر غفلت کے دور کرنے کا کام ہے، اور ذکر سے مقصود یہ ہے کہ محبت اور تعظیم کے ساتھ قلب حاضر مع الحق ہو۔

دارم ہمہ جا ہمہ حال در ہمہ کار

دار نہفتہ دل جانب یار

ترجمہ:... "ہمیشہ، ہر جگہ، ہر حال میں تمام کاموں میں

دل کو جانب یار پوشیدہ رکھو۔"

چوں حضور دوام پذیرد از تکلف یا ذکر یا از جذبہ و ملکہ گردد کہ یکی معنی گردد،

یادداشت بود:

دارم ہمہ جا ہمہ کس در ہمہ حال

در دل ز تو آرزو و در دیدہ خیال

ترجمہ:... "میں رکھتا ہوں ہر جگہ، ہر شخص کے ساتھ تمام

حال میں دل میں تجھ سے آرزو، اور آنکھ میں خیال۔"

۶:... بازگشت:

آن ست کہ ہر بارے کہ ذکر بزبان دل کلمہ طیبہ را گوید در عقب آں بدل مناجات کند کہ الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو۔

یعنی جب قلب ذاکر ہو جائے تو کلمہ طیبہ کا ذکر کرے، اور تھوڑی دیر کے بعد زبان سے کہے: الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو.... الخ، تاکہ ذکر خالص ہو جائے اور دل ماسوا اللہ سے فارغ ہو جائے۔

۷:... نگاہ داشت:

مراد ازاں مراقبۂ خاطر است از خطرۂ ماسوی اللہ، چنانچہ اگر در یک دم صد بار کلمہ طیبہ را گوید خاطر بغیر نہ رود۔

یعنی دل کو خطرات سے بچائے، یعنی جب دل میں کلمہ طیبہ کی تکرار کرے تو

اس کی رعایت کرے کہ دل میں کوئی خطرہ نہ آئے، اور کوشش کرے کہ گھڑی، دو گھڑی کوئی خطرہ نہ آئے۔

۸:... یادداشت:

عبارت از متوجہ بودن بحق تعالیٰ است بہردم دبہرحال بر سبیل ذوق۔
یعنی حق تعالیٰ کی دائمی حضوری بطور ذوق کے حاصل ہو جائے۔

۹:... وقوف زمانی:

آنست کہ بندہ بہرحال واقف احوال خود باشد، اگر بطاعت است شاکر است و اگر بمعصیت است عذر خواہد۔
یعنی اپنے اوقات کا حساب کرے، اگر اچھے کاموں میں وقت گزرے، تو شکر کرے، اگر برے کام میں گزرے، تو توبہ کرے۔

۱۰:... وقوف عددی:

آں است کہ رعایت عدد طاق در نفی و اثبات کند چناں کہ گزشت۔
ذکر قلبی میں عدد کی رعایت کرے، یعنی متفرق خطرات نہ آئیں اور جمعیت و سکونِ خاطر حاصل ہو۔

۱۱:... وقوف قلبی:

آں است کہ ذاکر آگاہ و واقف باشد باحق تعالیٰ بوجہے کہ دل را ہیچ علاقہ بغیر حق نہ باشد۔
یعنی ہوشیاری اور حضورِ قلب کے ساتھ ذکر ہونا چاہیے، یعنی قلب کو غیر حق سے کوئی غرض نہ ہو، اور یوں بھی کہ قلب اپنے ذکر سے واقف ہو یعنی ذکر کے ساتھ

قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو، جس کو مجازاً قلب کہتے ہیں۔

بعض نے کسی کسی لفظ کی اور تفسیر بھی کی ہے، مگر حاصل سب کا قریب قریب ہے۔ (تعلیم الدین)

فصل:

در معارف:

اس میں ہر شخص کا مذاق جداگانہ ہے، مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حقائق و معارف وہ معتبر ہیں جس کو شریعت رد نہ کرے، اس لئے کہ: "کُلُّ حَقِیْقَةٍ رَدَّتْهَا الشَّرِیْعَةُ فَهِیَ زَنْدَقَةٌ" مکتوب بست و ششم خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ قدس اللہ تعالیٰ باسرارہم میں اس کی بسط و تفصیل سے تقریر موجود ہے۔ اور ان علوم کی دلیل کشف ہے، اور بس۔

اور قرآن و حدیث میں ان مسائل کا داخل کرنا تکلف سے خالی نہیں، حسب اختلاف مذاق معارف بے شمار ہیں، مگر اس مقام پر اختصار کے ساتھ بطور نمونہ چند معارف ذکر کئے جاتے ہیں،

وحدۃ الوجود:

ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں، اور مخلوقات کے تمام کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و حفاظت کے سبب ان میں موجود ہیں، ایسے وجود کو اصطلاح میں ظلی وجود کہتے ہیں، خلاصہ یہ کہ تمام ممکنات کا وجود حقیقی در اصل نہیں، بلکہ عارضی اور ظلی ہے۔

اب اگر وجود ظلی کا اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہوگا، اور

وجود کو واحد کہہ جائے گا، یہ وحدۃ الوجود ہے۔

اور اگر اس کا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے، بالکل معدوم ہی تو نہیں، گو غلبہ نور حقیق سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آئے، تو یہ وحدۃ الشہود ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ماہتاب کا نور آفتاب کے نور کا عکس اور اس سے حاصل شدہ ہے، اگر مہتاب کے ظلی نور کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منور اور مہتاب کو تاریک کہا جائے گا، یہ وحدۃ الوجود کی مثال ہے، اگر کچھ نہ کچھ اس نور کے وجود کا اعتبار کیا جائے تو نورآفتاب کے ظہور کے وقت وہ بالکل مسلوب النور ہوجائے گا، اور یہ وحدۃ الشہود کی مثال ہے۔

فائدہ:... وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی مختصر تشریح ولایت کبریٰ وصغریٰ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اختلاف لفظی ہے، مآل واحد دونوں کا ایک ہی ہے (کذا قال الشیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ، در مکتوب چہل و چہارم جلد دوم)۔

اور چونکہ اصل و ظل میں نہایت قوی تعلق ہے، اس کو اصطلاح صوفیہ میں عینیت سے تعبیر کرتے ہیں، (اسی مقام سے "لا موجود الا اللہ" و ہمہ اوست کے معنی معلوم ہوگئے، جیسا کہ مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے)، اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہوگئے، یہ تو صریح کفر ہے، (مجدد الف ثانی رحمہ اللہ و مکاتیب عروۃ الوثقیٰ میں اس کی بکثرت تصریح ہے)، چنانچہ وہی محققین صوفیہ اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں، پس عینیت اصطلاحی ہے، نہ کہ لغوی، مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے، لیکن اگر اس سے زیادہ کسی کے منثور یا منظوم کلام میں کچھ پایا جائے، تو وہ حالت سُکر کا کلام ہے، جو نہ قابل ملامت ہے اور نہ لائق تقلید و نقل، جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔

کے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ظہور مخلوقات سے ہوا، پھر اسی قاعدۂ مذکورہ کے موافق اللہ تعالیٰ کی صفاتِ تفصیلیہ سے صفاتِ اجمالیہ کا اور ان سے ذات کا پتہ لگے گا، اس لئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ کا ظہور صفتِ جامعیتِ اجمالیہ سے، پھر صفاتِ تفصیلیہ سے ہوا، پھر مخلوقات سے ہوا، اب مخلوقات میں ایک عالم ارواح ہے، ایک عالم اجسام اور چونکہ ان میں بوجہ غایت لطافت و کثافت کے مناسبت ہی نہیں، ان کے تعلق کے لئے ایک ایسی چیز پیدا کی جس کو دونوں سے مناسبت ہے، اس کو عالم مثال کہتے ہیں، تو مخلوقات کی ترتیب میں روح پہلے ہوئی، لہٰذا پہلے عالم ارواح، پھر عالم مثال، پھر عالم اجسام، اور عالم اجسام میں سب سے آخر انسان پیدا ہوا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی صفتیں پیدا کردیں، اس وجہ سے اس کو جامع کہتے ہیں، جس ترتیب سے مخلوقات پیدا ہوتی گئی صانع کا ظہور بڑھتا گیا، تو اب یوں کہہ سکتے ہیں کہ مرتبہ صفاتِ تفصیلیہ کے ظہور کے بعد صانع کا عالم ارواح سے ظہور ہوا، پھر عالم مثال سے، پھر عالم اجسام سے، پھر انسان سے، پھر ظہور کے دو مرتبے تو صفات میں تھے، اور چار مخلوقات میں، تو یہ چھ ظہور علی الترتیب اعتبار کئے گئے، ان ہی چھ ظہور کو تنزلاتِ ستہ کہتے ہیں، سو یہ تنزلاتِ ستہ، چھ مرتبے ہوئے، اور وجود کے سات مرتبے ہوئے، کیونکہ وجود کا ایک مرتبہ خود ذاتِ حق کو حاصل ہے، سو مرتبہ ذاتِ حق کو "ہاہوت" کہتے ہیں، اور مرتبہ صفاتِ اجمالیہ کو "لاہوت" اور "حقیقتِ محمدیہ"، اور مرتبہ صفاتِ تفصیلیہ کو "جبروت" اور "اعیانِ ثابتہ" اور "حقیقتِ آدم" کہتے ہیں، اور عالم ارواح و عالم مثال کو "ملکوت" اور عالم اجسام کو "ناسوت" اور عالم انسان کو "مرتبۂ جامعہ" کہتے ہیں۔ یہ سب اصطلاحی الفاظ ہیں، ورنہ حقیقی بات یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آدم علیہ السلام مخلوقاتِ الٰہی سے ہیں، نہ کہ صفاتِ الٰہیہ سے، تحقیق مسئلہ کی اسی قدر ہے، اس سے آگے اہلِ سُکر کا غلبہ ہے، جس

میں اُن کی زبان و قلم سے کچھ موہم الفاظ نکلے اور ناواقف لوگ ان اصطلاحات کو
غلط سمجھنے لگے۔ (تعلیم الدین)

بداں کہ اجمال و تفصیل کہ دراں مرتبہ علیا اثبات می نمائیم نہ آں اجمال و تفصیل است کہ در فہم ما آید و ادراک ما گردد کہ آں موجب تبعض و تجزی است، تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیرا، بلکہ در ذات و صفات بے چگوں است "عرفت ربی بجمع الاضداد" ایں معرفت وراء طور عقل است اما مؤید بکشف صحیح و الہام است۔ (مکتوب خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ص:۱۱۹)

فائدہ۔۔۔ چوں لفظ اجمال و وحدت را دراں حضرت مناسبت زیادہ است از لفظ تفصیل و کثرت چہ لفظ تفصیل و کثرت موہم تبعض و تجزی است بنابراں اجمال و وحدت را برائے اطلاق براں حریم متعالی اختیار نمودہ اند و إلا او تعالیٰ ازیں اجمال و تفصیل کہ مدرک ماست منزہ و مبرا است۔ (مکتوب)

فصل:

در باب احوال:

حالاتِ رفیعہ بے شمار ہیں، مگر ہم ان میں سے چند مشہور احوال کو بیان کرتے ہیں:

قبض و بسط:

جب سالک کو خوف و رجا بڑھ جاتا ہے، تو قبض و بسط ہوتا ہے۔ مگر یہ فرق ہے کہ خوف و رجا آئندہ کی حالت یاد کرتے ہوتا ہے۔ اور محبوب کی تجلی جلالی یعنی آثار عظمت و استغناء کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا قبض کہلاتا ہے۔ اور

محبوب کی تجلی جمالی یعنی آثار لطف وفضل کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کو فرحت و سرور ہونا بسط کہلاتا ہے۔

اُنس و ہیبت:

قبض و بسط میں جب مزید ترقی ہوتی ہے، اُس کو اُنس و ہیبت کہتے ہیں۔

وجد اور اُس کے مراتب:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب پر جو کیفیت وارد ہو اور اس کو اُس کی حالت سے بدل ڈالے، جیسا کہ حزن و سرور، یہ وجد کہلاتا ہے، اگر یہ چیز صاحب وجد کو بے خود کردے تو اس کو وجود کہتے ہیں، اور اگر خود تغیر نہ ہو، مگر تغیر پیدا کرنے کا قصد کرے، تو اُس کو تواجد کہتے ہیں۔

اس کے مراتب کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے تصور، پھر ورود، پھر شہود، پھر وجود، پھر خمود ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کسی دریا پر آنے کا ارادہ رکھتا ہو، یہ تصور ہے، پھر اس پر آپہنچا، یہ ورود ہے، پھر اس کو دیکھا، یہ شہود ہے، پھر سوار ہوا، یہ وجود ہے، پھر اس میں ڈوب گیا اور مرگیا یہ خمود ہے، البتہ اگر تواجد بقصد ریا ہو تو گناہ ہے، پھر وجد میں جب زیادہ غلبہ ہوتا ہے تو اس کو استغراق کہتے ہیں۔ (تجدید الطریقہ ص:۸۵)

فرق، جمع اور جمع الجمع:

مخلوق کو یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو افعال اور صفات کے ساتھ موصوف فرمایا ہے، فرق کہلاتا ہے۔

یہ سمجھنا کہ ان میں کوئی صفت نہیں ہے، بلکہ حقیقتاً فاعل اور موصوف ذات حق ہے، اور سب اس کا پرتو ہے، تو یہ جمع ہے۔

بالکل مخلوق پر نظر ہی نہ رہے، یہ جمع الجمع ہے۔

اس میں ایک اصطلاح اور بھی ہے، وہ یہ کہ تعلقات کو ذاتِ موصوف سمجھنا فرق ہے، اور صرف ذات حق پر نظر رکھنا جمع ہے، اور تمام کو صفات حق کا آئینہ سمجھنا جمع الجمع ہے۔

تمکین و تلوین:

سالک کے قلب کے حالات کا مختلف ہونا، مثلاً کبھی قبض، کبھی بسط، کبھی خطرہ اور کبھی محو ہو، تو یہ تلوین ہے، اور اطمینان و حصول تام کی وجہ سے قلب کی حالت کا یکساں ہونا تمکین ہے، تلوین ادنیٰ سمجھا جاتا ہے، جبکہ صاحب تمکین کی حالت عوام جیسی ہو جاتی ہے، اور وہ مشکل سے ہی پہچانا جاتا ہے، کیونکہ عوام کی طرح دنیاوی اور اپنے معمولات میں مشغول رہتا ہے، مگر وہ واصل اور حقیقت شناس ہوتا ہے، اور صاحب تلوین ابھی راہ میں ہوتا ہے۔ (رسالہ [illegible])

فنا و بقا:

اگر سالک کی صفات ذمیمہ (جس قدر بھی ہیں) سب مبدل بہ صفات حمیدہ ہو جائیں تو اس کو اصطلاح میں فنائے حسی اور باطنی کہتے ہیں، اور صفات حمیدہ پیدا ہو جانے کو بقا کہتے ہیں۔

فنا کی دوسری قسم یہ ہے کہ سالک غلبۂ شہود ذات و صفات کی وجہ سے اپنی ہستی سے بے التفات ہو جائے، یا اپنی ہستی کو نہ ہی خیال کرے تو اس کی فنا کو فنائے نفس کہتے ہیں، جو کہ فنائے واقعی نہیں، جیسے کوئی غریب سا آدمی کسی شاہی دربار میں دفعۃً پہنچ جائے، تو بعض اوقات ہیبت کے مارے اسے اپنی یا کسی کی کچھ بھی خبر نہیں رہتی، جو واقع میں وہاں سب موجود ہوتے ہیں۔

پھر بعض اوقات اس فنا کا بھی علم نہیں ہوتا، جیسے سوتے میں اکثر اوقات

سونے والے کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ میں سو رہا ہوں، اس کو فناء الفنا کہتے ہیں۔

اور بعض کی اصطلاح میں فناء الفنا کو بقا کہتے ہیں، یعنی وہ بے خودی جو کہ فنا کے لحاظ سے تھی وہ بھی جاتی رہی اور یہ شخص بقا تک پہنچ گیا، اس لئے اس کو فناء الفنا کہا جاتا ہے، اور اس کے بعد جو کیفیت حاصل ہو اس کو بقاء البقا کہتے ہیں، اور سیر فی اللہ جس سے مراد انقطاع ماسوی اللہ ہے، یہاں ختم ہو جاتی ہے اور قرب صفات بشریہ کو قرب نوافل اور قرب ذات کو قرب فرائض بھی کہتے ہیں۔

(آئینہ تربیت، تعلیم الدین)

مگر فنا اور عدم میں فرق یہ ہے کہ فنا میں عارف پر ہستی محبوب کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے شعور پر اپنے اوصاف و اخلاق کو مطلوب کے اوصاف و اخلاق کا پرتو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، یہاں تک کہ تمام چیزوں سے فانی ہو جاتا ہے، جبکہ عدم میں اپنے اوصاف و اخلاق کو گم پاتا ہے، پس عدم میں اوصاف کا استتار ہے، مگر فنا کے اوصاف نہیں ہوتے، اور فنا کے تحقق میں جو کہ عنایت ازلی کے سوا دشوار ہے، اوصاف مستتر اور پردہ میں نہیں، بلکہ زائد شدہ اور مستثنی ہوتی ہیں۔

(کذا فی مکتوبات خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ)

غیبت و حضور:

اگر قلب پر کوئی وارد قوی آیا مثلاً صفات خداوندی کا غلبہ ہوا یا کچھ ثواب و عذاب یاد آیا، اور اس کے غلبہ سے حواس اس قدر معطل ہو گئے کہ ادھر ادھر کی خبر نہ رہی، تو یہ غیبت ہے، یعنی خلق سے، اور جب ہوش آ گیا تو یہ حضور ہو گیا، اور کبھی اس غیبت کو حضور کہتے ہیں، یعنی حضور حق، کبھی حضور کی جگہ شہود بولتے ہیں، اس کے معنی بھی حضور کے ہیں، سو جو چیز قلب میں حاضر ہوگی وہ شاہد اور مشہود ہے، لیکن

اکثر صوفیہ لفظ مشہود سے مشہود حق مراد لیتے ہیں، اور لفظ شاہد سے مخلوق مراد لیتے ہیں، پس غیبت کی دو قسمیں نکلیں، ایک: غیبت محمود، اگر خلق کی طرف سے ہو اور ایک: مذموم، اگر حق کی طرف سے ہو، اسی طرح حضور کو بھی سمجھ لو۔

سکر و صحو:

انوار غیب کے قرب سے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سکر ہے، اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے، غرض سکر غیبت سے بڑھا ہوا ہے۔

محو و اثبات:

اس کے معنی بھی قریب قریب ذکر ہو چکے ہیں، اور اس کی بھی وہی قسمیں ہیں، مگر محو کے معنی میں دوسرے چند الفاظ بھی مستعمل ہیں: محق، سحق، طمس، اور اگر ان الفاظ میں فرق کیا جائے تو بھی مضائقہ نہیں، مثلاً: محو صفات کو محق، فنائے ذات کو سحق اور صفات و ذات کے آثار محو ہو جانے کو طمس کہیں۔

تجلی و استتار:

تجلی: ظہور کو کہتے ہیں، اور استتار: پوشیدہ ہونے کو، پھر تجلی کی کئی قسمیں ہیں، ہر ایک کے جدا آثار ہیں۔

۱:... ایک تجلی ذاتی ہوتی ہے، اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اگر سالک کے وجود عنصری کی صفت و آثار کچھ باقی ہوں تب تو وہ بے ہوش ہو جاتا ہے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام تجلی کے وقت بے ہوش ہو گئے تھے، اگر آثار باقی نہ ہوں تو وہ مشاہدہ کر سکتا ہے، چنانچہ موت سے پہلے یہ خلعت خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوئی اور موت کے بعد تو سب مؤمنین کو جنت میں یہ حاصل ہوگی، چنانچہ سب کو دیدار ہوگا۔

۲:... دوسری تجلی صفاتی ہوتی ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ اگر صفات جلالی

ظاہر ہو، اگر بلا اتباع شریعت کوئی خلاف عادت امر ظاہر ہو جائے تو وہ یا تو سحر ہوگا یا شعبدہ یا پھر شعبدہ و ریاضت۔ جو کہ اکثر جوگیوں کو بھی حاصل ہوتا ہے یا پھر استدراج ہوگا جیسا کہ دجال سے ایسے ہوں گے۔ (ملاحظہ ہو تعلیم الدین ملفوظات رسالہ تجرید و جواہر غیبی وغیرہ)

فصل:

در اصطلاحات:

ذیل میں صوفیہ کی چند مشہور اصطلاحات کا بطور نمونہ بیان کیا جاتا ہے

ملامتی و قلندر:

قلندر: وہ ہے جو ضروری عبادت تو کرے، مگر باقی اوقات ذکر و فکر میں گزر دے، اور ملامتی وہ ہے جو تمام فرائض اور نوافل کا پابند ہوتا ہے، مگر لوگوں کی نظر سے اپنی اس اچھی حالت کو مخفی رکھتا ہے، چنانچہ بعض لوگ ان کے ساتھ جھوٹی مشابہت کرنا چاہتے ہیں تو تمام تر فسق و فجور میں مبالغہ و اصرار کر کے کہتے ہیں کہ: ہمارا مقصود یہ ہے کہ لوگوں میں قدر نہ رہے اور دوسری طرف طاعت و بندگی کی کوتاہی پر یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری اطاعت کی کیا پرواہ ہے؟ نعوذ باللہ! مکتوبات خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۶۲ میں عوارف سے نقل کیا ہے کہ: ایسے لوگ زندیق اور ملحد ہیں۔

مجذوب سالک:

مجذوب سالک کا معنی گزر چکا ہے، اسی طرح حال اور مقام کا بھی ذکر آ چکا۔

اتصال:

ماسوی اللہ سے منقطع ہونے کو حق کے ساتھ اتصال کہتے ہیں، کیونکہ ذات کا

ذات سے اتصال نہیں ہوتا، اس لئے حق تعالیٰ کی شان میں اس اتصال کا اعتقاد رکھنا کفر ہے، جیسا کہ بعض جہلا سمجھتے ہیں کہ قطرہ سمندر میں مل گیا، اس اتصال کی حقیقت کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

اتصالے بے تکیف بے قیاس

ہست رب الناس را با جان ناس

جبکہ قطرے کا سمندر میں اتصال تو بے تکیف نہیں ہوتا، لہٰذا اس شعر سے اس جہل کی تردید ہوتی ہے، مکاتیب عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۹، ۴۳، ۷۴ وغیرہ میں بھی بہت سی جگہ اس جہل کی تردید موجود ہے۔

وقت و نفس:

بندے پر جو حال غالب ہو، جیسے: حزن و ملال اور فرح و سرور وغیرہ، اس کو وقت کہتے ہیں، اور یہ سالک و غیر سالک دونوں کو پیش آتا ہے، وقت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ غیب سے کوئی ایسا حال غالب ہو کہ سالک کو اپنی حالت سے باہر کردے، یہ سالک کے ساتھ مخصوص ہے۔ "الصوفی ابن الوقت" کے یہی معنی ہیں، اگر یہ حالت دائم ہے تو نفس کہتے ہیں۔

تجرید و تفرید:

دنیوی و اُخروی اغراض کو ترک کردینا تجرید ہے، اور کسی چیز کی اپنی طرف نسبت نہ کرنا تفرید ہے۔

حرّیت:

یعنی آزادی میں، اپنے نفس کی بندگی اور اطاعت سے نکل جانا حریت اور آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کی بندگی اور احکامِ شرع سے باہر ہوجائے، کیونکہ یہ تو

عین گرفتاری ہے، بہرحال احکام شرع ہوش میں کبھی بھی معاف نہیں ہوتے، البتہ پہلے اطاعت میں جو دشواری ہوتی تھی، حریت کے بعد اب آسانی سے ہونے لگی ہے، لہٰذا تکلیف تو ساقط نہیں ہوتی، البتہ کلفتِ تکلیف ساقط ہو جاتی ہے:

ازاں روز کہ در بندِ تو ام آزادم
پادشاہم کہ بدستِ تو اسیر افتادم

ترجمہ:... "اسی دن سے کہ تیرے خیال میں ہوں،
آزاد ہوں، بادشاہ ہوں میں کہ تیرے ہاتھ میں قیدی ہوا ہوں۔"

قرب و بُعد:

قرب الٰہی کی تین قسمیں ہیں:

ایک قربِ عام و ضروری ہوتا ہے: یہ وہ قرب ہے جو علم و قدرت کے ساتھ ہوتا ہے، یعنی یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتے ہیں اور سب پر قادر ہیں۔

دُوسرا قربِ ممکن و خاص: یہ وہ قرب ہے جو فضل و لطف کے ساتھ ہوتا ہے، جس کو چاہیں اپنے لطف و فضل کا مورد بنادیں۔

تیسرا قربِ محال: یہ وہ ہے کہ ذات کا ذات سے مل جانا، پھر ہر قرب کے مقابل بُعد کے معنی بھی جدا ہوں گے۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب چہل و چہارم جلد دوم میں تیسری قسم کو کفر و الحاد فرمایا ہے۔

خاطر و اقسام:

قلب پر جو خیال وارد ہوتا ہے، وہ خاطر ہے، پھر اس کی چار قسمیں ہیں:

ایک اللہ کی طرف سے، اس کو خاطرِ حق کہتے ہیں۔

دوسرا فرشتہ کی طرف سے، اس کو الہام کہتے ہیں۔

تیسرا نفس کی طرف سے، اس کو ہواجس کہتے ہیں۔
چوتھی شیطان کی طرف سے، اس کو وسواس کہتے ہیں۔
ان کی پہچان یہ ہے کہ اگر اچھی بات دل میں آئے اور اس کے خلاف پر عمل کر سکے تو الہام ہے۔
اگر خلاف پر عمل نہ کر سکے تو خاطر حق ہے۔
اگر بری بات دل میں آئے تو اگر صفات نفس، مثلاً شہوت، غضب اور تکبر وغیرہ کی طرف رغبت ہوتی ہو، تو ہواجس ہے۔
اور اگر کسی گناہ کی طرف میلان ہو، تو وسواس ہے۔
بعض نے اس کا دوسری طرح فرق بیان کیا ہے۔ پھر کبھی نفس اور شیطان کی طرف سے بھی اچھی بات دل میں آجاتی ہے، مگر اس میں یہ دھوکا ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے کسی بڑی نیکی سے محروم کرانا ہوتا ہے، جیسے خشوع کی تحصیل کے لئے علیحدہ نماز پڑھنے کا خیال، جماعت سے محروم کرنے کے لئے ہوتا ہے، یا گناہ میں ڈالنا مقصود ہوتا ہے، اسی طرح خلوت کی نیت کے ذریعے تکبر اور عجب کا خیال دل میں ڈالنا مقصود ہوتا ہے، اس کی زیادہ تحقیق ''سراج السالکین'' میں مذکور ہے۔

وارد:

وارد، خاطر کی نسبت عام ہوتا ہے، کیونکہ خاطر تو کلام نفس یعنی دل کے خیال کا نام ہے، اور وارد اس سے عام ہے جو تمام کیفیات کو شامل ہے، جیسے: حزن، سرور، قبض و بسط وغیرہ۔

شاہد:

جو چیز قلب پر غالب ہو، وہ شاہد ہے، بعض حضرات کا قول ہے کہ صاحب

جمال شاہد ہے، چنانچہ اگر اس کے روبرو آجانے سے صوفی کے قلب میں کچھ تغیر پیدا ہو تو حیاتِ نفس کی علامت ہے، اور اگر تغیر پیدا نہ ہو تو فنائے نفس کی علامت ہے، گویا وہ صاحبِ جمال اس کے دل کا شاہد ہے۔

شطح:

غیر اختیاری حالت میں، غلبۂ وارد کی وجہ سے، ظاہری قواعد کے خلاف جو بات منہ سے نکل جائے، وہ شطح ہے، اس شخص پر نہ گناہ ہے اور نہ اس کی تقلید جائز ہے۔

تمثّل:

کوئی ذات اپنی حالت و صفت کی بقا کے باوجود کسی دوسری صفت میں ظہور کرے، اس دوسری صفت کو صورتِ مثالی کہیں گے، جیسے جبریل علیہ السلام صورتِ بشریہ میں متمثّل ہوتے تھے، اس کا یہ معنی نہ تھا کہ وہ فرشتے سے آدمی بن گئے تھے، اگر وہ فرشتہ سے آدمی بن جاتے تو وہ تمثّل نہ ہوتا، بلکہ استحالہ و انقلاب ہوتا۔

خواب و مکاشفہ میں اللہ تعالیٰ کو صورتِ مثالیہ میں دیکھ سکتے ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی تجلّیٔ مثالی میں نورِ الٰہی کو دیکھا تھا، انہوں نے ذاتِ خداوندی کو نہیں دیکھا تھا، ورنہ طالبِ دیدار نہ ہوتے، پس اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہے: "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" مگر خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان فرمائی ہے، کیونکہ جن دو چیزوں میں کچھ صفات مشترک ہوں، ان میں ایک کو دوسرے کی مثال کہتے ہیں، مثلاً: حسین آدمی کو چاند سے تشبیہ دیں، تو وہ آدمی چاند نہیں بن جاتا، مگر صفتِ حسن میں اشتراک ہونے سے چاند کو آدمی کی مثال کہیں گے، اور اس کی شناخت سے حسنِ انسانی کی کسی قدر شناخت ہو جائے گی، گو کامل شناخت نہ ہو۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لو! اس میں غور نہ کرکے مثال کو حقیقت سمجھ لینے سے کفر و الحاد لازم آجاتا ہے۔

خلع:

کوئی روح اپنی حیات کی حالت کو چھوڑ کر دوسرے مردہ بدن میں چلی جائے، اس کو خلع کہتے ہیں اور یہ بات ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

بروز:

کوئی روح کسی زندہ انسان کے بدن میں تصرف کرے، اور جن و شیطان کے تصرف سے ایسا ہونا تو معمولی بات ہے، چنانچہ جب کوئی جن یا شیطان کسی انسان میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ انسان اس جن و شیطان کی بولی بولتا ہے اور اس میں جن طرح کی طاقت آجاتی ہے۔ مگر کبھی انسان سے بھی بطور خرق عادت ایسا واقعہ ہو جاتا ہے، یعنی ناقص کی تکمیل کے لئے زندہ انسان کا دوسرے زندہ میں بروز کرنا بطور خرق عادت ہو سکتا ہے۔

تنبیہ:... ہنود جس تناسخ یعنی آواگون کے قائل ہیں، وہ اہل حق کے نزدیک باطل ہے، امور مذکورہ کے جواز سے کسی کو تناسخ کا دھوکا نہ ہونا چاہئے، تناسخ اور تمثل، خلع اور بروز میں صریح فرق ہے، تمثل میں ذات کا اپنی کسی حالت سے انتقال ہی نہیں ہوتا، جبکہ تناسخ میں روح کے منتقل ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے، جس سے فرق ظاہر ہے۔

اور خلع والی جو روح دوسرے بدن میں آگئی ہے، اس کی اصلی موت نہیں آئی تھی، جبکہ تناسخ مرنے کے بعد قرار دیا گیا ہے۔

اور بروز میں جس بدن میں روح نے اثر کیا ہے، اس میں پہلے سے بھی روح موجود ہے۔ بخلاف تناسخ کے کہ نئی روح اس بدن میں آتی ہے، ان فرقوں کو خوب سمجھ لو۔ (کذا فی تعلیم الدین، مکتوب ۵۸ ہفتم جلد دوم الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۱۱۵)

فارسی کے بعض اصطلاحی الفاظ:

بت کدہ، بت خانہ، شراب، دیر، خرابات: عالم معنی باطن عارف کامل را گویند۔

پیر مغاں: پیر خرابات و خمار اور بادہ فروش، مرشد را گویند۔

ترسا: مرد روحانی را گویند کہ از صفات ذمیمہ و نفس امارہ خلاص یافتہ و موصوف بصفات حمیدہ شدہ باشد۔

ترسا بچہ: واردات غیبی را گویند کہ از عالم غیب در دل سالک فرود آید۔

گبر و کافر: کسے کہ یک رنگ در وحدت شدہ و روئے از ماسوائے اللہ تعالیٰ برتافتہ باشد۔

مے: ذوق را گویند کہ از دل سالک سر زند و او را خوش وقت گرداند۔

مے خور و پیمانہ: کسے کہ مشاہدہ انوار غیبی و ادراک مقامات کند۔

زنار: علامت یک رنگی و یک جہت شدن را گویند۔

یار و دلبر و محبوب و صنم و دوست: تجلی صفات را گویند۔

غمزہ و بوسہ و فیض: جذبہ باطن را گویند۔

چشم و ابرو و جمال: کلام و الہام غیبی را گویند۔

لب و دہان: صفت حیات را گویند۔

ساقی و مطرب: فیض رسانندگان معنی را گویند۔

شراب و بادہ: بمعنی حال ہم آید (کذا فی مصباح الہدایۃ)۔

نی الحل: قربان عاشقان که از راه دیده در جام نگارش ریختند۔

مستی: فرو رفتن با جمیع صفات۔

مست و خراب: استغراق را گویند۔

مست و شیدا: اہل حزن و شوق را گویند۔

اقامت: غلبۂ عشق را گویند۔

رجعت: از مقام وصول بہ طریق القصد را گویند۔

قلاشی: معاشرت و مباشرت افعال را گویند۔

اوباش: ترک غم ثواب و عقاب کنند۔

قلندر و قلاشی: اہل صفا و اہل ترک و اہل فنا را گویند۔

شمع: نور اللہ را گویند۔

کباب: پرورش دل از تجلیات حق را گویند۔

صبوحی: محادثہ را گویند۔

صبح: طلوع احوال و اوقات و اعمال را گویند۔

بامداد و مقام بازگشت: اوقات و احوال را گویند۔

کفر: بی رنگی را گویند۔

بت و شاهد: معنی مقصود را گویند۔

کشف و شهود: مرتبہ عین الیقین را گویند۔

چلیپا: عالم طبع را گویند۔

دیر: عالم انسانی را گویند۔

کلیسا: عالم حیوانی را گویند۔

طامات: معارف را گویند۔

جفا: پوشانیدن دل سالک از مشاہدہ۔

جور: باز داشتن سالک از سلوک عروج۔

خشم: ظہور صفت قہر را گویند۔

زنار: صفت باطنی را گویند۔

وبیر: صفت قاضی را گویند۔

زلف: غیب ہویت را گویند۔

گیسو: ظاہر طالب را گویند۔

میخانہ: لاہوت را گویند۔

بادہ: عشق را گویند۔

وصل: عبارت است از نسیان خود بشہود و نور وجود حق تعالیٰ۔

وفا: عنایت ازلی را گویند۔

غمگساری: صفت رحمانی را گویند۔

تفرد: عبارت است از تنہا کردن سر از جمیع ما سوی اللہ تعالیٰ۔

اتحاد: عبارت است از استغراق در ہستی حضرت سبحانہ وتعالیٰ۔

شقاوت: عبارت است از حق تعالیٰ باز ماندن۔

سعادت: عبارت از غیر اخلاص شدن برائے دیدن حق تعالیٰ۔

(تعلیم الدین تا قاضی جواہر تقیل)

تصورِ شیخ

اس کو برزخ، رابطہ اور واسطہ بھی کہتے ہیں۔ اس سے یہ معنی تو کسی تک کی محقق نے بیان نہیں فرمائے کہ خدا تعالیٰ کو شیخ کی شکل میں سمجھے، یہ تو محض باطل ہے، کتب فن تصوف میں اس قدر مذکور ہے کہ شیخ کی صورت اور اس کے کمالات کے زیادہ تصور کرنے سے اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور نسبت قوی ہوتی ہے، اور نسبت کی قوت سے طرح طرح کی برکات ہوتی ہیں۔

اور بعض محققین نے تصور شیخ میں صرف یہ فائدہ بیان فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے، اس سے یکسوئی میسر ہو جاتی ہے اور خطرات دفع ہو جاتے ہیں، چنانچہ حضرت کلیم اللہ صاحب قدس سرہ نے کشکول میں یہی حکمت بیان فرمائی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ہر چند برزخ لطیف تر بود کار تیز تر بود، ہر چند
کثیف بود از تصور مرئی بود کار زبوں تر بود"

بہرحال اس میں جو کچھ حکمت و فائدہ ہو، ہم (یعنی مولانا اشرف علی مدظلہ) کا تجربہ یہی ہے کہ یہ شغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے مگر عوام کے لئے سخت مضر ہے کہ اس سے صورت پرستی کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی واسطے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محققین نے عوام اور ضعفاء کے لئے ایسے اشغال کی تعلیم سے منع فرمایا ہے جس سے کشف وغیرہ ہوتا ہو۔ اس لئے عوام کو تو بالکل اس سے بچنا چاہئے اور خواص بھی اگر کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں، اس کو حاضر و ناظر اور ہر وقت اپنا نگہبان نہ سمجھیں، کیونکہ کثرت تصور سے بھی صورت مثالیہ زندہ حاضر ہو جاتی ہے، کبھی تو وہم محض خیال ہوتا ہے اور کبھی کوئی لطیفہ غیبی اس شکل میں متشکل ہو جاتا ہے۔ اور شیخ کو اطلاع

اوقات خبر تک بھی نہیں ہوتی، اس مقام پر اکثر ناواقفوں کو لغزش ہو جاتی ہے۔

(تعلیم الدین)

اور شیخ کے ساتھ اس طور رابطہ کیا جائے تو افضل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے فیض یعنی رحمت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ہوتے ہوئے مرشد کے سینے سے میرے سینے میں آ رہی ہے، جیسے بارش چھت پر برستی ہے اور پرنالے سے ہوتی ہوئی زمین پر گرتی ہے (اس سے تصور شیخ پر جو اشکال وارد ہوتے ہیں، نہیں ہوں گے)۔

فصل:

حجاب کی اقسام اور وقوفِ سالک:

فوائد الفوائد یعنی جواہر غیبی میں ہے کہ

سالک وہ ہے جو راہ چلے، اور واقف وہ ہے جو بیچ میں اٹک جائے، پس اگر سالک سے عبادت میں کوتاہی ہو جائے، اگر وہ جلدی توبہ و استغفار کر کے پھر بدستور سرگرم ہو گیا تو دوبارہ سالک بن جائے گا، اور اگر خدانخواستہ وہی غفلت رہی تو اندیشہ ہے کہ کہیں راجع، یعنی واپس نہ ہو جائے، اس راہ کی لغزش کے سات درجے ہیں:

۱:...اعراض۔ ۲:...حجاب۔ ۳:...تفاصل۔ ۴:...سلب مزید۔

۵:...سلب قدیم۔ ۶:...تسلی۔ ۷:...عداوت۔

شروع میں اعراض ہوتا ہے، اگر معذرت و توبہ نہ کی تو حجاب ہو جائے گا، اگر پھر بھی اصرار رہا تو تفاصل ہو جائے گا، اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں جو ذوق و شوق کی ایک زائد کیفیت تھی وہ سلب ہو جائے گی، اور یہ سلب مزید ہے، اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو زیادتی (تقصیر) سے پہلے عبادت میں جو راحت

وعادات تھی وہ بھی سلب ہو جائے گی۔ ان کو سلب قدیم کہتے ہیں۔ اگر اس پر بھی توبہ کی تقصیر کی تو جدائی کا بلکہ عداوت کرنے لگے گی۔ یہ سلب کلی ہے۔ اگر اب بھی وہ غفلت میں رہے تو محبت عداوت میں بدل جائے گی۔ نعوذ باللہ منہا! (تعلیم الدین ملخصاً)

فصل:

ذکر اقسام اولیاء

تعلیم الدین میں بحوالہ عوارف المعارف مذکور ہے کہ اس باب میں بزرگوں کی مختلف عبارتیں ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب بارہ گروہ ہیں:

۱...اقطاب۔ ۲...غوث۔ ۳...امامین۔ ۴...اوتاد۔

۵...ابدال۔ ۶...اخیار۔ ۷...ابرار۔ ۸...نقباء۔

۹...نجباء۔ ۱۰...عمد۔ ۱۱...مکتومان۔ ۱۲...مفردان۔

قطب عالم: ایک ہوتا ہے۔ اس کو قطب العالم، قطب اکبر، قطب الارشاد، قطب الاقطاب اور قطب مدار بھی کہتے ہیں، اور عالم غیب میں اس کا نام "عبداللہ" ہوتا ہے۔ اس کے دو وزیر ہوتے ہیں، جو امامین کہلاتے ہیں، وزیر یمین کا نام "عبدالملک"، وزیر یسار کا نام "عبدالرب" ہوتا ہے، اور بارہ قطب اور ہوتے ہیں، سات تو سات اقلیم میں رہتے ہیں، ان کو قطب اقلیم کہتے ہیں، اور پانچ یمن میں، ان کو قطب ولایت کہتے ہیں۔ یہ عدد تو اقطاب معینہ کا ہے، اور غیر معین ہر قریہ اور ہر شہر میں ایک ایک قطب ہوتا ہے۔

غوث: ایک ہوتا ہے، بعض نے کہا ہے کہ قطب الاقطاب ہی کو غوث کہتے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ وہ اور ہوتا ہے، اور وہ مکہ میں رہتا ہے، بعض نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔ اوتاد چار ہوتے ہیں، عالم کے چار رکن (کونوں) میں رہتے ہیں۔

ابدال: چالیس ہوتے ہیں، بائیس یا بارہ شام میں، اور اٹھارہ یا اٹھائیس عراق میں رہتے ہیں۔

اخیار: پانچ سو یا سات سو ہوتے ہیں، اور ان کو ایک جگہ قرار نہیں ہوتا، وہ سیاح ہوتے ہیں، ان کا نام "حسین" ہوتا ہے۔

ابرار: اور اکثر نے ان کو ہی ابدال کہا ہے۔

نقباء: تین سو ہوتے ہیں، ملک مغرب میں رہتے ہیں، سب کا نام "حسن" ہے۔

عمد: چار ہوتے ہیں، زمین کے چار گوشوں میں رہتے ہیں، سب کا نام "محمد" ہوتا ہے۔

غوث: ترقی کر کے فرد ہو جاتا ہے، اور فرد ترقی کر کے قطبِ وحدت ہو جاتا ہے، اور مکتوم تو مکتوم ہی ہیں۔

فصل:

اصلاحِ اغلاط میں:

بعض کہتے ہیں کہ فقیری میں اتباعِ شریعت کی ضرورت نہیں، فتوحات میں ہے: "حقيقة على خلاف الشريعة زندقة باطلة" یعنی جو حقیقت شریعت کے خلاف ہو، بد دینی اور مردود ہے۔

اسی طرح مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں، دلیل العارفین ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، قوت القلوب ابو طالب کی، رسالہ قشیریہ میں ذوالنون مصری اور سری سقطی وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم سے اسی طرح منقول ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ عشقِ مجازی کے سوا عشقِ حقیقی حاصل نہیں ہوتا، اول تو یہ

قاعدہ کلیہ نہیں، دوسرے یہ کہ حلال موقع پر بھی تو عشق مجازی ہو سکتا ہے، بہرحال اس قاعدہ میں نکتہ یہ ہے کہ عشق مجازی سے دل کے متفرق تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں اور نفس ذلیل ہو جاتا ہے، پھر صرف ایک بلا کو دفع کرنا رہ جاتا ہے، لہٰذا صرف اس کے دفع کرنے سے ہی کام بن جاتا ہے، تو اس عشق مجازی کے لئے اپنی اولاد، بیوی، گائے، بھینس اور دوسری چیزیں بھی تو ہیں، غیر عورت یا بے ریش مرد کی کیا تخصیص ہے؟ تاہم اگر اتفاقاً کہیں دل پھنس ہی جائے تو اس پل سے جلدی گزرے ورنہ تمام عمر اسی میں مبتلا رہے گا، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ولے باید کہ در صورت نمانی
وزیں پل زود خود را بگذرانی

ترجمہ:... "اور لیکن چاہئے کہ ایک صورت میں نہ رہے تو اور اس پل سے جلدی اپنے کو گزارے تو۔"

یہاں تو ہر روز نیا معشوق تجویز ہوتا ہے، بقول شاعر:

زن نو کن اے یار در ہر بہار
کہ تقویم پارینہ ناید بکار

ترجمہ:... "نئی عورت کر اے یار ہر بہار میں، کیونکہ بوسیدہ جنتری کام میں نہیں آتی۔"

حظوظ نفسانیہ و لذات شہوانیہ کے حاصل کرنے کے لئے بزرگوں کے اقوال کو آڑ بنانا بڑی بات ہے:

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام
در غلط اندازی تا ہر خاص و عام

ترجمہ:... "فرض کیا میں نے کہ تمام مخلوق کو فریب دیتا

ہے تو غلطی میں ڈالتا ہے تو یہاں تک کہ ہر خاص و عام کو۔"

کار با خلق آری جملہ راست

با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

ترجمہ... "تمام قوم مخلوق کے ساتھ تو درست، خدا

کے ساتھ جھوٹ اور حیلہ کب جائز ہے۔"

کار او راست باید داشتن

رایت اخلاص و صدق افراشتن

ترجمہ... "اس کا کاروبار درست چاہئے رکھنا، صدق و

اخلاص کا علم بلند چاہئے رکھنا۔"

بعض لوگوں میں یہ غلطی ہوتی ہے کہ زبان اور پیٹ کی احتیاط نہیں کرتے، یعنی جو کچھ چاہتے ہیں بے باک ہو کر منہ سے نکال دیتے ہیں، خواہ اس سے کفر ہی کیوں نہ ہو جائے یا حق تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی اور بے ادبی ہی کیوں نہ ہو جائے۔

بے ادب را اندریں رہ بار نیست

جائے او بر دار شد بر دار نیست

ترجمہ... "اس راہ میں بے ادب کو کچھ ثمرہ نہیں ملتا،

اس کی جگہ سولی پر ہے، گھر میں نہیں ہے۔"

خصوصاً وحدۃ الوجود کے دعوے میں تو زبان کو لگام ہی نہیں، کبھی خدا کو بندہ بنا دیا اور کبھی بندے کو خدا ٹھہرایا:

اے زدہ گمان کہ صاحب تحقیقی

واندر صفت صدق و یقین صدیقی

انفسکم" یا یہ کہ اظہار نعمت کی غرض سے موقع کی کوئی بات کہہ دے اور اس کو اپنا
کمال نہ سمجھیں، محض فضل خداوندی سمجھیں تو مضائقہ نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد
ہے: "واما بنعمۃ ربک فحدث"۔

ایک غلطی یہ ہے کہ بعض جاہل صوفیہ احادیث بیان کرنے میں بے احتیاطی
کرتے ہیں، چنانچہ کسی اردو، فارسی یا عربی کی غیر معتبر کتاب میں حدیث کا نام دیکھ لیا
تو اسے روایت کرنے لگے اور اس سے استدلال شروع کر دیا جیسے "انا عرب بلا
عین" اور اسی طرح دوسری عبارات کہ جن کے الفاظ کا پتہ ہے اور نہ معانی کا ٹھکانہ،
حالانکہ حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے

"من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار"

تو حدیث کی تحقیق علمائے حدیث سے کرنا چاہئے، محض زبانی چرچا نہ چاہئے۔

ان کی اغلاط میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ بعض کا اعتقاد ہے کہ فقیری میں
ایک ایسا درجہ آتا ہے کہ وہاں پہنچ کر احکام شرعی ساقط ہو جاتے ہیں، یہ محض غلط ہے۔
کسی نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا کہ بعض کہتے ہیں کہ ہم تو واصل
ہوگئے، اب ہم کو ان ظاہری احکام کی کیا حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا: بے شک
واصل تو ہوگئے مگر جہنم رسیدہ ہوئے، خدا رسیدہ نہیں ہوئے!

مسائل فرعیہ

اس میں بعض ضروری مسائل بیان کئے جاتے ہیں

مسئلہ:... وصول کے بعد مردود نہیں ہوتا، اس لئے کہ جو بھی مردود ہوا
وصول سے پہلے ہی ہوا۔

مسئلہ:... اولیاء کو عبادت میں دوسروں سے زائد ثواب ملتا ہے، کیونکہ

خصوصیت و اخلاص زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح اعلیٰ درجے کے ولی کا ادنیٰ درجے کے ولی سے عبادت کا زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

مسئلہ:... خرقِ عادت کئی قسم پر ہے:

خرقِ عادت کی ایک قسم کشف ہے، پھر وہ کشف دو طرح کا ہوتا ہے:

۱... کشفِ کونی، وہ یہ کہ بعد مکانی یا زمانی اس کے لئے حجاب نہ رہے، کسی چیز کا حال معلوم ہو جائے۔

۲... دوم کشفِ الٰہی، وہ یہ کہ سلوک سے متعلق یا ذات و صفات سے متعلق علوم و معارف اس کے قلب پر وارد ہوں یا عالم مثال میں متمثل ہو کر مکشوف ہوں۔

خرقِ عادت کی دوسری قسم الہام ہے، وہ یہ کہ قلب پر اطمینان کے ساتھ کوئی علم القا ہو، اور کبھی کسی ہاتفِ غیبی کی آواز بھی سن لیتا ہے۔

تیسری قسم تصرف ہے، پھر وہ دو طرح کا ہوتا ہے، مرید کے باطن میں اس طرح کا اثر ڈالنا جس سے اس کو حق تعالیٰ کی طرف کشش پیدا ہو جائے، دوم یہ کہ اشیائے عالم میں اثر ڈالنا خواہ ہمت سے ہو یا دعا سے۔ اس باب میں اولیاء اللہ سے بے شمار حکایتیں منقول ہیں۔

مسئلہ:... کشف و الہام سے علمِ ظنی حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اگر وہ قواعدِ شرعیہ کے موافق ہو تو قابلِ عمل ہوگا، ورنہ واجب الترک ہوگا۔

مسئلہ:... خوارق کا ہونا ولایت کے لئے ضروری نہیں، بہت سے صحابہ کرام سے عمر بھر میں ایک بھی خرقِ عادت نہیں ہوا، حالانکہ سب اولیاء سے افضل ہیں، لہٰذا فضیلت کا مدار قربِ الٰہی و اخلاصِ عبادت پر ہے نہ کہ خرقِ عادت پر، کیونکہ خوارق تو اکثر جوگیوں سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ جو کہ ریاضت کا ثمرہ ہے، خرقِ عادت کا رتبہ ذکرِ قلبی سے بھی کم ہے۔

عارفین کی بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ شریعت پر مستقیم ہوں، اور ان کا بڑا کشف یہ ہے کہ وہ طالبانِ حق کی استعداد معلوم کرکے اس کے موافق ان کی تربیت کریں۔ شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ بعضے اہلِ کرامت نے مرتے وقت یہ تمنا کی کہ کاش ہم سے کرامتیں ظاہر نہ ہوتیں۔ رہا یہ شبہ کہ پھر اولیاء کا اولیاء ہونا کس طرح معلوم ہوگا؟ سو اول تو ولایت امرِ خفی ہے، اس کے معلوم ہونے کی کیا ضرورت؟ اور اگر معلوم کرنے سے یہ غرض ہے کہ ہم ان سے مستفید ہوں، تو ان کی صحبت و تعلیم سے شرف حاصل کرو، جب اپنی حالت روز بروز متغیر پاؤ گے تو خود ہی معلوم ہوجائے گا کہ یہ شخص صاحبِ تاثیر ہے۔

یہ سب "تفہیم الدین" اور "ارشاد الطالبین" سے ماخوذ ہے اور مکتوب خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ میں بھی اسی طرح ہے۔

مسئلہ:... عورتوں کو دست بدست بیعت نہ کرنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کو بیعت کرتے وقت ہاتھ نہیں لگایا، چنانچہ صاحب محبوب السالکین لکھتے ہیں کہ:

> "بیعت کنانیدن نسواں این است اگر نساء غائب است بوکالت محرم کسی یا رضائی بیعت کند، آنچہ شرائط است بوکیل بفرماید و خرقہ واثنی دہد و اگر نسواں حاضر است در پردہ مرید کند، بیعت دست نہ کند، چنانچہ عہد با رجال کند بعورت نہ کند۔ انتہی۔"

خواتین سے بیعت کرتے وقت وہ عہد لے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نسواں سے لیتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"یٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ

مسئلہ... کاملین کو بھی طلب مزید لازم ہے، لہٰذا قرب الٰہی میں قناعت کسی وقت بھی نہیں ہونا چاہئے جیسے کہ ارشاد الٰہی ہے: "وقل رب زدنی علما"۔

اے برادر! بے نہایت درگہیست
ہر چہ بروے می رسی بروے مایست

جب تک جان باقی ہے، مجاہدہ باقی ہے، کیونکہ ارشاد الٰہی ہے: "واعبد ربک حتی یاتیک الیقین"۔

مسئلہ... قرآن و حدیث کے ظاہری معنی کا انکار کفر ہے، البتہ ظاہر کو تسلیم کر کے اس کے باطن کی طرف عبور کرنا محققین کا مسلک ہے۔

(تعلیم الدین: تھانوی [illegible])

غیر اختیاریہ میں تو انسان کی طاقت میں نہ ہونے سے نہ تحصیل، نہ ازالہ، کیونکہ قدرت ضدین سے معلوم ہوتی ہے، تو جس چیز کی تحصیل اختیار میں نہیں، اس کا ازالہ بھی اختیار میں نہیں، اسی طرح جس چیز کا ازالہ اختیار میں نہیں، اس کی تحصیل بھی اختیار میں نہیں، پس جب یہ انسان کی طاقت و اختیار میں نہ ہوئے اور سالک نے ان کی تحصیل یا ازالہ کو مامور بہ کا موقوف علیہ سمجھا اور ظاہر ہے کہ مامور بہ کا موقوف علیہ مامور بہ ہوتا ہے، تو اس نے ان امور کی تحصیل یا ازالہ کو مامور بہ سمجھا، اور مامور بہ کے لئے وسعت و طاقت کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے، اور یہ اختیار میں نہیں ہے، تو گویا یہ اس امر کا معتقد ہوا کہ مامور بہ کے لئے طاقت و وسعت شرط نہیں، جو کہ ارشادِ الٰہی: "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" کی صریح مزاحمت ہوئی، اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے!

دوسرا مفسدہ یہ ہے... اور یہ عملی مفسدہ ہے، کہ جب یہ امور اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے حاصل ہوں گے نہ زائل ہوں گے، مگر یہ شخص اس کی تحصیل و ازالے کے لئے کوشش کرے گا، جب کامیابی نہ ہوگی، تو روز بروز پریشانی بڑھے گی، پھر اس پریشانی کے درج ذیل آثار کا احتمال ہے۔

اوّل:... کبھی پریشانی کے غلبہ سے یہ شخص بیمار بھی ہو جاتا ہے، پھر بیماری کی وجہ سے اوراد و طاعات سے محروم ہو جاتا ہے۔

ثانی:... پریشانی و غم کے غلبے سے بعض وقت اخلاق میں تنگی ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔

ثالث:... فکر و غم کے غلبے سے بعض اوقات اہل و عیال یا دیگر اہلِ حقوق کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور معصیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

رابع:... کبھی پریشانی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ آدمی رحمت سے مایوس ہو کر

اجزاء جوارحی افعال ہیں، وہ مامور بہ ہیں، کیونکہ وہی اختیاری ہیں۔ البتہ وہ انفعالات بعض تو مطلقاً اور بعض خاص احوال میں محمود ضرور ہیں، اور اس درجے میں مطلوب بھی ہیں، مگر وہ سب انہیں افعال کے آثار و ثمرات ہیں۔ اور افعال ہی ان کے اسباب ہیں، جو فی الجملہ یا فی الاکثر ان کی طرف مفضی ہیں۔ ان کے علل نہیں کہ ان سے متخلف ہی نہ ہوں، اگر تخلف بھی ہو تو مضر نہیں، کیونکہ اصل مقصود قرب و رضا کی وہ شرط نہیں، فقط۔

۶:... سالک کو چاہئے کہ طریق سلوک میں اپنے لئے کسی خاص حالت کو، جو کہ اس کے موافق ہو، یا اس میں بالذات اپنی منفعت سمجھتا ہو، جیسے: شوق، انس، وجد یا تجلی خاص وغیرہ ہرگز تجویز نہ کرے۔ اس میں نفس کا ایک مخفی کر ہے کہ طلب حق میں بھی اپنی مرغوبات و مشتہیات کو نہیں چھوڑتا، اور مشقت سے بھاگتا ہے۔ لہٰذا اس میں اپنے آپ کو مرشد کے حوالے کردے، کیونکہ تربیت کا طریق خود مربی زیادہ جانتا ہے

چونکہ بر میخت ببندد بستہ باش
چوں کشاید چابک و برجستہ باش

ترجمہ:... "جبکہ وہ باندھے تو بند و بستہ ہو، جب وہ کھولے تو چالاک و برجستہ ہو۔"

۷:... تعلقات نہ بڑھانا چاہئے، نہ دوستی کے، نہ دشمنی کے، کیونکہ دونوں میں ایک مستقل شغل ہوگا، جس سے جان کو وبال لگ جائے گا اور یہ شغل ذکر اللہ میں خلل انداز ہوگا۔

۸:... نیاز کی راہ کو اختیار کرے کیونکہ نیاز حق وصول کا موقوف علیہ ہے، لہٰذا ناز و دلال سے بچے۔

۹:... نفس کے حقوق کو باقی اور حظوظ کو فانی کرے۔

۱۰... اہلِ محبت کی صحبت اختیار کرے۔

۱۱... صفتِ جلال کے ظہور کے وقت رجاء منقطع نہ کرے اور صفتِ جمال کے ظہور کے وقت انوار وغیرہ کو مقصود نہ رکھے۔

۱۲... اصلی غرض رضا کو سمجھے اور اس میں ہر دم عمل، سعی، توجہ، ارادہ، دعا اور التجا سے مزید کا طالب رہے

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہر چہ بروے می رسی بروے مایست

(کل ذالک من کتاب وصول الوصول ومکتوب سید سلیمان ندوی ملتقطاً)

تحقیقاتِ مفیدہ

اس میں گفتگو ہے کہ نبوت افضل ہے یا ولایت؟ یعنی محض توجہ الی الحق افضل ہے یا توجہ الی الحق کے ساتھ توجہ الی الخلق ہے، اوّل کو ولایت سے اور ثانی کو نبوت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے منصب نبوت و ولایت ہرگز ہرگز مراد نہیں، مگر اس پر اتفاق ہے کہ ولی سے نبی افضل ہے، کیونکہ وہ نبوت و ولایت کے جامع ہوتے ہیں، جو لوگ نبوت کی افضلیت کے قائل ہیں، وہ نبی کی ولی پر افضلیت سے استدلال کرتے ہیں، اور جو ولایت کی افضلیت کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ولایت میں توجہ الی الحق ہے، اور نبوت میں توجہ الی الخلق، پس ولایت افضل ہوئی۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ ولایت بے شک توجہ الی الحق ہے، مگر نبوت ایک ساتھ توجہ الی الحق والخلق ہونے کی وجہ سے مرتبہ جامعہ ہے، پس ظاہر ہوا کہ نبوت افضل ٹھہری۔

علاوہ بریں اگر ولایت کو افضل کہا جائے تو لازم آئے گا کہ نبی کا نبوت سے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نزول ہوتا ہے، کیونکہ نبی قبل از نبوت ولی ہوتا ہے، پھر

۵:... ان کا انتہائی مقام رضا ہے، یا فناء الفناء۔	۵:... ان کا انتہائی مقام عبودیت ہے۔

فائدہ:... اس امر میں کلام ہے کہ انتہا مقامِ رضا ہے یا فناء؟ مولانا صاحب مدظلہم العالی کی تحقیق یہ ہے کہ باعتبار مقام تخلق کے رضا، اور باعتبار حال کے فناء الفناء ہے۔

۶:... ان پر ذوق وشوق غالب ہوتا ہے، اور عبادت میں لذتِ طبعیہ آتی ہے۔	۶:... ان پر ذوق وشوق غالب نہیں ہوتا، بلکہ ان کو عبادت میں بھی طبعی مزہ نہیں آتا، یعنی اگر نہ آئے تو دلگیر نہیں ہوتے، محض حکم ایزدی سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔
۷:... اہتمام سے دعا نہیں مانگتے۔	۷:... بمقتضائے "اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ" دعا کو لازمی سمجھتے ہیں۔
۸:... اسبابِ ظاہری کو ترک کرتے ہیں۔	۸:... دوسروں کی نسبت زیادہ اسباب سے متمسک ہوتے ہیں، مگر بدون انہماک کے، جیسا کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ میں دو دو زرہیں پہنی تھیں)۔
۹:... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ طبعاً زیادہ محبت کرتے ہیں، مگر اعتقادِ فضیلت ترتیب سے رکھتا ہے۔	۹:... ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔
۱۰:... شیخ کو سارے جہان سے افضل سمجھتے اور اس پر شیفتہ ہوتے ہیں۔	۱۰:... فضیلت کا یقین نہیں کرتے، محبت کرتے ہیں۔

۱۱...ان سے شرائع میں بھی تسامح بھی ہو جاتا ہے اور وہ معذور ہوتے ہیں۔	۱۱...یہ شریعت پر بڑی سختی سے عمل کرتے ہیں۔
۱۲...ان پر سُکر غالب ہوتا ہے۔	۱۲...ان پر صحو غالب ہوتا ہے۔

فائدہ:... تفصیل بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اولیاء خلاف شریعت پر چلتے ہیں، کیونکہ ایک تو نصوص کا ظاہر ہے، جس پر اصحاب حدیث چلتے ہیں، اور دوسرے نصوص کے معانی محقق یا احکام ہیں، جن پر فقہاء عامل ہیں، تیسرے نصوص کے معنی اُخفی ہیں، جس پر بعض احکام میں صوفیہ عامل ہیں؛ لیکن فقہاء کا طریق اسلم ہے، کیونکہ شرعیات ہی سے علت مستنبط کر کے حکم کو متعدی کرتے ہیں، اور صوفیہ بھی اپنے ذوق سے بھی علت نکال کر حکم کو متعدی کر لیتے ہیں، شرعیات سے علت نکال کر حکم متعدی کرنے کی نظیر تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی پائی جاتی ہے، اور اس کا حجت ہونا صراحۃً ثابت ہے، بخلاف ذوق محض کے، کہ اس سے علت نکال کر حکم کو متعدی کرنے کی نظیر معروف نہیں، اور محض ظاہر "یتدبرون، یتفکرون" کے خلاف ہے۔

۱۳...بعض اوقات بعض مغلوبین جماعت سے بھاگتے ہیں، کیونکہ ان کو خفا مقصود ہوتا ہے، مگر ان کی نظر میں ابھی تعمیم باقی ہے۔	۱۳...جماعت کی پابندی کرتے ہیں اور ان کی نظر سے غیر کی مقصودیت کی بالکل نفی ہو چکی ہے۔
۱۴...اگر ان کو شیخ شریعت ظاہر کے خلاف کوئی حکم کرے تو وہ اسے خلاف شریعت نہیں سمجھتے، بلکہ کسی تاویل سے اس پر عمل کر لیتے ہیں مگر غیر قطعیات میں۔	۱۴...یہ اگر ظاہر شرع کے خلاف شیخ کی طرف سے کوئی حکم ہو تو اس کی مخالفت کرتے ہیں، مگر ادب کے ساتھ۔

۱۵... ان پر حبِ عشقی غالب ہوتا ہے۔ ۱۵... ان پر حبِ ایمانی غالب ہوتا ہے۔

فائدہ... جناب مولانا اسماعیل شہید حبِ عشقی کی ترجیح کی نفی کرتے ہیں اور حبِ ایمانی کی ترجیح کے قائل ہیں، اور جناب قبلہ حاجی امداداللہ صاحب نوراللہ مرقدہ اس کے عکس کے قائل ہیں۔

۱۶... اصحابِ سلوکِ ولایت پر بھی تشبیہ غالب ہوتی ہے۔ ۱۶... اصحابِ سلوکِ نبوت پر ہمیشہ تنزیہ غالب رہتی ہے۔

تحقیق لطائفِ ستہ:

لطائفِ ستہ حسبِ ذیل ہیں (بجز لطیفۂ نفس کے کہ وہ عالمِ خلق سے ہے، باقی تمام لطائف عالمِ امر سے ہیں):

۱... نفس۔ ۲... قلب۔ ۳... روح۔
۴... سر۔ ۵... خفی۔ ۶... اخفیٰ۔

فائدہ... مسبوق بالمدۃ والمادۃ عالمِ خلق سے کہلاتا ہے۔

فائدہ... غیر مسبوق بالمادۃ ومسبوق بالمدۃ عالمِ امر سے کہلاتا ہے۔

لطائفِ ستہ کشف سے دریافت ہوئے ہیں، اور ان کے تو حد و تعداد میں اختلاف ہوا ہے، لیکن ان کے افعال و خواص سے ظاہراً ان کی تعداد پر استدلال ممکن ہے، چنانچہ:

نفس	غفلت	قلب	ذکر
روح	حضور	سر	مکاشفۂ ملکوت
خفی	مشاہدۂ دقائق الصفات	اخفیٰ	معاینۂ قرب ذات

فائدہ:... لطیفہ نفس بقیہ لطائف سے متضاد ہے، اور باقی لطائف آپس میں متناسب ہیں، اور ہر تحتانی دوسرا فوقانی کے لئے مدد ہے، اور فوقانی تحتانی پر مشتمل، اس لئے فوقانی ذاکر و جاری ہونے سے تحتانی ذاکر و بھی جاری ہو جاتا ہے۔

مقاماتِ لطائف:

نفس:	زیر ناف	قلب:	زیر پستان چپ
روح:	زیر پستان راست	سر:	مابین قلب و روح
خفی:	مابین دو ابرو	اخفیٰ:	ام الدماغ

اور بعض کے نزدیک لطیفہ نفس کا مقام پیشانی پر ہے، اور سر کا مقام بائیں پستان کے سامنے سینے کی طرف، اور خفی کا مقام داہنے پستان کے سامنے سینے کی طرف، اور اخفیٰ کا مقام وسط سینے میں لطیفہ سر اور خفی کے درمیان میں ہے۔

حضرت حاجی صاحب قبلہ کی یہی تحقیق ہے، اگرچہ بعض نے کچھ اختلاف بھی کیا ہے، اور اس اختلاف کی وجہ اختلاف کشف ہے، چونکہ یہ سب لطائف متصل و باہم متناسب ہیں، جس شخص کو جہاں کسی لطیفہ کا نور نظر آیا اس نے وہیں اس کا مقام سمجھ لیا، حجاب کی وجہ مقام اصلی مشرف ہوا۔

ہر لطیفہ کا رنگ:

نفس:	زرد	قلب:	سرخ
روح:	سفید	سر:	سبز
خفی:	نیلا	اخفیٰ:	سیاہ

فائدہ:... لطائف کی تحقیق مبسوط کا اگر شوق ہو تو رسالہ "انوار" صفحہ ۲۰ ے

بابت ماہ شوال و ذوالقعدہ ۱۳۳۹ھ کا مطالعہ کیا جائے، اسی طرح تحقیق مذکور بھی رسالے کی صورت میں مرتب کی ہے، جس کا نام: "القطائف من اللطائف" ہے۔

سیر الی اللہ کی انتہا فنا والفناء ہے، اور سیر فی اللہ کی کوئی انتہا نہیں۔

نفس اگرچہ ایک ہے، مگر تین مختلف اوصاف کے اعتبار سے آئے: امارہ، لوامہ، مطمئنہ بھی کہا جاتا ہے۔

مراتب یقین:

۱...علم الیقین۔ ۲...عین الیقین۔ ۳...حق الیقین۔

علم الیقین کا مرتبہ یہ ہے کہ کوئی کسی شے کو اعتقاد جزم کے ساتھ جان لے، جیسے: کسی کو یہ علم ہو جائے کہ آگ جلاتی ہے۔

عین الیقین یہ کہ اس کے ساتھ مشاہدہ بھی ہو جائے۔ مثلاً: آنکھ سے دیکھ لے کہ آگ کسی چیز کو جلا رہی ہے۔

حق الیقین یہ کہ اس کے ساتھ اتصاف بھی حاصل ہو جائے، مثلاً: کوئی شخص اپنا ہاتھ آگ میں ڈال کر دیکھ لے اور ہاتھ جل جائے۔

نصیحت:

کبھی اپنی ریاضت پر مغرور نہ ہونا چاہیے، کیونکہ اگر کوئی کافر بھی ریاضت کرے تو اس کو بھی انوار نظر آ سکتے ہیں، اور وہ بھی اس چیز کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے جس کے لئے ریاضت کرتا ہے، اگرچہ بذریعہ اسم مضل ہی کے پہنچے، پس معلوم ہوا کہ محض وصول مقصود نہیں، بلکہ مقصود قبول ہے، اسم مضل کا مظہر جہنم ہے، کافر کی رسائی وہاں ہوگی، اور مظہر اسم ہادی کا مظہر جنت ہے، مومن کی رسائی یہاں ہوگی۔

جہاں کو اشغال نہ بتلانا چاہئے، کیونکہ اس سے بھی کشف ہونے لگتا ہے، اور چونکہ وہ اس کی تاویل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس لئے کہ کشف اکثر کسی نہ کسی صورت مثالی میں ہوتا ہے، جو محتاج تاویل ہے، لہذا مناسب ہے کہ ان کو صرف ذکر ہی تعلیم کیا جائے۔

باری تعالیٰ کی تجلی مثالی یہ ہے کہ کوئی ذات ممکنہ (جو باری تعالیٰ کے کسی وصف میں مناسبت تامہ کے ساتھ مشارک ہو) ظاہر ہو جاتی ہے۔

قطب الارشاد: صاحب تصرف شرعی ہوتا ہے، اور وہ لوگوں کو ہدایت کرتا ہے، اور قطب الکونی: صاحب تصرف تکوینی ہوتا ہے، اور اس سے خرق عادت وغیرہ اکثر اور زیادہ صادر ہوتے ہیں۔

شغل اور فکر میں فرق یہ ہے کہ شغل، تصور ذات کو کہتے ہیں، اور فکر، تصور مذکور کو کہتے ہیں، شغل اور مراقبہ میں فرق یہ ہے کہ شغل میں فقط مفہوم جامد کا تصور ہوتا ہے، جبکہ مراقبہ میں اس کی طرف محکوم بہ کی نسبت کی تصدیق کا تصور ہوتا ہے، محکوم علیہ، موضوع کو اور محکوم بہ محمول کو کہتے ہیں، موضوع مثلاً اللہ ہے، اور محمول مثلاً قدیر ہے، یعنی "اللہ قدیر" میں اللہ موضوع، اور قدیر محمول ہے۔

وصیت:

طالب حق کو چاہئے کہ پہلے مسائل و عقائد اہل سنت والجماعت کے حاصل کرے، پھر رذائل: حرص، بخل، غضب، کبر، ریا وغیرہ سے تزکیہ کرے، اور اخلاق حمیدہ صبر، شکر، اخلاص وغیرہ سے متصف ہووے، گناہ ہو جانے پر توبہ کرے، نعمت پر شکر، اور مصیبت پر صبر کرے، خلاف شرع فقراء کی صحبت سے بچے، لوگوں سے بقدر

مراقبۂ موت

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے
مگر تجھ کو اندھا کیا رنگ و بو نے
کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تو نے
جو معمور تھے وہ محل اب ہیں سونے
ملے خاک میں اہل شاں کیسے کیسے
مکیں ہو گئے بے مکاں کیسے کیسے
ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے
زمیں کے ہوئے لوگ پیوند کیا کیا
ملوک و حشور و خداوند کیا کیا
دکھائے گا تو زور تا چند کیا کیا
اجل نے پچھاڑے تنومند کیا کیا

اجل نے نہ کسریٰ ہی چھوڑا نہ دارا

اسی نے سکندر سا فاتح بھی مارا

ہر اک لے کے کیا کیا نہ حسرت سدھارا

پڑا رہ گیا سب یونہی ٹھاٹھ سارا

یہاں ہر خوشی ہے مبدل بہ صد غم

جہاں شادیاں تھیں وہیں اب ہیں ماتم

یہ سب ہر طرف انقلابات عالم

تری ذات میں بھی تغیر ہے ہر دم

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا

جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا

بڑھاپے نے پھر آ کے کیا کیا دکھایا

اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا

یہی تجھ کو دھن ہے رہوں سب سے بالا

ہو زینت نرالی، ہو فیشن نرالا

جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا؟

تجھے حسن ظاہر نے دھوکے میں ڈالا

وہ ہے عیش و عشرت کا کوئی محل بھی

جہاں تاک میں ہر گھڑی ہو اجل بھی

بس اب اپنے اس جہل سے تو نکل بھی

یہ طرز معیشت تو اپنا بدل بھی

نہ دلدادۂ شعر گوئی رہے گا
نہ گرویدۂ شہرہ جوئی رہے گا
نہ کوئی رہا ہے، نہ کوئی رہے گا
رہے گا تو ذکرِ نکوئی رہے گا

جہاں میں کہیں شورِ ماتم بپا ہے
کہیں فقر و فاقہ سے آہ و بکا ہے
کہیں شکوۂ جور و مکر و دغا ہے
غرض ہر طرف اپنی اپنی صدا ہے

بڑھاپے سے پا کر پیامِ قضا بھی
نہ چونکا نہ جاگا نہ سنبھلا ذرا بھی
کوئی تیری غفلت کی ہے انتہا بھی؟
جنوں تابہ کے ہوش میں اپنے آ بھی

جب اس بزم سے اُٹھ گئے دوست اکثر
اور اُٹھتے چلے جارہے ہیں برابر
یہ ہر وقت پیشِ نظر جب ہے منظر
یہاں پر ترا دل بہلتا ہے کیونکر؟

یہ دُنیائے فانی ہے محبوب تجھ کو
ہوئی واہ کیا چیز مرغوب تجھ کو
نہیں عقل اتنی بھی مجذوب تجھ کو
سمجھ لینا اب چاہیے خوب تجھ کو

جگہ دل لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

"ذاکر عبد ہے اور ذاکر سے عبدیت کا حق ادا
کر رہا ہے، بجز رضائے معبود کے کوئی غرض نہ رکھے،
اور ذکر کے فائدہ پر بھی نظر نہ کرے، ذکر کا فائدہ نظر
آئے یا نہ آئے، ذکر کو نہ چھوڑے۔"

ضرورۃ الشریعۃ والطریقۃ

یعنی

شریعت وطریقت کی ضرورت

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبید اللہ بلیاوی قدس سرہ

ضرورۃ الشریعۃ والطریقۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب یسر وتمم بالخیر

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونصلی ونسلم علی خیر
خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین ۔ اما بعد!

جاننا چاہیے کہ شریعت کی ہر وقت ضرورت ہے، طریقت میں بھی اور حقیقت میں بھی، اور ہر شخص اس کے احکام بجالانے کا محتاج ہے۔

شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔

شریعت کی صورت یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، خواہ وہ امر میں سے ہوں یا نہی میں سے، سب پر ایمان لانا اور عمل کرنا ہے، خواہ دل چاہے یا نہ چاہے۔ جب تک نفس کی منازعت موجود ہے، اس وقت تک احکام شرعیہ کا بجا لانا بطور صورت شریعت کے ہے، ایمان ہے یا نماز ہے یا روزہ ہے، سب بطور صورت کے ہیں، کیونکہ نفس اپنے کفر وانکار پر اڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے اس پر بھی جنت کی خوشخبری دی ہے۔

پھر اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفس کا طغیان وسرکشی دور ہے اور مقصود کا

اور غیریت نظر سے بالکل دور ہو جائے، ونقاوہ میں اغیار کا نام و نشان باقی نہ رہے اور اخلاقِ رذیلہ کی نشو و نما کم ہو جائے تو مقامِ طریقت ختم، اور سیر الی اللہ تمام ہوگئی۔

جب تک نفی کرنے میں ہے، اور نفی پوری نہیں ہوئی، طریقت میں ہے، جب نفی سے انتہا میں پہنچا، طریقت ختم ہوئی اور مقامِ فنا میں تحقق کیا۔ اس کے بعد مقامِ اثبات میں سیر شروع ہوتی ہے، جس کو سیر فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہی بقا کا مقام ہے۔ جو حقیقت کا موطن اور ولایت کا اصل مقصد ہے۔ اس طریقت و حقیقت پر جو فنا و بقا ہے اس پر ولایت کا اسم صادق آتا ہے، اور نفس امارہ نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے، اور کفر و انکار سے ہٹ جاتا ہے۔ اور یہ مقولہ مشہور ہے۔

ہر چند کہ نفس مطمئنہ گردد
ہرگز ز صفات خود نگردد

ترجمہ:... "ہر چند کہ نفس مطمئنہ ہو جائے۔ مگر اپنی صفات سے ہرگز باز نہیں آتا۔"

یعنی نفس مقامِ اطمینان میں بھی آکر اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا، اس پر حضرت قطبِ ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

مقامِ اطمینان میں آکر طغیان و سرکشی کہاں؟ اور حدیث میں جو آیا ہے "رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر" جہادِ اکبر سے مراد قالب کا جہاد ہے، چونکہ قالب مختلف اجزاؤں سے مرکب ہے۔ آب و ہوا، خاک و آتش ہر ایک کے تقاضے مختلف ہیں۔ ہوا یعنی خواہش نفس، بخل، غضب، کبر اور عجب وغیرہ قوت شہوانی اور غضبی ہو یا کوئی اور، سب قالب سے پیدا ہوتی ہیں، نفس کا اطمینان اس جہاد کو ختم نہیں کرسکتا، اور قلب کی تسکین اس تزاحم کو رفع نہیں کر سکتی۔ تو حدیث میں تاکیداً جہادِ اکبر ہی کو فرض کیا۔

فائدہ ا:...اس جہاد کے باقی رکھنے میں بہت سے فائدے ہیں جو قالب کے پاک صاف کرنے میں کام آتے ہیں، حتیٰ کہ اس جہان کے کمالات اور آخرت کی ترقیات اسی سے وابستہ ہیں، کیونکہ اس جہان کے کمالات میں قلب متبوع ہے، اور قالب تابع ہے، اور آخرت میں بالعکس قلب تابع ہے، اور قالب متبوع، جس قدر قالب کی اصلاح ہوگی، اسی قدر وہاں درجات زائد ہوں گے، جب جہان درہم برہم ہوجائے گا تو یہ جہاد بھی ختم ہوجائے گا۔

فائدہ ۲:... جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفس اطمینان میں آجاتا ہے، اور حکمِ الٰہی کے تابع ہوجاتا ہے، تو اسلامِ حقیقی میسر آجاتا ہے، بعد ازاں جو کچھ عمل میں آئے گا، شریعت کی حقیقت ہوگی، اگر نماز ادا کرے گا تو نماز کی حقیقت ہوگی، اور اگر روزہ یا حج ہوگا تو روزہ و حج کی حقیقت ہوگی، علیٰ ہذا القیاس۔

پس طریقت و حقیقت دونوں شریعت کی صورت اور اس کی حقیقت کے درمیان متوسط ہیں، جب تک ولایت خاصہ سے مشرف نہ ہوں، اسلامِ مجازی سے اسلامِ حقیقی تک نہیں پہنچ سکتے۔

فائدہ ۳:...اسلامِ حقیقی میسر ہونے کے بعد اس لائق ہوگا کہ کمالاتِ نبوت سے انبیاء علیہم السلام کی وراثت اور تبعیت کے طور پر کامل حصہ پائے، جس طرح شریعت کی صورت کمالاتِ ولایت کے لئے شجرۂ طیبہ یعنی پاک درخت کی طرح ہے، گویا کمالاتِ ولایت صورتِ شریعت کے ثمرات ہیں، اسی طرح شریعت کی حقیقت بھی کمالاتِ نبوت کے لئے شجرۂ طیبہ کی طرح ہے، اور کمالاتِ نبوت گویا حقیقتِ شریعت کے ثمرات ہیں، جب ولایت کے کمالات، صورت کا ثمرہ اور کمالاتِ نبوت حقیقت کا ثمرہ ہیں، تو اس لحاظ سے کمالاتِ نبوت حقائق کی طرح ہوں گے، اور کمالاتِ ولایت اُن کی صورتوں کی طرح۔

جاننا چاہیے کہ صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت میں فرق نفس کی جہت سے تھا، یعنی صورتِ شریعت میں نفس امارہ، اور اپنی نافرمانی پر تھا، اور حقیقتِ شریعت میں نفس مطمئنہ، اور مسلمان ہو گیا تھا، اسی طرح کمالاتِ ولایت جو کہ صورت کی طرح ہیں اور کمالاتِ نبوت جو حقیقت کی طرح ہیں۔ ان میں قالب کی جہت سے فرق ہے، مقامِ ولایت میں قالب کے اجزاء اپنی سرکشی اور نافرمانی پر ہیں، مثلاً: اس کا جزو ناری نفس کے اطمینان کے باوجود اپنی بہتری اور تکبر کا دعویٰ نہیں چھوڑتا، اور جزو خاکی اپنی پستی، کمینہ پن اور بخل سے پشیمان نہیں ہوتا، علیٰ ہذا القیاس، مگر کمالاتِ نبوت میں قالب کے اجزاء بھی اعتدال پر آ جاتے ہیں اور افراط و تفریط سے ہٹ جاتے ہیں۔

سوال:... جب قالب کے اجزاء بھی اعتدال پر آ جائیں اور سرکشی سے ہٹ جائیں تو پھر ان سے جہاد کی کیا صورت ہے؟

جواب:... نفس کے اطمینان اور قالب کے اجزاء کے اعتدال کے درمیان فرق ہے، کیونکہ نفس مقصود ذاتی اور ناتیج ہے، اور عالم امر سے ملا ہوا ہے، جو کمال فنا اور سکر سے متصف ہے، اور یہ اجزاء احکام شرعیہ کے بجالانے کے باعث، جن کی بنیاد صحو پر ہے، فنا و سکر سے مناسبت نہیں رکھتے، کیونکہ جو فانی اور مستہلک ہے، اس میں مخالفت کی گنجائش نہیں، اور جو صحو و ہوش میں ہے اگر بعض مصلحتوں کے باعث بعض امور میں مخالفت کی صورت ظاہر کرے تو ایسا ہو سکتا ہے، امید ہے کہ یہ مخالفت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترکِ مستحب سے اوپر نہ جائے گی اور مکروہ تنزیہی کے ارتکاب سے اوپر مکروہ تحریمی تک نہ جائے گی، پس قالب کے مرتبے میں اس کے اجزاء کے اعتدال کے باوجود جہاد متصور ہوگا، اور مطمئنہ میں جہاد ناجائز ہوگا، پھر اگر فضل خداوندی سے کمالاتِ نبوت، جو کہ حقیقتِ شریعت کے ثمرات سے ہے، اس کے انجام

تک پہنچ جائے، تو بطور وراثت وطفیلی ہونے کے آگے کمالات رسالت و اولو العزم وغیرہ کی ترقیات اعمال پر موقوف نہیں، بلکہ محض فضل و احسان پر موقوف ہیں۔ اور اس سے یوں نہ سمجھیں کہ اس مقام میں صورت شریعت و حقیقت شریعت سے استغناء ہوجاتا ہے اور احکام شریعت کے بجالانے کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ یہی صورت و حقیقت آگے کے مقامات عالیہ کے لئے بطور بنیاد کے ہیں، مکان جتنا بلند ہوتا جائے گا، اتنا ہی بنیاد کا زیادہ محتاج ہے، پس شریعت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے، اور ہر شخص اس کے احکام بجالانے کا محتاج ہے۔

نبوت، ولایت سے افضل ہے:

نیز یہ بھی معلوم ہو کہ بعض لوگ کج فہمی سے ولایت کو نبوت سے افضل گردانتے ہیں، حالانکہ ولایت کبھی بھی نبوت سے افضل نہیں ہوسکتی۔ کمالات ولایت (جو کہ صورت شریعت کا ثمرہ ہیں) کمالات نبوت کے مقابلے میں (جو کہ حقیقت شریعت کا ثمرہ ہیں) کچھ حیثیت نہیں رکھتے، آفتاب کے مقابلے میں ذرہ کی کیا حیثیت ہے؟ یہ لوگ نبوت کو خلق کی طرف متوجہ ہونے کے باعث قاصر جانتے ہیں اور ولایت کو جو کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہے، افضل سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ نبوت میں اگرچہ ظاہر میں خلق کی طرف توجہ ہے، مگر وہ تکمیل کے بعد ہے، اور عروج سے نزول کی طرف جو بھی آیا ہے تو وہ بفرمان حق تعالیٰ آیا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے کامل مکمل عالم چھوٹی کتابیں پڑھاتا ہے، اس کا یہ چھوٹی کتابیں پڑھانا کمال کے منافی نہیں، اور کمالات ولایت والوں کو یوں سمجھو جیسے ابتداء میں چھوٹی کتابیں پڑھنے والا ہو اور وہ پڑھنے بھی تکمیل کی غرض سے۔

نیز یہ بھی واضح ہو کہ ولایت والے کا نفس کئی درجے میں مطمئن ہوتا ہے اور قلب ویسے ہی سرکش اور عروج کے وقت بھی اس کو بطور طفیل کے کچھ حاصل ہونے والا ہوتا ہے. مگر نبوت والے کا اطمینان کچھ علیحدہ ہے اور کمالات بھی علیحدہ ہیں، ان کی نہایات تک کوئی کیونکر، زبان اور قلم کیسے پہنچ سکیں؟

وما علینا الا البلاغ

موضوع کی مکمل تفصیل مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی دفتر دوم مکتوب نمبر ۴۰۴،۵۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جاننا چاہیے کہ دنیا میں اگرچہ دنیوی لذتیں، بلند منصب، حکومت اور وزارت سے عظمت، ہیبت اور محبت ہے، مگر یہ سب نامکمل کمالات ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اتباع قرآن مجید پر عمل اور ذکر الٰہی کرنے سے شوکت، وقار، دبدبہ، آبرو اور شہرت ہے۔ عاقل پر واجب ہے کہ باقی کے کمالات حاصل کرنے سے غافل نہ ہو جائیں اور دنیوی لذات میں پھنس کر اخروی عزت برباد نہ کریں اور اخروی تعمیر کلی شریعت کی اتباع میں ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد رسولہ واتباعہ اجمعین

تصوف کے متعلق عرض

تصوف و شریعت ایک دوسرے کے عین ہیں:

تصوف کے متعلق اکثر عوام و خواص میں کثیر اغلاط واقع ہوئی ہیں۔ کوئی کشف و کرامت کو تصوف جانتا ہے، کوئی اشغال، مراقبات، اعمال اور کیفیت کو تصوف کہتا ہے، کوئی خاص رسوم و عادات کو، کوئی مجاہدات و ریاضت اور ترکِ تعلقات کو، کوئی فلسفی یا ذہنی مزاج، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود کے نظریات کو، اور کوئی اس کو اسرار و مغیبات کا مجموعہ مراد لیتا ہے، حتیٰ کہ اہلِ مغرب نے اس کا نام ہی سرّیت (مسٹری ازم) رکھ دیا ہے، اور سب غلطیوں میں سے بڑی غلطی یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے طریقت، حقیقت اور معرفت کو شریعت کا مقابل یا اس کی ضد گمان کرلیا ہے، حالانکہ طریقت و حقیقت، شریعت کا جزو، بلکہ عین شریعت ہیں، جیسے انسان کے دو رخ ہیں، ظاہر و باطن، یا قلب و قالب، اسی طرح دینِ کامل یعنی شریعت کے بھی دو رخ ہیں: ۱:... قالب و ظاہر کے اعمال و احکام ۲:... قلب و باطن کی تعمیر و احسان۔

جیسے: نماز، روزہ، تمام ظاہری ارکان و احکام، باطنی خشوع و خضوع اور صحتِ نیت کا ("انما الاعمال بالنیات") نام ہے۔ اگر ارکان صحیح نہیں تو نماز بھی صحیح نہیں اور اگر صحتِ نیت نہیں، مثلاً: ریا مقصود ہے تو بھی نماز صحیح نہیں، پس جس طرح نماز تمام ارکان کی صحت اور نیت کی صحت کا نام ہے، اسی طرح اگر ظاہر و قالب یعنی شریعت پر

نہیں تو دین کامل نہیں، اور اگر باطن اخلاص، اخلاقِ حمیدہ اور صحتِ عقیدہ سے متصف نہیں تو بھی دین کامل نہیں، جیسے نماز میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے نماز ہی نہیں رہتی، (جیسے ترکِ فرائض وارکانِ نماز رکوع، سجدہ وغیرہ)، اور بعض ایسی ہیں کہ ان کے نہ رہنے سے نماز ناقص ہوجاتی ہے، مثلاً: واجبات کا ترک)، اسی طرح صحتِ عقیدہ، اخلاص کے نہ ہونے سے دین مطلقاً نہیں رہتا، اور اخلاقِ حمیدہ، مثلاً: شکر، قناعت، توکل وغیرہ کے نہ ہونے سے دین ناقص ہوجاتا ہے، مطلق معدوم نہیں ہوتا۔ الحاصل شریعت وتصوف ظاہر و باطن کی مجموعی اسلاح کا نام ہے۔ تصوف عین ہے شریعت کا، اور شریعت عین ہے تصوف کا، اور جس نے شریعت کو صرف ظاہری احکام واعمال کا نام دے رکھا ہے، اور تصوف کو صرف باطنی کمالات سمجھ کر وہ بھول میں پڑا ہوا ہے، فافہم!

تصوف کے بغیر کامل مسلمان ہونا مشکل ہے:

یاد رکھنا چاہئے کہ شریعت کے احکام اوامر یعنی جن کے کرنے کا حکم ہے، اور احکام نواہی یعنی جن سے رکنا ضروری ہے، یا جو احکام ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کلمہ پڑھنا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرنا وغیرہ اور چوری، زنا، شرک اور کلماتِ کفر وغیرہ سے پرہیز، یا جو احکام باطن سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے ایمان وتصدیقِ عقائدِ حقہ، صبر، شکر، توکل، رضا بالقضا اور اخلاص وغیرہ، ان کو "مامورات" کہتے ہیں، اور عقائدِ باطلہ، ریا، تکبر اور عجب وغیرہ ان کو "مناہی" کہتے ہیں، اور معلوم ہوچکا ہے کہ شریعت وتصوف ایک دوسرے کے عین ہیں، یا بقول بعض جزوِ شریعت ہے، جیسے بغیر شریعت کے مسلمان نہیں رہ سکتے، اسی طرح بغیر تصوف کے مسلمان نہیں ہوسکتا، یا مسلمان کامل نہیں ہوسکتا، واللہ تعالیٰ اعلم!

ان چیزوں کو تصوف کے مقاصد و غایات سمجھ لیا، حالانکہ ان کی حیثیت تدابیر و مقدمات یا آثار و ثمرات کی ہے، یہ چیزیں فقط مقاصد تصوف نہیں، اس لئے ان کو بدعات کہنا سرے سے بے معنی ہے، کیونکہ بدعت احداث فی الدین کا نام ہے، یعنی دین میں دین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا، نہ کہ احداث للدین کا، یعنی جس طرح مقاصد دین کے حصول کے لئے نئی نئی تدابیر و ادویہ کا تجربہ اور اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جیسے خود دین میں علوم دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے مدرسے کھولنا، کتب خانے کھولنا، علم صرف، نحو، منطق پڑھنا، وغیرہ بدعت نہیں، اسی طرح اصحاب باطن کے لئے وظائف و مراقبات وغیرہ احداث فی الدین نہیں، بلکہ احداث للدین ہے، اس لئے یہ چیزیں نہ بدعات ہیں، نہ ان کو کتاب و سنت میں ڈھونڈنے کی ضرورت ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

نیز ان کے اصل مقصد ہونے اور تدبیر ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مقاصد کی طرح ان تدابیر میں سے کسی خاص تدبیر کو اختیار کرنا لازم و واجب نہیں ہے، ہاں! اپنی اصلاح و تزکیہ کے لئے خود ہی کسی وظیفے کو اختیار کرلے یا کوئی شیخ ماہر اس کے لئے کوئی ورد یا تدبیر فرمادے، اور اس کو لازم پکڑنے تو اور بات ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی ممانعت یا قباحت نہ آئے، مثلاً: صوم وصال کو لازم کرلے، یا ایام تشریق میں روزہ نہ چھوڑے وغیرہ۔

بعض اذکار صوفیہ کے چند فوائد کا بیان:

صوفیہ کرام کے نزدیک ایک شغل پاس انفاس ہے، اس کا فائدہ: یکسوئی، خطرات کا کم ہونا اور جمعیت کا آنا ہے، گو جمعیت خود مقصود نہیں، لیکن یہ اطمینان قلب کا مقدمہ اور پیش خیمہ ضرور ہے، اسی لئے صوفیہ کرام نے بعض اذکار و شغل مقصود کے

احباب کو اجازت بطور سفارت دی گئی ہے جن کے اسماء اس رسالے میں تحریر کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندہ کی اجازت ذکر اور سلسلہ چلانے کی رخصت میں قبولیت عطا فرمائے اور ان لوگوں کو اخلاص سے ذکر اور مراقبات بتلانے کی ہمت تمام عنایت کرے اور مقبول و مشکور کرے، آمین!

۱: الحاج مولانا عبدالحی صاحب۔

۲: مولانا المکرم مولوی غلام سرور مرحوم مفتی والا تحصیل شجاع آباد، ملتان۔

۳: مولانا المکرم حافظ دوست محمد مرحوم، ساکن دولا سلطان، ضلع جھنگ۔

۴: مولانا المکرم شاہ محمد شاہ قریشی مرحوم، ساکن مسجد ابدالی، شہر ملتان۔

۵: مولانا المکرم قاری شیر محمد صاحب مہاجر پڑھیلیون، مقدمہ۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو اور ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کامیاب و سرفراز اور آباد فرمائے، آمین!

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین!

ہوجائے تو محمود ہے، اور اگر نہ ہو تو مقصود میں کچھ خلل نہیں، اسی لئے کہا گیا ہے:
"المقامات مقاصد، والأحوال مواهب" ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ سلوک طریق میں تین امر
محوثِ عنہ ہیں:

۱:... علوم (مسائل):... جن سے مقصود میں بصیرت ہوتی ہے۔

۲:... اعمال:... جو کہ مقصود ہیں اور ان ہی کا اہتمام ضروری ہے۔

۳:... احوال:... جو کہ مقصود نہیں، گو محمود ہیں، ان کے درپے نہ ہونا چاہئے۔

چونکہ مقصود تو اعمال ہیں، پس اعمال کی تحصیل و تیسیر کے لئے بعض چیزیں
(ذرائع) ممد و معین ہیں، نیز بعض چیزیں (توابع) حوائل میں سے غیر محتملۃ الضرر
ہیں، اور بعض محتملۃ الضرر ہیں، اسی طرح اعمال و ذرائع میں بعض مفید بالخطر ہیں اور
بعض مفید مع الخطر ہیں، جن کا نقشہ حسبِ ذیل ہے:

وہ چیزیں جو ممد و معین اور سہولت دینے والی ہیں، چار ہیں: ۱:... قلتِ کلام،
۲:... قلتِ طعام، ۳:... قلتِ اختلاط مع الانام، ۴:... قلتِ منام۔

قلتِ کلام:... کی تدبیر یہ ہے کہ بلاضرورت کلام نہ کریں، اور ضرورت کی
حد یہ ہے کہ اندیشہ ہو کہ کلام نہ کرنے سے نقصان ہوگا، یا بڑا فائدہ نہ ہوگا۔ اگر کوئی
کچھ بات پوچھے تو بقدرِ ضرورت جواب دے کر ذکر وغیرہ میں مشغول ہوجائیں، اسی
طرح بلاضرورت کسی کے پاس نہ جائیں۔

قلتِ طعام:... اتنا کھائے کہ عبادت و معاش حاصل کرنے کی قوت رہے۔

قلتِ منام:... اتنا نیند کرے کہ صحت میں نقص نہ ہو، زیادہ نیند کرنا مضر ہے۔

قلتِ اختلاط مع الانام:... اس کا طریقہ یہ ہے کہ تعلقاتِ سابقہ کم
کرے اور بقدرِ ضرورت و کفایت آمد و رفت اور میل جول رکھے، ہوسکے تو اس سے
بھی کم کرتا جائے۔

وہ اعمال (ذرائع میں سے) جو غیر محتمل الضرر اور مفید بلا خطر ہیں:

۱:... ذکر:... میں ذات کی طرف بغرضِ محبت توجہ کرنے سے مذکور کی محبت بڑھتی ہے، بشرطیکہ اخلاص ہو، ذکرِ قلبی میں توجہ اور کشش الیٰ اللہ دل میں ہونا ضروری ہے۔ دوام ہو تو اعلیٰ و افضل ہے، اور عدمِ دوام بھی بڑی چیز ہے، اور ذکرِ قلبی میں حرکت و جنبش ضروری نہیں۔

۲:... شغل:... میں تصورِ "اسمِ ذات" ہوتا ہے، اسمِ ذات کی کثرت پر "ذکرِ قلبی" مرتب ہو جاتا ہے۔

۳:... مراقبہ:... میں رحمتِ خاص و عام کا منتظر رہنا ہوتا ہے۔ مراقبات کثیر ہیں، ابتدائی مراقبہ فکرِ موت، قبر، حشر اور رب العالمین کی پیشی ہے۔

وہ احوال (نتائج میں سے) جو غیر محتمل الضرر اور مفید بلا خطر ہیں، وہ یہ ہیں:

۱:... وحدۃ الوجود، ۲:... فنا، ۳:... بقا، ۴:... اجابتِ دعا، ۵:... فراستِ صادقہ، ۶:... رؤیائے صالحہ ...وجد۔

۱:... وحدۃ الوجود:

وحدۃ الوجود کی اجمالی حقیقت یہ ہے کہ ممکنات نظر سے غائب ہو جائیں اور اپنی ہستی کو مٹا کر خدا تعالیٰ کی ہستی کا مشاہدہ کرے، نہ کہ کائنات کو خدا مان لیوے۔ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک قول میں صاف تصریح کر دی ہے کہ: "انا الحق" کے معنی یہ ہیں کہ: میں کچھ نہیں ہوں۔ یہ معنی نہیں کہ: میں سب کچھ ہوں۔

(سیرت ابن منصور ص:۷۸)

وحدۃ الشہود، وحدۃ الوجود سے فرق صرف اتنا ہے کہ جیسے ماہتاب کا نور آفتاب کے نور سے حاصل ہوتا ہے، پس اگر ماہتاب کے ظلی نور کا اعتبار نہ کیا جائے تو یہ وحدۃ الوجود کی مثال ہے، اور اگر کچھ نہ کچھ اعتبار کیا جائے کہ وہ ماہتاب، آفتاب کے

۴:...فراستِ صادقہ:

فراستِ صادقہ مؤمن کو نصیب ہوتی ہے اور کافر کی فراست استدراج ہے، فراست کا معنی یہ ہے کہ چیز کی اصل حقیقت نظر آئے۔

۵:...رؤیا صالحہ:

رؤیائے صالحہ مبشرات میں سے ہے، خواب مؤثر تو ہوتا نہیں، کیونکہ قرب یا بعد میں اس کو دخل نہیں، البتہ اگر واقعی خواب ہو تو کسی عمل پر یا تنبیہ کا اثر ہوسکتا ہے، اور ہم جیسوں کے خواب تو درحقیقت خواب ہی نہیں، اس لئے وہ مؤثر نہیں، اثر کا نہ ہونا اس لئے کہ وہ قابلِ التفات ہی نہیں۔

۶:...وجد:

وارد قوی کے آنے سے قلب میں برداشت نہیں رہتی اور بدن قابو میں نہیں رہتا۔

دو عمال (ذرائع میں سے) جو محل النظر اور عقیدہ مع النظر ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱:...تصورِ شیخ، ۲:...عشقِ مجازی، ۳:...سماع۔

۱:...تصورِ شیخ:

اس کو برزخ و رابطہ کہتے ہیں، اس کا فائدہ یکسوئی و تقویتِ نسبت ہے، عوام کو مضر اور خواص کو مفید ہے۔

۲:...عشقِ مجازی:

عشقِ مجازی اکثر کو مضر اور بعض کو یکسوئی کا فائدہ دیتا ہے، جبکہ غیر اختیاری طور پر ہو جائے اور کوئی حرکت خلافِ شرع نہ کرے۔

۳:...سماع:

شرائط سماع چار ہیں:

۱:...سامع (سننے والا) از اہل شہوت وہوا نہ ہو۔

۲:...مسمع (سنانے والا) کامل مرد ہو، عورت اور نابالغ نہ ہو۔

۳:...مسموع (جو کچھ سنایا جارہا ہے وہ) ہزل وفحش نہ ہو۔

۴:...آلہ سماع، مثلاً: چنگ ورباب نہ ہو۔

ان تمام شرائط سے سماع جائز ہے، کذا فی الفواد، بایں ہمہ سماع کیفیت غالب کو قوت دیتا ہے، اگر سامع کو حب غیراللہ ہے تو اس کو مدد دے گا، اور اگر ماسوی اللہ سے منقطع ہے، تو اس کی اعانت کرے گا۔

وہ احوال (توابع میں سے) جو محتمل الضرر اور مفید مع الخطر ہیں، وہ یہ ہیں:

۱:...تصرف، ۲:...کشفِ کونی، ۳:...کشفِ الٰہی، ۴:...وحدۃ الوجود مع السکر۔

۱:...تصرف:

ریاضت ومجاہدہ شاقہ پر کبھی تصرف مترتب ہوجاتا ہے، مثلاً: توجہ سے بیمار کو شفا ہوجائے اور دشمن مغلوب ہوجائے، یہ تو کافر ومؤمن میں مشترک ہے، اس لئے بزرگ اس سے بہت خائف ہوتے ہیں۔

۲:...کشفِ کونی:

یہ دُنیاوی معاملات کا ظہور ہے کہ دور کی چیز نظر آجائے یا قلب میں اس کا ظہور ہو، اس میں بھی عامل باسنے وغیرہ عامل باسنے مساوی ہیں، چنانچہ یہ بھی کوئی کمال کی چیز نہیں۔

۳:...کشف الٰہی:

صفات و افعالِ الٰہی کا ظہور ہو، مثلاً کسی کی تقدیر کا راز کھل جائے، یہ مؤمن کو نصیب ہے، مگر نہ ہونے سے سلوک میں نقص نہیں۔

۴:...وحدۃ الوجود مع السکر:

انوارِ غیب کے غلبے سے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز کا اُٹھ جانا، سکر ہے، اور اس امتیاز کا عود کرنا صحو ہے۔

فائدہ:...تصرف، انوار وغیرہ محتمل الضرر اس لئے ہیں کہ ان میں عجب، کبر وغیرہ کا مرض پیدا ہو جاتا ہے:

مبارک مصیبتے کہ مرا بہ حضور آورد
زنہار ز طاعتے کہ مرا بہ عجب آورد

موانعِ طریق:

موانعِ طریق یہ ہیں: حسن پرستی، تجمل، تصنع، مخالفتِ سنت اور مخالفتِ شیخ۔

فائدہ:...مخالفتِ سنت کا ضرر متیقن ہے، نہ کہ محتمل، مگر بطورِ استدراج کے اس میں کچھ کیفیات نظر آتی ہیں، اسی لئے وہ چیزیں محمود معلوم ہوتی ہیں، مگر انجام خراب ہوتا ہے۔

عرض:...خلاصہ دانشِ تصوف پیشِ خدمت ہے، مدعیِ صحت کا نہیں ہوں، اگر واقعی کوئی دیکھ لے اور اس کو غلطی نظر آجائے تو اصلاح کردے۔

یـا رَبِّ صـلِّ وَسـلِّـمْ دائـمـا أبدًا
عَـلٰى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

ثمرات مقصود نہیں، صرف رضائے الٰہی مقصود ہے:

اگر کوئی بچہ بیمار ہو تو دوا دارو کرو، مگر ثمرہ متعین نہ کرو کہ یہ اچھا ہی ہو جائے، بلکہ معاملہ محض ذاتِ حق کے لئے کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کا یہ حق رکھا ہے کہ بیماری میں ان کی خدمت کرو، علاج کرو، ثمرہ پر نظر نہ کرو۔ اسی طرح ذکر و شغل میں لگو تو رضائے حق پر نظر رکھو، لذت و شوق وغیرہ کو مطلوب نہ سمجھو، اگر قبض ہو تو خوش رہو، بسط ہو تو خوش رہو، کیفیات نہ ہوں تو خوش رہو، کیفیات ہوں تو خوش رہو:

زندہ کنی عطائے تو
گر بکشی رضائے تو
ناخوش تو خوش بود بر جان من
دل فدائے یار دل رنجان من

مشورہ کی برکت:

اگر بڑا اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ غلطیوں سے محفوظ رہے گا، چہ جائیکہ چھوٹا اپنے بڑوں سے کرے، وہ تو بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

تصوف کا ہر شخص اہل ہے:

تصوف کے سیکھنے کی استعداد ہر مسلمان میں ہے، کیونکہ تصوف کا مقصود اصلی رضائے مولیٰ ہے، اور مامور بہ کا اختیاری ہونا ضروری ہے، اور اختیاری امر کا ہر شخص اہل ہے۔ دراصل تصوف نام ہے مقامات کا، لوٹنے پوٹنے کا نام تصوف نہیں، بلکہ مقامات کا نام تصوف ہے، اور مقامات بھی ملکات ہیں۔ مثلاً اخلاص، رضا، تواضع وغیرہ، ان کا حصول ہو جائے، اور ان کی اضداد مثلاً ریا، کبر، اعتراض وغیرہ سے نکل جاؤ، بس صوفی ہو گئے۔

مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی حقیقت:

مکہ مکرمہ کی حقیقت تجلّیٔ الوہیت، اور مدینہ منورہ کی حقیقت تجلّیٔ عبدیت ہے، اور عارف ہر وقت اپنے اندر تجلّیٔ الوہیت اور تجلّیٔ عبدیت کا مشاہدہ کرتا ہے، وہ جہاں بیٹھے گا، مکہ اور مدینہ اس کے ساتھ ہے، توحید میں اللہ تعالیٰ کے سوا نفع ونقصان میں کسی غیر پر نظر ہی نہیں رہتی، اور عبادت وطاعات اور ہر کام سنت سنیہ کی مطابقت میں بسر ہوتا ہے۔

عبادت کو عنوانِ دُعا سے تعبیر کرنے کا نکتہ:

قرآن مجید میں جابجا عبادت کو عنوانِ دُعا سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس میں بتلایا گیا ہے کہ تم جو ہماری عبادت کرتے ہو، حقیقت میں ہم سے مانگتے ہو، اسی لئے غائبانہ غیر اللہ کو پکارنا، حرام ہے، کیونکہ وہ عبادت کا فرد ہے، اور غیر اللہ کی عبادت حرام ہے۔

توحید کی برکت:

موحد کو ایسا اطمینان ہوتا ہے جیسا بچے کو ماں کی گود میں اطمینان ہوتا ہے، بچہ ماں کی گود میں جاکر بالکل بے فکر ہوجاتا ہے کہ بس اب کسی کا خوف نہیں۔

دین بزرگوں کی نظر سے پیدا ہوتا ہے:

اہلِ عشق میں امراضِ قلب، مثلاً: تکبر، ریا وغیرہ نہیں ہوتے، اور زاہدانِ خشک میں تکبر، ریا، عجب وغیرہ بہت سے امراض ہوتے ہیں، اسی لئے عشاق کی صحبت کی ضرورت ہے۔

پوری کوشش کرو کہ ان کا پتا لگ جائے، پھر ان کا حق پہنچادو یا معاف کرالو اور اگر معلوم ہو کہ وہ مرگئے ہیں تو ان کے مالی حقوق ان کے ورثاء کو پہنچادو یا ان سے معاف کرالو، اگر ورثاء کا پتا نہ لگے تو جتنی رقم ظلم و رشوت سے لی ہے، اتنی رقم خیرات کردو اور یہ نیت کرو کہ ہم ان کی طرف سے دے رہے ہیں، یہ حقوق مالیہ کا حکم ہے۔

اور غیبت، شکایت اور جانی ظلم کی معافی کا طریقہ یہ ہے کہ اگر مظلوم مرگیا ہو یا لاپتا ہو تو اس کے حق میں دعا کرو، نماز و قرآن پڑھ کر اس کو ثواب بخشو اور عمر بھر اس کے لئے دعا کرتے رہو، ان شاء اللہ تعالیٰ، حق تعالیٰ ان کو تم سے راضی کردیں گے، اگر تم نے کسی کے تمام عمر حقوق مارے ہیں، پھر بھی عزم کرلو اور ادا کرنے پر کمر بستہ ہوجاؤ، اور حسب وسعت ادا کرنا شروع کردو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تم سے راضی کردیں گے، اور اگر کسی عذر مثلاً افلاس وغیرہ کی وجہ سے مجبوری ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ حدیث میں آیا ہے کہ ہم خود حقوق ادا کردیں گے اور اس شخص پر اصلاً مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

دین کا کمال کس پر موقوف ہے؟

دین کا کمال دو باتوں پر موقوف ہے: ا۔ ایک اپنی تکمیل، ۲۔ دوسروں کی تکمیل، اور دوسروں کی تکمیل وصیت، نصیحت اور تبلیغ سے ہوتی ہے۔

دوستوں سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے:

دوستوں سے باتیں کرنا عبادت ہے، اس لئے کہ اس میں تطییب قلب مؤمن ہے، اور وہ عبادت ہے۔

نور ایمان کی تحصیل کا طریقہ:

نور ایمان کی تحصیل کا طریقہ ذکر و فکر ہے، فکر کا طریقہ یہ ہے کہ ہر کام میں

سوچ لو کہ اس سے ہم پر بلا تو نازل نہ ہوگی؟ جس کی برداشت نہ ہوسکے، اس کے بعد آپ کی زندگی بہت پُرلطف ہوگی۔ خلاصہ دستور العمل کا یہ ہے کہ:

۱:... ہر کام اور ہر بات کو سوچ کر کرو۔

۲:... اپنے اعمال کا حساب کتاب کیا کرو۔

۳:... اپنی نافرمانیوں کو سوچو اور ان سے توبہ کرو۔

۴:... عذاب کو یاد کرو، اس سے حیاء وخوف پیدا ہوگا۔

۵:... جنت کو یاد کرو، اس سے جنت کی نعمتوں کا شوق پیدا ہوگا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین،

والصلوٰۃ والسلام علٰی خیر خلقہ محمد وآلہٖ واصحابہ

واتباعہ اجمعین من الصلوٰۃ والسلام افضلھما

واکملھما وادومھما، آمین!

احوالِ تصوّف میں بعض ارشادات

اپنے آپ کو بدترین خلائق سمجھنا:

حال:... اگر سالک کے دل میں یہ خطرہ آتا ہے کہ تو بدترین خلائق ہے۔ تیرا کوئی نیک کام کسی قابل نہیں۔

تحقیق:... یہ قطرہ تو بحرِ معرفت کا ایک قطرہ ہے، خدا تعالیٰ اس کو دریا کردے۔

غم کی حکمت:

یہ ہے کہ غم سے شکستگی کی شان پیدا ہوتی ہے، جس سے تکبر، غرور وغیرہ کا علاج ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں ہیں۔

علاج:... خوف اور حزن رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا تذکرہ نہ کرے، اس کا سبق روزمرہ نہ پڑھا کرے، دوسرے یہ کہ اپنے ذہن کو اس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کرے، ذہن کو کسی اور بات کی طرف لگادے۔

علومِ مکاشفہ کا درجہ:

علومِ مکاشفہ سب ایسے ہی ہیں، جو قرب میں دخیل نہیں، مثلاً وحدۃ الوجود یا

تجرد و امثال وغیرہ کہ ان کا قربِ الٰہی میں کچھ دخل نہیں، گو ان کے اثرات سے کسی ایسے اثر کی نوبت آجائے جس کو قرب میں دخل ہو، جیسے وحدۃ الوجود کے غلبہ سے انقطاع عن الخلق میں قوت ہوجائے، مگر فی نفسہٖ ان کو قربِ حق میں کوئی دخل نہیں۔

کرامت کا رتبہ:

کرامت کا مرتبہ ذکرِ لسانی سے بھی گھٹا ہوا ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ذکر سے کچھ قرب تو حاصل ہوتا ہے اگرچہ وہ ذکر توجہ سے نہ بھی ہو، لیکن کرامت سے تو کچھ بھی قرب نہیں ہوتا، بلکہ خود کرامت بھی قرب سے پیدا ہوتی ہے، قرب، کرامت سے پیدا نہیں ہوتا۔ تو غایت مافی الباب وہ علامتِ قرب ہے، بشرطیکہ وہ واقعی کرامت بھی ہو، بے نماز، فاسق و فاجر بلکہ کافر سے بھی بعض ایسی خرقِ عادت چیزیں ظاہر ہوجاتی ہیں جن کو "استدراج" کہتے ہیں۔

علومِ کشفیہ کا مطالعہ مضر ہے:

نہ ان کا کبھی مطالعہ کرے اور نہ ان کی تحقیق کے درپے ہو۔ اجمالاً اہلِ کشف کی بزرگی کا معتقد رہے، اور اجمالاً ان کی تصدیق بھی کرے کہ کرامت حق ہے۔

کشفِ صحیح بھی باوجود امن عن الغلطی کے حجتِ شرعیہ نہیں، نہ خود صاحبِ کشف پر حجت ہے اور نہ دوسروں پر، اگر وہ کشف شرع کے موافق ہو تو مقبول ہے، ورنہ مردود۔

علومِ کشفیہ کو تصوف میں کوئی دخل نہیں، نیز قربِ حق تعالیٰ کا مدار معاملے پر ہے، نہ کہ علومِ کشفیہ پر۔ نیز قرب کا مدار اعمال ہیں، نہ کہ احوال۔ اعمال کی مثال درختوں کی سی ہے اور احوال کی مثال گھاس کی، درختوں کی حفاظت کی جاتی ہے، نہ کہ گھاس کی۔

جو کیفیت معصیت کے ساتھ ہو وہ مردود ہے:

اہلِ باطل جو بیوی سے علیحدہ رہتے ہیں، اس کا منشا یہ ہے کہ یکسوئی میں خلل نہ آئے، حالانکہ جو کیفیت معصیت کے ساتھ جمع رہے، ایسی کیفیت خود مردود ہے۔ انوار، استغراق اور کشف وغیرہ اگر شریعت کی خلاف ورزی پر بھی باقی رہیں تو ایمان کے سلب ہو جانے کا سخت خطرہ ہے، اس وقت تو معصیت کی نفرت بھی قلب میں ہلکی ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھی بے غم ہو جائے گا اور اعمالِ صالحہ کی بھی قدر نہ رہے گی، اس کے علاوہ کئی اور مفاسد بھی مرتب ہو جائیں گے۔

خواب کا درجہ:

خواب مؤثر تو ہوتا نہیں، کیونکہ قرب یا بعد میں اس کو دخل نہیں، البتہ اگر واقعی سچا خواب ہو تو کسی فعل بد یا نیک کا اثر ہو سکتا ہے، اور ہم جیسوں کا خواب تو درحقیقت خواب ہی نہیں، اس لئے کہ وہ مؤثر نہیں، مؤثر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قابلِ التفات نہیں۔

حجبِ نورانیہ، حجبِ ظلمانیہ سے اشد ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ذوق، شوق، انس، یکسوئی، استغراق وغیرہ حجبِ نورانیہ ہیں، اور حجبِ نورانیہ، حجبِ ظلمانیہ سے اشد ہوتے ہیں، اس لئے کہ سالک حجبِ ظلمانیہ: حسد، کبر وغیرہ کے دفع کرنے کی طرف تو متوجہ ہوتا ہے، اور حجبِ نورانیہ کو مقصود سمجھ کر ان کو دفع کرنا ہی نہیں چاہتا، جس کی وجہ سے مقصودِ اصلی سے رہ جاتا ہے۔

مطلوب، عقلی گریہ ہے، نہ کہ طبعی گریہ:

بعض سالک دوسروں کے گریہ وبکا کو دیکھ کر افسوس کرتے ہیں، وہ سن لیں! کہ یہ طبعی گریہ ہے، جو کہ مطلوب نہیں، اور تم کو جو اس پر افسوس ہے، یہ عقلی گریہ ہے، جو تم کو حاصل ہے۔ میں گریہ کو منع نہیں کرتا، لیکن طبعی گریہ نہ ہونے کی بنا پر اپنی محرومی کا اعتقاد کرنا غلط ہے، کیونکہ اصل تم کو حاصل ہے یعنی افسوس۔

اللّٰھم صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

عبد اللہ عفی عنہ
از بہلی

ذکر اللہ اور اس کے متعلقات

ذکر میں ضرب کا حکم:

ذکر میں ضرب کا خاص طریقہ نہ مقصود ہے اور نہ مقصود کا موقوف علیہ۔ جس طرح بے تکلف ذکر ہو سکے کافی ہے۔

تصور بوقت ذکر:

ذکر کے وقت اوّل تو تصور مذکور، یعنی حق تعالیٰ کا تصور ہے، لیکن اگر یہ خیال نہ جمے تو پھر اس طرح خیال کرے کہ یہ ذکر قلب سے ادا ہو رہا ہے۔

تصور الی السماء کا حکم:

ذکر، شغل اور مناجات میں، حق تعالیٰ کا تصور کرتے ہوئے بلا تکلف آسمان کی جانب خیال بندھ جائے تو اس کے دفع کرنے کا قصد نہ کریں، یہ تصور فطری ہے، دفع ہو نہیں سکتا، اور کوئی بھی اس سے خالی نہیں، لیکن بالقصد ایسا نہ کریں۔

ذکر میں عدمِ لذت انفع ہے:

ذکر میں لطف و لذت کا حاصل ہونا ایک نعمت ہے، اور نہ ہونا دوسری نعمت ہے، جس کا نام "مجاہدہ" ہے، یہ اوّل سے انفع ہے، گو الذ یعنی زیادہ لذت والا نہ ہو۔

ذکر میں وضو کا حکم:

باوضو ذکر کرنے سے زیادہ برکت ضرور ہوتی ہے، لیکن وضو قائم رکھنا

ضروری نہیں۔ اگر کسی کا وضو نہ ٹھہرتا ہو اور بار بار وضو کرنے سے تکلیف ہو تو تیمم کر لے، مگر اس تیمم سے نماز و مس مصحف جائز نہیں، اور اذان کے وقت ذکر سے رک جانا اَولیٰ ہے۔

ذکر میں جی گھبرانے کے متعلق:

مبتدی کا اگر ذکر کرنے سے جی گھبراتا ہے تو سمجھ لو کہ مشقت بھی نفع میں جی لگنے سے کم نہیں۔ جس طرح ہو سکے حتی الوسع ذکر کو پورا کر لیا جائے، آہستہ آہستہ سب دشواری مبدل بآسانی بن جائے گی، اور منتہی جو اکثر وقت ذکر میں مست ہے، کثرتِ ذکر سے اگر کسی وقت اس کی طبیعت اکتا جائے تو چند منٹ یا گھنٹہ ذکر نہ کرے تا کہ طبیعت کو از سرِ نو نشاط ہو جائے۔

نماز میں ذکر کا حکم:

نماز میں نہ ذکرِ لسانی چاہئے، نہ قلبی، بلکہ توجہ الی الصلوٰۃ مطلوب ہے، اگر خود بخود ذکرِ قلبی جاری ہو جائے تو پھر بھی حتی الوسع نماز کی طرف توجہ کرے، اور ذکرِ قلبی تحرک کا نام نہیں، بلکہ ملکہ یادداشت کا نام ہے۔

ذکر اور نماز میں جی نہ لگنے کا علاج:

کسی وظیفے میں یہ اثر نہیں کہ اس سے عبادات میں جی لگنے لگے، اسی طرح اس کی اور کوئی تدبیر بھی نہیں، محققین نے جی لگنے کے لئے یہ فرمایا ہے کہ: کام میں ہمت سے لگا رہے، جی لگنے کا قصد نہ کرے، نہ انتظار کرے، حتی الوسع ذکر اور اس پر مداومت اس کے اختیار میں ہے سو وہ کرتا رہے، ان شاء اللہ تمام برکات اسی پر مرتب ہو جائیں گی، جو اس وقت نظر میں نہیں، کچھ مدت کے بعد نظر آ جائیں گی۔ سلوک کا طے ہونا توجہ ہونے اور جی لگنے پر موقوف نہیں، سلوک اصلاح پر موقوف

ہے، اور مداومتِ ذکر اس کا ذریعہ ہے۔

ذرود شریف:

حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ذرود شریف بھیجنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان نہیں کرتے، بلکہ ذرود شریف پڑھتے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنے جذبۂ شکریہ کا ارادہ کرے، اور پھر اس پر ثواب کا وعدہ مزید برآں ہے۔ اور ذرود شریف وہ طاعت ہے جو کبھی رَد نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ ہم شہزادہ کے متعلق ایسی سفارش کریں جس کو بادشاہ خود کرنے والا ہو تو ایسی سفارش کیسے رَد ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ایک بار ذرود شریف پڑھنا واجب ہے، اور اس کے بعد ہر بار نام مبارک سن کر ذرود شریف پڑھنا واجب نہیں، ہاں! محبت کا اقتضا یہ ہے کہ ہر بار "صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھا کرے۔

فائدہ:... ذکر میں صفات کی طرف توجہ کرنے کو اصطلاح میں "مشاہدہ" کہتے ہیں، اور ذات کے تصور کرنے کو معائنہ کہتے ہیں۔

ذکر وفکر، استغراق سے افضل ہیں، اس لئے کہ ذکر وفکر میں ترقی ہوتی ہے اور استغراق میں ترقی نہیں ہوتی، وہ ایک عام حالت کا نام ہے، ذکر وصلوٰۃ کو قرب میں زیادہ دخل ہے، بہ نسبت مطالعۂ کتب کے، مطالعۂ کتب مقصود بالغیر ہے، اور عمل مقصود اصلی ہے، گو لذت مطالعہ میں زیادہ ہے، مگر جزو بدن غذا بنتی ہے، نہ کہ چٹنی۔

فائدہ:... ذکر میں اگر ریا کا شائبہ محسوس ہوتا ہے تب بھی ذکر نہ چھوڑے، یوں سمجھو کہ یہ ٹمٹماتا چراغ ہے، جو آخرکار پل صراط سے پار کرا دے گا، اور ذکر نہ کرنے والے کے پاس تو یہ ٹمٹماتا چراغ بھی نہیں۔

اللہ اور رسول کا مقصود:

اللہ اور رسول کا مقصود یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنا اصلی کام بنالو اور دوسرے سب کاموں کو تابع بناؤ، اگر زبان سے ہر وقت ''اللہ۔ اللہ'' کرنا یاد نہ رہے تو تسبیح ہاتھ میں رکھو، اور ریا کا خوف نہ کرو، کیونکہ ریا وہ ہے جو بقصد و ارادہ ہو، اور بلاقصد و بلا ارادہ محض وسوسۂ ریا ہے، اور وسوسۂ ریا، ریا نہیں۔

تمام کاموں میں نفس کو مشقت کا عادی بناؤ:

تمام کام، خواہ دینی ہوں یا دنیوی، تمدنی ہوں یا سیاسی، سب کی غرض اور بنیاد نفس کو مشقت کا عادی بنانا ہے، اگر نفس کبھی ذکر و مراقبہ اور عمل بالسنت وغیرہ میں سستی کرے تو اس پر نوافل اور روزہ کا جرمانہ لگائے، اور اگر پھر بھی ہمت ہارے تو پوری ہمت سے اس کوتاہی پر مالی جرمانہ مقرر کرے اور ادا کرے، بس نفس اصلاح میں آتے آتے آجائے گا۔ اور امور غیر اختیاریہ مثلاً ذوق، شوق، انوار، استغراق اور کشف وغیرہ کے درپے نہ ہو، اگر مل جائیں تو الحمدللہ، اگر نہ ملیں تو پرواہ نہ کریں، مقامات کا حاصل کرنا مقاصد سے ہے، مثلاً توکل، رضا اور شکر وغیرہ، ان کے حالات کا اس وقت یہ مذہب اختیار کرے:

یابم او را یا نیابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم
یا ربِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

عبداللہ غفی عنہ نقشبندی قادری
ساکن بہلی ڈاک خانہ
غازی پور ضلع ملتان

حصول نسبت کی حقیقت

ولایت دو قسم پر ہے: ۱... ولایت خاصہ ۲... ولایت عامہ

ولایت عامہ... ہر مسلمان کے لئے ہے، جیسا کہ ارشاد ہے "اللہ ولی الذین آمنوا" (البقرۃ:۲۵۷)

ولایت خاصہ... موقوف ہے حصول نسبت پر، اور حصول نسبت موقوف ہے چند چیزوں پر۔

اول:... اعمال ظاہرہ و باطنہ کی بے تکلف اصلاح کرے۔ بالخصوص اعمال باطنہ (قلبیہ) کی اصلاح زیادہ اہم اور دشوار ہے، جب اعمال صالحہ ظاہرہ و باطنہ پر ایک "معتدبہ" مدت تک مواظبت و دوام کرے گا تو رفتہ رفتہ ان اعمال میں سہولت ہونے لگے گی، اس سہولت کے حصول کے لئے تمام مراقبات، ریاضات، مجاہدات، اذکار اور اشغال کرائے جاتے ہیں۔

مجاہدہ سے زمانہ میں سہولت، دوام طاعت کی ایک کیفیت راسخہ پیدا ہوجاتی ہے، جس پر حق تعالیٰ کی رضا مرتب ہوتی ہے اور یہی نسبت مع اللہ کی حقیقت ہے، اور بعض ذوق، انوار، دوام حضور یا ملکہ یادداشت جس کو کہتے ہیں وہ نسبت کی حقیقت نہیں ہے، البتہ حصول نسبت میں معین بہت ہے، مگر وہ بھی ہر وقت

اللہ پاک کا دھیان رب کا تو نافرمانی کا ہونا مشکل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ رضا و قبول کا ایک خاص تعلق ہو جائے، جس کے لوازم سے بندہ کے لئے سہولت طاعت اور حضور دائم ہے، اور یہ نسبت کا عطا ہونا محض موہوب ہے، کیونکہ کسی عمل صالح میں یہ قابلیت و قوت نہیں کہ وہ رضائے الٰہی کے لئے کافی ہو سکے، تو عادت اللہ یہ ہے کہ محض اپنے فضل سے وہ اپنی رضا کو اعمال صالحہ پر مرتب فرما دیتے ہیں۔

نیز واضح ہو کہ نسبت مع اللہ عادتاً حصول کے بعد پھر کبھی زائل نہیں ہوتی، جیسے بالغ ہونے کے بعد صفت بلوغ کبھی زائل نہیں ہوتی، صوفیہ کے قول: "الفانی لا یرد" کا یہی مطلب ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ فانی واصل ہے، یعنی صاحب نسبت سے کبھی صدور معصیت کا ہو جانا اس نسبت کے لئے مزیل نہیں ہے، اس کو ایسے سمجھو کہ گہری دوستی کے بعد یہ ضروری نہیں کہ کبھی شکر رنجی نہ ہو، یا تکمیل صحت کے بعد یہ ضروری نہیں کہ کبھی زکام نہ ہو، مگر وہ عارضی ہوگا، تدارک کے بعد پھر وہی حالت صحت لوٹ آئے گی، ایسے ہی یہاں بھی جلدی عنایت سے یعنی توفیق توبہ سے تدارک ہو جاتا ہے۔

دوم:... نسبت کے حصول کے لئے اتباع سنت کو بہت دخل ہے کہ اس سے انجذاب پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ متبع سنت محبوب ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" (آل عمران:۳۱)۔

محبت میں انجذاب ہوتا ہے اور انجذاب سے نسبت پیدا ہوتی ہے۔

نسبت کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کی صحبت میں "رغبت الی الآخرت اور نفرت عن الدنیا" کا اثر ہو، اور اس کی طرف دین داروں کو زیادہ اور دنیا داروں کو کم

توجہ ہو، مگر یہ پہچان خاص کر اس کے جزو اوّل کا ادراک "اہلِ طریق" کو زیادہ، اور مجوبین کو کم ہوتا ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ فاسق یا کافر یا بدعتی صاحبِ نسبت نہیں ہوسکتا۔ بعض لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات کو، جو ریاضت و مجاہدہ کا ثمرہ ہوتی ہیں، سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ کیفیات تو ہر مرتاض میں ہوسکتی ہیں، مگر یہ اصطلاح جہلاء کی ہے۔

نیز یاد رکھنا چاہئے کہ حصولِ نسبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آدمی کو ہر چیز سے زیادہ تعلق ہوجاتا ہے، جب یہ تعلق ہوجاتا ہے تو پھر کسی دُنیاوی شے کے فوت ہونے پر زیادہ قلق نہیں ہوتا، اسی لئے ذکر کی تلقین کی اجازت کے لئے، حصولِ نسبت شرط ہے۔

بیعت و تلقین کی اجازت کی دُوسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص طریقِ تربیت و اصلاح سے بھی واقف ہو، تاکہ طالبین کی صحیح خدمت کرسکے۔

سوم:... حصولِ نسبت کے لئے تیسری چیز "شیخ بصیر فی امراض القلب" (قلب کے اَمراض میں صاحبِ بصیرت شیخ) کا اتباع ہے، اس لئے کہ بعض امراض خفیہ ہوتے ہیں اور شیخ محقق و عارف کی تنبیہ کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے، اور اگر سمجھ میں آجائیں تو ان کا علاج سمجھ میں نہیں آتا، اور حصولِ نسبت کے لئے امراضِ رُوحانیہ سے صحت شرط ہے، اس لئے شیخ محقق سے تعلق ضرور ہونا چاہئے۔

تحصیلِ نسبت کے لئے اکسیر نسخہ:

اُمور دو قسم پر ہیں:

۱:...اُمورِ اختیاریہ: مثلاً: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔

۲:...اُمورِ غیر اختیاریہ: مثلاً: ذوق، شوق، محو اور سکر وغیرہ۔

اختیاری اُمور میں کوتاہی کا علاج:

اختیاری اُمور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت و استقلال کے کچھ نہیں، اور افعالِ شرعیہ سب اختیاری ہیں، ورنہ نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے، جب انسان اختیار کا استعمال کرے گا تو کامیابی لازم ہے، البتہ شروع میں دُشواری و کلفت ضرور ہوگی، لیکن اس کا علاج بھی یہی ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت اور اختیار سے برابر بے تکلف اور بے جبر کام کرتا رہے، رفتہ رفتہ وہ کلفت سہولت سے بدل جائے گی، سارے مجاہدات بس اسی لئے ہیں کہ امتثالِ اوامر اور اجتناب نواہی میں سہولت پیدا ہوجائے۔ کرتے کرتے مشق ہوجاتی ہے، پھر نہایت سہولت سے اَحکام پر عمل ہونے لگتا ہے، جیسے سبق پڑھتے پڑھتے یاد ہوجاتا ہے، اگر شروع کی کلفت اور دُشواری کی حالت میں ہمت ہار دی تو پھر کامیابی مشکل ہوجائے گی۔ تمام دِینی، دُنیاوی، تمدنی، اور سیاسی مصالح کی بنیاد نفس کو مشقت کا عادی بنانا ہے، اگر نفس کبھی سستی کرے تو اس پر نوافل اور روزہ کا جرمانہ لگائے، اگر پھر بھی ہمت ہارے اور کوتاہی کرے تو پوری ہمت سے اس پر مالی جرمانہ لگائے اور اس جرمانے کو ادا کرے، بس نفس اصلاح میں آتے آتے آجائے گا۔

خلاصۂ تصوّف: علم مع العمل ہے:

غیر اختیاری اُمور کے بارے میں طرزِ عمل یہ ہو کہ اُمورِ غیر اختیاریہ کے حصول کرنے کے درپے نہ ہو، اور ان کے پیچھے نہ لگے، مثلاً ذوق، شوق، استغراق،

انوار وغیرہ نہ ہوں تو بلا سے نہ ہوں، اس لئے کہ احوال کے نہ ہونے سے سلوک میں
کوئی نقص نہیں، کیونکہ مقامات مقاصد ہیں، نہ کہ احوال، بلکہ طالب صادق کو غلام بن
کر رہنا چاہئے، ثمرات پر نظر نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس وقت یہ مذہب اختیار کرے۔

یابم یا نیابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

ایسی غلامی دیکھ کر آقا کو رضا و قبول کا ایک خاص تعلق اپنے غلام سے ہو جاتا
ہے، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا۔

اللھم صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

اصلاحِ رذائل

دُنیائے مذموم کی شناخت:

ضرورت کی بنا پر مطلق مال کی خواہش حبِ دُنیا نہیں۔

حبِ دُنیا کی علامت:

حرام مال کے جمع کرنے سے نہ بچنا، یا اپنی حاجات سے زائد جمع کرنا، اگرچہ حلال سے ہو اور بوقت ضرورت شرعی خرچ نہ کرنا۔

غفلتِ مذموم:

غفلتِ مذموم یہ ہے کہ بے شغلی کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے بے توجہ رہے، اور ایسا شغل جو توجہ الی اللہ سے مانع ہو، اسے بلا ضرورت اختیار کرے۔

مال کا جمع کرنا مطلقاً خلافِ زُہد نہیں:

مال کا جمع کرنا مطلقاً خلافِ زُہد نہیں، خلافِ زُہد وہ ہے کہ اس مال کو ذریعہ معاصی بنالے۔ بعضوں کے لئے مال دار ہونا مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کو مال سے قرب ہوگا؟ اور کس کو افلاس سے؟ اسی لئے کسی کو مال دیتے ہیں اور اپنا بناتے ہیں، اور کسی کو افلاس دے کر صبر و شکر کی توفیق سے نواز کر اپنا بناتے ہیں۔

اے بیاری عورت! تو نے اتنے شوہر بنائے مگر پھر بھی جوان ہے؟ کہا کہ: ایک بات میں کہتی ہوں جو سچ ہے کہ جو مرد تھا اس نے مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا، اور جو نامرد تھا اُس نے چاہا ہے، اور جس نے نہیں چاہا، میرے نزدیک وہ بہتر ہے۔"

حرصِ مذموم کی شناخت:

شریعت میں حرصِ مذموم وہ ہے جس سے دُنیا کو دین پر ترجیح ہونے لگے، ورنہ وہ حرص، حرص نہیں۔ اگر مال کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا وسیلہ بنالے تو وہ محبت مذموم نہیں، بلکہ کسی درجے میں مطلوب ومحمود ہے، کیونکہ مال کا ضائع کرنا حرام ہے۔

حرص کا علاج اور خوشی کا راز:

مخلوق کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، سب سے اُمید قطع کردے، قلب اور بدن، سب راحت میں آجائے گا، اور غم کافور ہوجائے گا۔

بخلِ مذموم:

بخلِ مذموم وہ ہے کہ جس سے حقوقِ واجبہ فوت ہوجائیں۔ محض قلب کی تنگی جبکہ حقوقِ واجبہ فوت نہ ہوں، حبِ مال نہیں، بلکہ حبِ اعتدال ہے۔

بخیل کی اجازت:

بخیل کی اجازت بھی مشکوک ہے، اور سخی دوستوں سے بغیر اجازت کے کھانا جائز ہے، بشرطیکہ دل گواہی دے کہ اس کو ناگوار نہ ہوگا، بلکہ چھین کر کھانا بھی جائز ہے۔ (انفاسِ عیسیٰ ص:۱۹۰)

اسراف سے بچنے کا طریقہ:

خرچ کرنے سے پہلے سوچا کرو کہ اس جگہ خرچ نہ کرنے سے کچھ ضرر ہوگا یا نہیں؟ اگر واقعی ضرورت ہو اور خرچ نہ کرنے سے حقیقی نقصان ہو تو خرچ کرو، ورنہ نہ کرو، کیونکہ وہمی و خیالی ضرر معتبر نہیں۔ معیار تو ہر حال میں شریعت ہے، اس طرز کو اختیار کرنے سے اسراف سے بچ جاؤ گے، اور بیوی کا دل خوش کرنے کے لئے کوئی چیز خریدنا اسراف نہیں، کیونکہ بیوی کا دل خوش کرنا بھی مطلوب ہے۔ اسراف وہ ہے کہ جس میں ثواب یا دنیاوی نفع "معتد بہ" نہ ہو۔

علاج... اہل اللہ کی وضع رکھو، بلاضرورت ہرگز مقروض مت ہو، کو رسم و رواج کے خلاف کرنا پڑے، ہر کام سوچ سے کرو، کسی کے کہنے سے کوئی کام مت کرو، بلکہ اس میں اپنی رائے قائم کرو

سن لاکھ تجھے کوئی سنا دے
کیجیو وہی جو سمجھ میں آوے

حرصِ طعام اور اس کا علاج:

خوراک کم کرنے کی فکر میں نہ پڑیں، ضعف ہو جائے گا، جب خدا تعالیٰ نے کھانے کو دیا ہے اور کھانے کی اجازت بھی دی ہے، پھر تنگی کیوں کریں؟ پیٹ بھر کر کھانا گناہ نہیں، ہاں! زیادہ کھانے سے اگر ضرر کا احتمال ہو تو پھر زیادہ کھانا اپنے کو بیماری میں مبتلا کرنا ہے، اس کا علاج یہ سوچنا ہے کہ زیادہ کھانے سے ضرر ہوگا۔

آدابِ طعام:

۱... جس کے ہاں مہمان ہو، اس کو اپنے معمولات کی پہلے سے اطلاع کر دو، کہ میں فلاں چیز نہ کھاؤں گا، دسترخوان پر بیٹھ کر اپنے معمولات بیان کرنا

خلاف تہذیب ہے۔

۲: میزبان، مہمان کے اوپر مسلط ہو کر نہ بیٹھے، بلکہ مہمان کو آزاد چھوڑ دے۔

۳: میزبان کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں، اگر ساتھ کھانا ہو تو کھانا بھی پہلے میزبان کے سامنے رکھا جائے۔

۴:... میزبان کھانا خود پہلے شروع کر دے، اس سے مہمان بے تکلف ہو جاتا ہے۔

۵.. میزبان کو چاہئے کہ مہمانوں کو کھاتے ہوئے ہرگز نہ گھورے، کیونکہ اگر مہمان کو معلوم ہو جائے کہ میزبان میرا لقمہ دیکھ رہا ہے، تو اس سے کھانا نہیں کھایا جائے گا۔

۶.. بسم اللہ پڑھ کر کھانا۔

۷... مہمان کو چاہئے کہ اتنے دن میزبان کے ہاں رہائش رکھے جس سے میزبان تنگ نہ ہو، اگر یہ احتمال کم ہو تو بھی بقدر ضرورت رہے اور بے تکلف پوچھ لے۔

کثرت کلام کی مذمت:

شریعت کی یہ تعلیم و تاکید ہے کہ بے ضرورت باتوں میں نہیں پڑنا چاہئے، حدیث "من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ" اس پر صریح دلیل ہے۔

نقصان دہ بات کی شناخت:

ہر کام اور ہر بات میں سوچنا چاہئے کہ اس کی غرض و غایت کیا ہے؟ جس کام اور جس بات کی کچھ غایت نہ ہو وہ فضول ہے، اور اگر غایت تو معلوم ہو مگر مفید نہ ہو، تو وہ بھی فضول ہے، اگر غایت میں کوئی لازمی یا متعدی ضرر ہو تو وہ کلام یا بات مضر ہے۔

فائدہ: سلف میں مناظرہ اس لئے ہوتا تھا کہ شاید فریق مخالف سے کوئی حق بات ظاہر ہو جائے تو ہم اس کو مان لیں۔ اور اب اس لئے ہوتا ہے کہ خدا کرے فریق مخالف سے غلط بات نکلے تاکہ ہم اس کو شرمندہ کریں، ذلیل کریں اور اس کی تحقیر کریں، لہٰذا مناظرہ اب سراسر معصیتِ قلب و لسان ہے۔

معصیت لسانی سے بچنے کا طریقہ:

اکثر وقت زبان کو ذکر اللہ میں مشغول رکھو، امر بالمعروف کرتے رہو، اور ہمت کرو کہ غلط لفظ منہ سے نہ نکلے، غلط لفظ نکلنے پر اپنے کو مالی جرمانہ کرو، ضرورت کے وقت سوچ کر بات کرو، فضول آدمی کے پاس سے فوراً اٹھ جاؤ، اگر جواز و عدم جواز میں شبہ ہو تو کسی محقق عالم سے پوچھ کر عمل کرو، یاد رکھو! کہ لایعنی کلام تحت معصیتِ قلب ہے۔

جھوٹ کا عملی علاج:

جس کو جھوٹ بولنے کی عادت ہو اس کا مجرب علاج یہ ہے کہ جس سے کلام کرے اس سے پہلے یہ کہہ دیا کرے کہ "میری عادت کثرت سے جھوٹ بولنے کی ہے" تھوڑے دن ایسا کرنے پر مداومت سے ان شاء اللہ جھوٹ کی عادت چھوٹ جائے گی۔ نیز ایسا کلام مت کرو جس کی بنا پر دنیا یا آخرت میں معذرت کرنا پڑے۔

حب جاہ کی حقیقت:

جاہ وہ مضر ہے جو طلب سے ہو، مثلاً: بڑے بننے کی، مشہور بننے کی یا عالم کہلانے کی کوشش وغیرہ، اگر جاہ بغیر طلب کے حاصل ہو تو وہ مضر نہیں۔ جاہ کا حصول اس لئے ہو کہ ظالموں کے ضرر سے بچے تو یہ درست ہے، اور اس نیت سے کہ لوگوں میں وقعت ہونے سے ان کو نفع پہنچ ہوگا، جو مناسب خواہ شرع کے موافق ہوں

یا مخالف، پورے ہوں گے، واہ واہ کا آوازہ ہوگا، تو یہ مذموم ہے۔

علاج:... اس کا علاج یہ ہے کہ حب جاہ کے بارے میں جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہوئی ہیں، ان کو پڑھتے رہیں اور اپنے نفس کو ان الفاظ سے خطاب کرتے رہیں کہ: اگر لوگوں کو ان رذائل کی اطلاع ہو جائے تو وہ تجھے کتنا ذلیل اور حقیر سمجھیں؟ تیرے لئے تو یہی غنیمت ہے کہ لوگ تجھ سے نفرت اور تیری تحقیر نہیں کرتے، نہ یہ کہ ان سے تعظیم و مدح کی توقع رکھی جائے۔

عملی علاج:... مداح (تعریف کرنے والے) کو زبان سے منع کرو، اس میں ذرا اہتمام سے کام لو، اس کے ساتھ ساتھ جو لوگ ذلیل شمار کئے جاتے ہیں، ان کی تعظیم کرو، جو نفس کو گراں گزرے۔

ترقی مروّجہ اور ترقی حقیقی کا فرق:

"فاستبقوا الخیرات" میں خود ترقی کا حکم ہے، لیکن اس قید کے ساتھ کہ ترقی خیر میں کرنی چاہئے۔ آپ ترقی درہم کے حامی ہیں، خواہ دین سلامت رہے یا نہ رہے، اور ہم لوگ بدون سلامتِ دین کے ترقی درہم کو "ترقی ورم" کہتے ہیں، جس شخص کے بدن پر ورم ہو جائے، ظاہر ہے کہ وہ بھی "ترقی یافتہ" ہے، مگر تنزل کی طرف جا رہا ہے۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

انفاسِ طیباتِ اولیائے کرامؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

حضرت شیخ ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ:

بزرگوں کی حکایات پر جب ہم عمل نہیں کرتے تو ان کے سننے میں کیا فائدہ ہے؟ شیخ نے فرمایا: اس میں دو فائدے ہیں:

۱... اگر مرد طالب و سالک ہوگا، اس کی ہمت قوی ہو جائے گی، طلب میں زیادہ کوشش کرے گا۔

۲... اور اگر طالب نہیں، تو شاید تکبر سے تواضع کی طرف آجائے۔

اسی طرح حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔

حضرت ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ:

اگر بزرگانِ دین بھی چھپ جائیں تو ہم کیا عمل کریں جس سے سلامتی پائیں؟ فرمایا کہ ان کے سخنوں (حکایات) کے آٹھ ورق پڑھا کریں۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ گناہ کہ جس میں ڈر و خوف ہو، پھر اس کے بعد توبہ و عذر ہو، اس طاعت سے بہتر ہے، جس میں عجب و خود پسندی ہو، کیونکہ عجب و خود پسندی اللہ تعالیٰ کی بندگی

سے دُور کر دیتی ہے۔

مبارک آں معصیتے کہ مرا بہ عذر آرد

زنہار ز طاعتے کہ مرا بہ عجب آرد

ترجمہ... "مبارک ہے وہ معصیت جو مجھے عذر پر لے

آئے اور اس طاعت سے، جو مجھے عجب (خودپسندی) میں مبتلا کر دے"

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"میں نہیں جانتا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا، پھر غیر سے انس و محبت کرے۔"

اور فرمایا کہ "گناہ کے چھوٹے ہونے کو نہ دیکھ، جس کی نافرمانی کر رہا ہے اس کو دیکھو۔"

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ایک دن نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

تین کاموں سے بچو:

۱... بادشاہوں کے بچھونوں پر مت بیٹھو، اگرچہ شفقت سے ہو۔

۲... کسی کو راز کی بات نہ کہو۔

۳... اور عورت کی طرف کان نہ لگاؤ، اگرچہ تم جوانمردی رکھتے ہو، کیونکہ یہ آفت سے خالی نہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جس شخص کو لوگوں سے باتیں کرنا زیادہ پسند ہو اللہ تعالیٰ کی یاد و ذکر سے اس کا علم تھوڑا ہے، اس کا دل نابینا ہے، اور اس کی عمر ضائع ہے۔ اور فرمایا: سب سے بہتر عمل اخلاص ہے۔

بزرگانِ دین کا فرمان ہے: توحید تین قسم پر ہے: ۱... ذاتی، ۲... صفاتی،

۳:...افعالی۔ ہر ایک ابیات میں پیش خدمت ہیں:

آمدن در توحید می گویم سخن
نیست اینجا گنجائے ما و من

ترجمہ... ''اب توحید میں گفتگو کرتا ہوں، یہاں ما و من
کے گنجائش نہیں ہیں۔''

ما و من اینجا مگو اے بے ادب
زانکہ توحید است اسقاط نسب

ترجمہ... ''ما و من یہاں نہ کہہ اے بے ادب! اس
لئے کہ توحید نسبت ساقط کرنے کا نام ہے (یعنی خدا کے علاوہ
دوسروں کی نسبت ساقط کرنے کا)۔''

توحید فعلی:

در جہاں فاعل نہ بینی جز خدا
فعل اللہ است جملہ فعل ہا

ترجمہ: ''جہاں میں فاعل اللہ کے سوا کوئی نہیں، تمام
افعال اللہ تعالیٰ کے ہیں۔''

دادن و بخشیدن و کردن زدن
جملہ باشد فعل حق ذوالمنن

ترجمہ: ''دینا، بخشنا، کرنا، مارنا، سب احسان
والے حق تعالیٰ کے افعال ہیں۔

توحید صفاتی:

ہم چنیں باشد صفاتی اے گدا
نیست موصوفے دگر جز یک خدا

ترجمہ... ''اے فقیر! توحید صفاتی اس طرح ہے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی موصوف نہیں۔''

قادر و حی و توانا ہست او
عالم و بینا و دانا ہست او

ترجمہ... ''وہی قادر، زندہ اور توانا ہے، اور عالم، دانا، بینا وہی ہے۔''

توحید ذاتی:

ایں ذوات خلق یکذاب است وبس
نیست جز اللہ دیگر ہیچ کس

ترجمہ... ''مخلوق کی یہ ذوات سب جھوٹی ہیں، اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔''

ہرچہ گویم ہرچہ بنویسم حق است
ہرچہ دانم ہرچہ خوانم مطلق است

ترجمہ... ''جو کچھ کہتا ہوں اور جو کچھ لکھتا ہوں، حق ہے، جو کچھ جانتا ہوں اور جو کچھ پڑھتا ہوں، مطلق ہے۔''

یہ توحید وجودی ہے، اور جن کے نزدیک توحید شہودی ہے، وہ فرماتے ہیں:

مذہب اہل شہود است ایں چنیں
کہ خدا پاک است نہ آں ہست نہ ایں

ترجمہ... "اہل شہود کا مذہب اس طرح ہے، کہ اللہ
تعالیٰ پاک ہے، شہود بے نشد ہے۔"

جملہ مخلوق اند از وے انس و جان
است قیوم زمین و آسمان

ترجمہ... "سب مخلوق یعنی جن و انس اسی سے ہیں،
وہی زمین و آسمان کا قیوم ہے۔"

دارد او سر تا قدم تنزیہ صرف
پاک ذاتش ہست از تشبیہ صرف

ترجمہ... "وہ مکمل طور پر پاک ہے، اس کی ذات تشبیہ
سے بالکل پاک ہے۔"

در حقیقت جملہ او نبود روا
کو منزہ ہست از اشیا

ترجمہ... "درحقیقت جملہ او کہنا جائز نہیں، اس لئے کہ
وہ اشیا سے منزہ ہے۔"

گر ہمہ حق در نظر آید ترا
نیست ہرگز فی الحقیقت ہم چنا

ترجمہ... "اگر تجھے سب حق نظر آئے، درحقیقت میں
ہرگز اس طرح نہیں ہے۔"

چونکہ غالب گشت بر تو عشق او
در نظر می آید او بے چارسو

ترجمہ... "جب تجھ پر اس کا عشق غالب آجائے، تو

طرف وہی مجھے نظر آئے گا۔"

ہم چو مجنوں کہ زہی مشتاق بود
ہر کجا شد روئے لیلیٰ می نمود

ترجمہ..."مجنوں کی طرح جو بہت مشتاق تھا، ہر جگہ
اس کو لیلیٰ کا چہرہ دکھائی دیتا تھا۔"

درحقیقت نیست لیلیٰ ہر کجا
بل خیال اوست ہر جا رہنما

ترجمہ..."حقیقت میں لیلیٰ ہر جگہ نہیں ہے، بلکہ اس کا
خیال ہر جگہ اس کا راہنما ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

جو شخص سفر میں روانہ ہونے کے وقت آیۃ الکرسی ایک بار سامنے اور ایک بار پیچھے اور ایک بار دائیں جانب اور ایک بار بائیں جانب پڑھ کر دم کرے اور پھر سلامتی و عافیت کی دعا مانگے، ان شاء اللہ تعالیٰ سفر بالخیر اور سلامتی سے واپس آئے گا۔

ایک بزرگ نے فرمایا: جو شخص راستہ بھول جائے، وہ سورۂ والضحیٰ چند بار پڑھ کر دعا مانگے، تو راہ یاب ہو گا۔

اگر راہزنوں کا خطرہ ہو تو یہ پڑھے: "منک بزہ الذین، ایاک نعبد وایاک نستعین" خطرے سے محفوظ رہے گا۔ نیز سورۂ یٰسین سات بار مع بسم اللہ کے پڑھنا ڈاکوؤں اور راہزنوں کے دفاع میں بڑا اثر رکھتی ہے۔

فراخی رزق کے لئے سورۂ واقعہ مغرب کی سنتوں میں پڑھتا رہے۔

زیارت یعنی بشارت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورۂ "انا اعطینٰک

الکوثر" ہزار بار، گیارہ روز تک پڑھا کرے، اوّل و آخر درود شریف سات سات بار، بہ لحاظ معنی پڑھے، اور یہ تصور کرکے پڑھے کہ روضۂ اقدس کے پاس حاضر ہوں اور "اَللّٰھُمَّ صَلِّ" پڑھتے وقت رب تعالیٰ کی طرف اور "عَلٰی مُحَمَّدٍ" یا "عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ" پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصور کرے، اسی طرح تمام درود شریف کو معنی کے لحاظ سے ہزار بار گیارہ روز یا اکیس روز تک پڑھے، ان شاء اللہ بے بہرہ نہ رہے گا۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد والہ واصحابہ واتباعہ اجمعین من الصلوٰۃ والسلام افضلھما واکملھما ادومھما

عبداللہ غفی عنہ
نقشبندی، قادری، حنفی، بہلوی
شجاع آباد

چند نکاتِ تصوّف

منقول از مکاتیب حضرت مجدد الف ثانیؒ

درود شریف:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اگرچہ ریا وسمعہ سے پڑھا جائے، مقبول ہے، اور یہ درود شریف حضور علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں پہنچایا جائے گا، گرچہ پڑھنے والے کو اس کا ثواب نہ ملے، کیونکہ ثواب تصحیح نیت پر موقوف ہے، اور حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے یہ بندگی کافی ہے۔ "فضل اللہ علیک عظیمًا"۔

بڑی چوری:

کسی کا مال چرانا کبیرہ گناہ ہے۔ عورت بلا اجازت شوہر کا مال چھپا دے، یہ بھی چوری میں داخل ہے، اور بڑی چوری یہ ہے کہ نماز کے رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ وغیرہ پورے طور پر ادا نہ کرے، حدیث میں اس کو "اسرق السارقین" فرمایا ہے۔

تجلی دو قسم ہے:

تجلی دو قسم ہے: ایک وہ کہ حضور بے غیبت ہو، دائم ہو، چھپے نہیں، یہ اعلیٰ قسم

لہٰذا خیر کے مقابل شر، اور کمال کے مقابل نقص ہے، پس جو شخص جتنا اپنے میں عیب و نقص دیکھتا ہے، اتنا ہی خیر و کمال میں زیادہ تر ہے:

ہر کہ بر عیب خود بینا شود
روح او را قوتے پیدا شود

مگر یہ علم ذوقی ہے، یہ نہیں کہ شر و نقص سے متصف ہو جائے۔

سنت و بدعت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام یا بطور عبادت ہیں یا بجہت عادت، پس جو کام بطور عبادت ہوں ان کے خلاف کرنا بدعت ہے، جو احداث فی الدین اور مردود ہے، اس کا روکنا ضروری ہے، اور جو کام بطور عادت ہوں، ان کا خلاف، بدعت اور منکر نہیں ہے۔ ہر شہر کا عرف و عادت اگر دوسرے شہر کے عرف و عادت کے خلاف ہوتا ہے، تو اس چیز کا ہونا نہ ہونا عرف و عادت پر ہے، نہ کہ دین و ملت پر۔

فائدہ... بدعت حسنہ وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدینؓ کے بعد ظاہر ہو اور رافع سنت نہ ہو، اور بدعت سیئہ وہ ہے جو رافع سنت ہو۔

احداث فی الدین ممنوع ہے، اور احداث للدین جس پر دین کا فہم موقوف ہو، جیسے نحو، صرف وغیرہ، وہ بدعت میں داخل نہیں۔

جاننا چاہئے کہ سماع اور رقص درحقیقت لہو و لعب میں داخل ہیں، آیت: "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيْثِ" سرود و غنا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کسی فقیہ نے کسی وقت اباحت سرود کا فتویٰ نہیں دیا، اور پاکوبی اور رقص کو جائز نہیں رکھا، اور صوفیوں کا فتویٰ حلت و حرمت میں سند نہیں۔

یہ دیکھنا چاہئے کہ جب تک بدعت حسنہ کو بدعت سیئہ کی طرح نہ چھوڑے،

حقیقت کی خوشبو ان کے دماغ میں نہیں آسکتی، کذا قال المجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔

احوال، مواجید، علوم اور معارف:

وہ احوال، مواجید، علوم اور معارف جو صوفیوں کو راہ میں وارد ہوتے ہیں، مقاصد سے نہیں ہیں، مقاصد مقامات کا حصول ہے، اور وہ یہ ہیں توبہ، توکل، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، فقر، قناعت اور رضا۔ یعنی ریاضات و مجاہدہ سے ان مقامات کو حاصل کرے اور مقام فنا محبت ذاتیہ میں پہنچے، اور فنا کے بعد اخلاص حاصل ہوگا۔ اسی پر فرمایا ہے کہ بغیر فنا اخلاص حاصل نہیں ہوتا۔ اللّٰھم ارزقنا بفضلک!

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واتباعہ اجمعین

عبداللہ عفی عنہ
نقشبندی، قادری، چشتی
ساکن بلی ضلع ملتان

۲:... "هكذا رأيت في ١٣٥٤هـ أكرم الخلق عليه وعلى آله وأصحابه الصلوٰة والسلام دائماً، فأجلسني مع نفسه الشريف على المائدة لأكلت معه شبعاً، الحمد لله رب العالمين حمداً كثيراً مباركاً فيه ومباركاً عليه."

ترجمہ:... "اسی طرح ۱۳۵۴ھ میں اکرم الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ پر اور آپ کی آل پر ہمیشہ صلوٰۃ وسلام ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھایا اور پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیر ہوکر کھانا کھایا۔"

۳:... "هكذا رأيت ليلة العرفة في ذي الحجة ١٣٥٤هـ الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه ومباركاً عليه."

ترجمہ:... "اسی طرح ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ کی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔"

۴:... "هكذا رأيت ذو القعدة ١٣٥٧هـ أن أكرم الخلق أسكن في مسكني وأنا أرغب الناس في زيارته صلى الله عليه وسلم."

ترجمہ:... "اسی طرح ذوالقعدہ ۱۳۵۷ھ کو میں زیارت مبارک سے مشرف ہوا اور دیکھا کہ اکرم الخلق صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں فروکش ہیں اور میں لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی زیارت کے لئے ترغیب دے رہا ہوں۔

۵... "رأيت في ۱۳۹۰ھ ان اشرب من ماء في مكة المبارك."

ترجمہ... "۱۳۹۰ھ میں زیارت سے مشرف ہوا اور دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک میں آپ کا (بچا ہوا) پانی پی رہا ہوں۔"

۶... "بفضل الله وكرمه رأيت اكرم الخلق صلى الله عليه وسلم في سفر الحج ۱۳٦۷ھ ومرة زرت فتكلم معي بكلمات."

ترجمہ... "۱۳٦۷ھ میں حرمین شریفین کے سفر میں زیارت باسعادت نصیب ہوئی اور ایک مرتبہ زیارت نصیب ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ کچھ گفتگو فرمائی۔"

۷... "هكذا رأيت بفضل الله وكرمه سيد المرسلين في محرم ۱۳۷٤ھ في نصف النهار يبلغ التوحيد وعليه تاج النبوة والرسالة مربوعا احسن الصورة صلى الله عليه وسلم صلوة وسلاما دائمين متلازمين ثم انه ابلغ التوحيد واقبح عبادة الأصنام ثم ناظرت بأبي لهب ثم بمشرك اخر في مجلسهم، الحمد لله حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه ومباركًا عليه، كما يحب ربنا ويرضى عبدالله عفي عنه

مهتمم مدرسه بهلوی."

ترجمہ... ''اللہ کے فضل و کرم سے محرم ۱۳۷۲ھ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے دوپہر کے وقت مشرف ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد، انتہائی خوبصورت شکل میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ صلوٰۃ وسلام نازل ہو، اور دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی تبلیغ کر رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سر پر نبوت و رسالت کا تاج ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کو خوب اچھی طرح بیان کیا اور بتوں کی قباحت و شناعت بیان کی، پھر میں نے ابولہب اور ایک دوسرے مشرک کے ساتھ ان کی مجلس میں مناظرہ کیا۔''

۸... ''هكذا رأيت بفضل الله تعالى وكرمه سيد المرسلين وعليه السلام أكرمها وادومها في شعبان ۱۳۸۴ھ عليه تاج منصب منور لم ير مثله، الحمدلله حمدا مباركا كما يحب ربنا ويرضى۔''

ترجمہ... ''ایسے ہی شعبان ۱۳۸۴ھ میں اللہ پاک کے فضل و احسان سے مجھے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اس حالت میں ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ایک چمکدار، نورانی، بے مثل تاج تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے اعلیٰ و افضل دائمی صلوٰۃ وسلام نازل ہو۔''

۹: ''رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم انه نائم فاستيقظ فنظر الي، الحمدلله تعالى۔''

ترجمہ... ''ایک دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

تتمہ حقوق الزوجین

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ اللہ تعالٰی کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرے، تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔" (ترمذی ج۱ ص۱۳۸)

مگر اللہ تعالٰی کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ جائز نہیں، اس لئے عورت کو شوہر کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عورت جب پانچوں نمازیں پڑھ لے، رمضان کے مہینے کے روزے رکھے، اپنے دامن کو پاک رکھے، اور اپنے مرد کی اطاعت کرے، تو جس دروازہ جنت سے چاہے داخل ہو۔" (مشکوٰۃ ص ۲۸۱)

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"تین شخص ایسے ہیں جن کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی،

اور نہ ان کی نیکی اوپر کو چڑھتی ہے: ایک وہ غلام جو اپنے مالک سے بھاگ جائے، تا آنکہ اپنے مالک کی طرف واپس نہ آ جائے، دوسری وہ عورت جس کا شوہر اس پر ناراض ہو، اور تیسرا نشے والا تا آنکہ ہوش میں آ جائے۔" (مشکوٰۃ ص:۲۸۳)